کتاب الفتاویٰ

مقدمہ

ایمان

پہلا حصہ

علم

فہرست

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب

مفتی محمد عبد اللہ سلیمان مظاہری

زمزم پبلشرز

کتاب الفتاویٰ

پہلا حصہ

مقدمہ
ایمان
علم
فہرست

"زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق سوالات کا جواب اور مسائل کا حل، کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں، حوالہ جات کے اہتمام کے ساتھ اور آسان زبان میں"

تالیف:
مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب
مفتی محمد عبد اللہ سلیمان مظاہری

زمزم پبلشرز

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

"کتاب الفتاویٰ" کے جملہ حقوق اشاعت وطباعت پاکستان میں مولانا محمد رفیق بن عبد المجید زمزم پبلشرز کراچی کو حاصل ہیں لہذا اب پاکستان میں کوئی شخص یا ادارہ اس کی طباعت کا مجاز نہیں بصورت دیگر زمزم پبلشرز کو قانونی چارہ جوئی کا مکمل اختیار ہے۔

از
مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اس کتاب کا کوئی حصہ بھی زمزم پبلشرز کی اجازت کے بغیر کسی بھی ذریعے بشمول فوٹو کاپی برقیاتی یا میکانکی یا کسی اور ذریعے سے نقل نہیں کیا جاسکتا۔

زمزم پبلشرز کراچی

کتاب کا نام ــــــــ کتاب الفتاویٰ

تاریخ اشاعت ــــــــ اگست ۲۰۰۷ء

تالیف ــــــــ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب ــــــــ مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری

سرورق ــــــــ

مطبع ــــــــ زمزم پبلشرز کراچی

ناشر ــــــــ زمزم پبلشرز کراچی
شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اُردو بازار کراچی

فون: 021-2760374

فیکس: 021-2725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: http://www.zamzampub.com

ملنے کے دیگر پتے

- مکتبہ بیت العلم [illegible] کراچی۔ فون 2018342
- قدیمی کتب خانہ، بالمقابل آرام باغ کراچی
- صدیقی ٹرسٹ، لسبیلہ چوک کراچی۔
- مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور
- کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی
- مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- ادارہ تالیفات اشرفیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
- دارالاشاعت، اردو بازار کراچی

Books Also Available in :

* United Kingdom
AL-FAROOQ INTERNATIONAL
68, Asfordby Street Leicester
LE5-3QG

* United States of America
ISLAMIC BOOK CENTRE
119-121 Halliwell Road, Bolton Bl1 3NE

* South Africa
Madrasah Arabia Islamia
PO Box 9786
Azaadville 1750 South Africa
E-mail: darulum@webmail.co.za

بسم الله الرحمن الرحيم

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ (النحل)

''(اے محمد ﷺ) ہم نے آپ سے پہلے بھی جب کبھی رسول بھیجے ہیں، آدمی بھیجے ہیں، جن کی طرف ہم اپنے پیغامات وحی کیا کرتے تھے، پس اے لوگو! اہل ذکر (علم) سے پوچھ لو، اگر تم لوگ خود نہیں جانتے''۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضروری وضاحت

راقم الحروف کے فتاوی کا مجموعہ ''کتاب الفتاویٰ''
کے نام سے چھ جلدوں میں شائع ہو چکا ہے اور اُمید ہے
کہ ان شاء اللہ تعالیٰ مزید چار جلدیں اس کے عنقریب آئیں گی،
ہندوستان میں اسے میری اجازت سے ''کتب خانہ نعیمیہ دیوبند''
شائع کر رہا ہے، پاکستان میں اس حقیر نے زمزم پبلشرز
کراچی کو اس کی اشاعت کی اجازت دی ہے، اس لیے
کوئی اور مکتبہ اسے شائع کرنے کی
زحمت نہیں کرے۔

۱۴/ جمادی الاولی ۱۴۲۸ھ
یکم جون ۲۰۰۷ء

کتاب الفتاوی

پہلا حصہ

المحتویات العامة

مکمل فہرست

فہرست مضامین

كتاب الإيمان

ایمانیات سے متعلق سوالات

کتاب العلم

علم سے متعلق سوالات

کتاب الصلاۃ

نماز سے متعلق سوالات

نماز کے اوقات

سجدۂ تلاوت اور سجدۂ شکر کا بیان

متفرق مسائل

کتاب الزکوة

زکوۃ سے متعلق سوالات

زکوۃ اور واجب ہونے کی شرطیں

کتاب الصوم

روزہ ورمضان سے متعلق سوالات

رؤیت ہلال

روزہ کے مفسدات ومکروہات

متفرق مسائل

کتاب الذبح و الصید

ذبح وشکار سے متعلق سوالات

کتاب الوقف

وقف سے متعلق سوالات

مساجد سے متعلق احکام

کتاب الرضاعة

دودھ کے رشتہ سے متعلق سوالات

کتاب الطلاق

طلاق سے متعلق سوالات

طلاق واقع ہونے کا بیان

طلاق رجعی سے متعلق احکام

طلاق کنایہ کے احکام

کتاب البیوع

خرید وفروخت سے متعلق سوالات

انشورنس کے احکام

کتاب الأیمان

قسم سے متعلق سوالات

قسم کا کفارہ

سلسلہ نمبر	عناوین	جلد	صفحہ
	متفرق مسائل		
۲۲۲۲	الیکشن میں امیدوار بننا	۶	۲۵۸
۲۲۲۳	سیاسی دشنام طرازیاں	۶	۲۵۹
۲۲۲۴	پیسے لے کر ووٹ	۶	۲۶۰
۲۲۲۵	بھوک ہڑتال	۶	۲۶۰
۲۲۲۶	جھاڑو کس سمت سے دی جائے؟	۶	۲۶۱
۲۲۲۷	صحابہ کرام ﷺ کے نام پر ''رضی اللہ عنہ'' کہنا	۶	۲۶۲
۲۲۲۸	عشرۂ مبشرہ کے نام	۶	۲۶۲
۲۲۲۹	مزاح - رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ ﷺ کا طریقہ	۶	۲۶۳
۲۲۳۰	نشست کے نیچے ٹیپ ریکارڈر	۶	۲۶۵
۲۲۳۱	گھر کس رخ کا ہو؟	۶	۲۶۵
۲۲۳۲	حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کے اسماء مبارکہ	۶	۲۶۶
۲۲۳۳	طوطے اور چڑیا پالنے کا حکم	۶	۲۶۷
۲۲۳۴	حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور جنگ جمل	۶	۲۶۷
۲۲۳۵	مغربی ملکوں میں جہاد	۶	۲۶۸
۲۲۳۶	جہاد کب جائز ہے؟	۶	۲۶۹
۲۲۳۷	غزوۂ خندق میں یہودیوں کا قتلِ عام	۶	۲۶۹
۲۲۳۸	حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا	۶	۲۷۰
۲۲۳۹	عورتوں کا مردانہ صیغہ میں گفتگو کرنا	۶	۲۷۲

کتاب الهبة والوصية

ہبہ اور وصیت سے متعلق سوالات

ہبہ

✿ ✿ ✿ ✿ ✿

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی دامت برکاتہم

(سینیر مفتی دار العلوم دیوبند)

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد

المرسلين وعلى آله و صحبه أجمعين .

رب العالمین کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ علماء اپنے فرائض علمیہ بڑی محنت اور مستعدی سے انجام دے رہے ہیں ، بالخصوص فقہ وفتاوی کا کام بڑی محنت سے انجام پارہا ہے ، اور یہ کام ہندوستان میں مختلف ادارے انجام دے رہے ہیں ، حیدرآباد کا نام علمی کاموں میں ہمیشہ نمایاں رہا ہے ، امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی قدس سرہ نے اپنے زمانہ امارت میں بہار واڑیسہ سے باہر صوبوں میں بھی امارت شرعیہ کے قیام کے لیے سعی کی ، اور آپ کی توجہ سے کرناٹک ، آسام اور آندھرا پردیش میں امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آیا ، تاکہ مسلمان اپنے معاشرتی مسائل ان کے ذریعہ حل کرسکیں ۔

چنانچہ حیدرآباد میں حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب شیخ الجامعہ نظامیہ اور ان کے بعد حضرت مولانا محمد حمید الدین عاقل حسامی صاحب زید مجدہ امیر شریعت منتخب ہوئے ، انہوں نے

ضرورت محسوس کی کہ اس اہم مرکزی ادارہ کے لئے ایک ذی استعداد مفتی اور قاضی کا بھی تقرر عمل میں آئے، غور وفکر کے بعد سبھوں کی نظر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی پر گئی، جو اس وقت دار القضاء امارت شرعیہ بہار واڑیسہ (پھلواری شریف، پٹنہ، انڈیا) میں مشغول تھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے علماء میں ممتاز حیثیت عطا فرمائی ہے، چنانچہ مولانا موصوف نے اسے قبول کیا اور جب ہی سے وہ ان خدمات کو بڑی محنت اور لگن سے انجام دیتے رہے ہیں، پورے صوبہ سے اور بیرون صوبہ نیز بیرون ملک سے بھی سوالات آپ کی خدمت میں آتے ہیں، اور آپ بر وقت جواب لکھ کر روانہ کرتے ہیں، پھر وہاں کے ایک مشہور اور اردو کے موجودہ سب سے کثیر الاشاعت اخبار ''منصف'' میں بھی ''آپ کے شرعی مسائل'' کے عنوان سے آپ کے فتاوی چھپنے لگے۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی جامعہ رحمانی مونگیر اور جامعہ اسلامیہ دار العلوم دیوبند دونوں مقبول ومشہور اداروں کے فرزند جلیل ہیں، اللہ تعالی نے علم وعمل سے نوازا ہے، پھر دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد میں ایک زمانہ دراز تک درس وتدریس کی خدمات انجام دے چکے ہیں، اور وہاں سالہا سال شیخ الحدیث بھی رہے ہیں، اس لیے پورے ملک میں آپ کے تلامذہ پھیلے ہوئے ہیں، غیر ممالک میں بھی آپ کی کافی شہرت ہے، ان ممالک کے اسفار بھی ہوتے رہتے ہیں، اور وہاں کے اہل علم مستفیض ہوتے ہیں۔

ادھر چند سال ہوئے انہوں نے محسوس کیا کہ علماء کی تربیت بہت ضروری ہے، بڑے ذہین اور ذی استعداد طلبہ تربیت نہ ہونے کی وجہ سے برباد ہو جاتے ہیں، لہذا ایسا ادارہ قائم ہونا ضروری ہے، جہاں ایسے ہونہار علماء کی تربیت کی جائے، تا کہ وہ کارآمد ہوں، پھر خود ہی ہمت کر کے ''المعہد العالی الاسلامی'' کے نام سے حیدرآباد (انڈیا) میں ایک ادارہ قائم کیا، اور ایسے فارغ شدہ طلبہ کو جمع کرنے کی سعی کی، ماشاء اللہ اس میں بھی اللہ تعالی نے آپ کو بڑی کامیابی سے ہم کنار فرمایا، چنانچہ پورے ملک سے فارغ شدہ طلبہ وہاں پہونچ رہے ہیں اور فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

معہد کے بعض فضلاء بالخصوص مولوی محمد عبد اللہ سلیمان مظاہری سلمہ کے حصہ میں یہ سعادت آئی کہ انہوں نے لگن اور محنت سے اس وقت تک کے فتاویٰ کی ترتیب کا بیڑا اٹھایا اور ان کو چھ ضخیم جلدوں میں مرتب کردیا، یہ بڑا ہی قیمتی ذخیرہ ہے اور عوام ہی نہیں خواص کے لئے بھی لائق مطالعہ اور قابل استفادہ ہے، اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو برابر باقی رکھے۔

اس وقت ان فتاویٰ کا پہلا اور دوسرا حصہ سامنے ہے، جو طباعت کے لئے پریس جارہا ہے، مولانا کے فتاویٰ پر خاکسار کو کچھ لکھنا نہیں ہے، اس لئے کہ مرتب نے ان فتاویٰ کی خصوصیات اور امتیازات پر بڑی اچھی اور وقیع بحث کی ہے، اور ان کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے، قارئین اس حصہ کو پڑھ کر خوش ہوں گے اور فتاویٰ کے اس مجموعہ کی خصوصیات وامتیازات کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی زید مجدہ کی اس سے پہلے بھی بہت ساری کتابیں طبع ہوکر سامنے آچکی ہیں، جن کو قبول عام حاصل ہو چکا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا کا مطالعہ عمیق اور کافی وسیع ہے، فقہی کتابوں پر پوری دسترس حاصل ہے، جوابات صحیح اور ٹھوس ہیں، جو قارئین کو ہر طرح مطمئن کرتے ہیں۔

اخیر میں دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی عمر میں برکت عطا فرمائے، آپ کے علم و فہم اور تالیفات سے عوام وخواص کو مستفید فرمائے، اور ان کا علمی کام ان کے لیے ذخیرۂ آخرت ثابت ہو۔

ربنا تقبل منا إنک أنت السميع العليم.

طالب دعاء: محمد ظفیر الدین غفرلہ

(مفتی دار العلوم دیوبند)

۱۹/ جمادی الأولی ۱۴۲۶ھ

عرض مرتب

فقہ کا انسانی زندگی اور معاشرہ سے انتہائی گہرا تعلق ہے، قرآن کریم جو آخری اور مکمل آسمانی کتاب ہے اور حدیث نبوی جو قرآن کریم کی تشریح اور تفسیر ہے، سے مستنبط ہونے والے اس قانون ''فقہ'' سے انسانی زندگی کے شب و روز اور معاشرہ کے نشیب و فراز میں نہ یہ کہ صرف رہنمائی ملتی ہے بلکہ اس سے سماج کو حرکت، حرارت اور خصوصی اسپرٹ بھی نصیب ہوتی ہے، ——زمانے کی تبدیلی، احوال کے فرق اور ضرورتوں اور حاجات و تقاضوں کے تحت آنے والے نت نئے اور پیچیدہ مسائل کو علماء کرام نے شبانہ روز محنت اور اپنے فہم و ادراک کا صحیح استعمال کرتے ہوئے فقہی اصول و قواعد کی روشنی میں حل کیا ہے، جسے ''فتویٰ'' کہا جاتا ہے، ان حضرات کی محنتوں اور کاوشوں کی جتنی پذیرائی کی جائے کم ہے۔

دور حاضر کے بالغ نظر، صاحب فکر، ممتاز فقیہ حضرت الاستاذ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ـحفظہ اللہ ورعاہ- (بانی و ناظم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد) اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں، ان کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، اللہ تعالیٰ نے آں مخدوم کو بہت سی خداداد صلاحیتوں سے نوازا ہے، آپ ایسے خطیب ہیں جو سامعین کے دل و دماغ کو فتح کر لیتے ہیں، آپ ایسے انشاء پردازوں میں ہیں جن کی زبان کی حلاوت اور تعبیر و بیان کی سلاست عوام و خواص دونوں کو متاثر

کرتی ہے، علوم قرآن اور فن تفسیر میں بھی آپ کو عبور حاصل ہے، اسلام پر اعتراضات اور الزامات کا جواب بھی خوش اسلوبی سے تشفی بخش طریقہ پر دیتے ہیں، "۲۴/آیتیں" کے نام سے حضرت مولانا کا رسالہ اس کی زندہ مثال ہے، فن حدیث میں بھی آپ دست رس رکھتے ہیں اور بخاری کے بہ شمول حدیث کی اہم کتابوں کا عرصہ تک درس دیتے رہے ہیں، تاریخ وتذکرہ اور سیرت وسوانح کا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ نے خوب ذوق سلیم پایا ہے، معہد کی پانچ سالہ زندگی میں اسّی سے زائد مختلف موضوعات پر طلبہ نے جو لکھا ہے، وہ سب حضرت الاستاذ ہی کا نتیجۂ فکر ہے، لیکن جو فن آپ کو اپنے معاصرین سے ممتاز کرتا ہے اور جو آپ کی شہرت اور مقبولیت کا خاص سبب بنا ہے، وہ ہے "فقہ" —— حضرت مولانا بسا اوقات وقت کی تنگ دامانی کی وجہ سے کتاب سے مراجعت کے بغیر بھی مسائل حل کرتے ہیں جو نصوص سے قریب اور اسلاف کی رائے سے بالکل ہم آہنگ ہوتا ہے، اسی وجہ سے آپ کا شمار آج کے جامع الاوصاف اور جید علماء میں ہوتا ہے۔

مولانا موصوف کی بہت سی تصنیفات زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں اور کچھ زیر طبع ہیں، آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ نئے اور سلگتے ہوئے فقہی موضوعات پر قلم اٹھاتے ہیں، اسی وجہ سے آپ نہ صرف برصغیر ہند و پاک اور بنگلہ دیش میں معروف ہیں بلکہ آپ کی شہرت اسلامی، یورپی اور افریقی ممالک میں بھی ہے۔

حضرت الاستاذ - دامت برکاتہم - کے فتاوی حیدرآباد کے کثیر الاشاعت روز نامہ "منصف" کے جمعہ ایڈیشن "مینارۂ نور" میں "آپ کے شرعی مسائل" کے عنوان سے ۱۹۹۸ء سے شائع ہونے شروع ہوئے، جن میں ہندوستان اور بیرون ہند کے عموماً اور خصوصاً آندھرا پردیش، مہاراشٹرا اور کرناٹک کے عوام کے سوالات ہوا کرتے ہیں، حیرت کی بات یہ ہے کہ حضرت مولانا نے اسفار کی کثرت اور ہجوم کار کے باوجود یہ سلسلہ عرصہ تک بلا انقطاع جاری رکھا، اس کے علاوہ شخصی طور پر بھی کثرت سے آپ کی خدمت میں سوالات آتے رہتے ہیں۔

حضرت مولانا چوں کہ کسی اور کی تحریر کو اپنی طرف منسوب کرنے کو پسند نہیں فرماتے، اسی لیے اس کتاب میں جس طالب علم کی طرف سے کوئی بھی تعاون ملا، اس حقیر نے اس کو اس کی طرف منسوب کر دیا، چنانچہ حاشیہ میں ''محشی'' لکھنے کا مطلب یہی ہے کہ اس جگہ حاشیہ کا کام کسی طالب علم نے کیا ہے اور اگر ''مرتب'' لکھا ہوا ہو، تو اس کا مطلب ہے کہ تخریج کا کام راقم الحروف نے انجام دیا ہے۔

زیر نظر کتاب میں تین طرح کے سوالات و جوابات ہیں: (۱) اکثر سوالات و جوابات وہ ہیں جو روز نامہ منصف میں ۲۰۰۳ء تک چھپ چکے ہیں، (۲) کچھ وہ ہیں جو ماہنامہ ''افکار ملی'' دھلی میں چھپے ہیں، (۳) اور بعض وہ ہیں جو کسی بھی جریدہ میں اب تک طبع نہیں ہوئے ہیں، میری خوش نصیبی ہے کہ اس مجموعہ کو مرتب کرنے کا شرف مجھے حاصل ہوا اور کمپوزنگ کی ذمہ داری بھی میرے ہی حصہ میں آئی، اس خوش نصیبی کا جہاں ایک پہلو اخروی اجر و ثواب کا ہے، جس کی خدا کی ذات سے امید ہے، وہیں دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس کام کے بہانہ سیکڑوں مسائل پر نظر ہوگئی، فتوی نویسی کا اسلوب سمجھ میں آیا اور حضرت الاستاذ کے تمام فتاوی دل و دماغ سے گزر گئے، اور اسی کے ساتھ ساتھ حضرت الاستاذ کا فقہی منہج بھی مکمل طور پر سمجھ میں آیا، اس لیے اس حقیر نے حضرت الاستاذ کے فتاوی کے خصوصیات کو الگ سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

عام فقہی ترتیب کے مطابق ہی میں نے اس کتاب کی ترتیب رکھی ہے، البتہ ایمانیات اور علم سے متعلق سوالات و جوابات کو پہلے رکھا ہے، وجہ ظاہر ہے کہ ایمان اور علم کا مقام عمل سے پہلے ہے۔ —— یہ کتاب کل چھ جلدوں پر مشتمل ہے، قارئین کی آسانی کی خاطر تمام جلدوں کی فہرست پہلی جلد کے شروع میں شامل کر دی گئی ہے، چھٹی جلد کے آخر میں تمام ابواب کی اجمالی فہرست نیز ماخذ و مراجع کی فہرست منسلک ہے تاکہ صاحب ذوق حضرات کو اصل کتابوں سے براہ راست رجوع ہونے میں آسانی ہو، نیز مراجعت میں سہولت کے لیے ہر جلد کے سب ٹائیٹل اور سرورق کے کنارہ پر اس جلد میں آنے والے ابواب کا عنوان دے دیا گیا ہے، تاکہ جس باب

کا مسئلہ دیکھنا ہو، اسی کے مطابق جلد میں تلاش کیا جائے۔

میں ان تمام حضرات کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کی ترتیب واشاعت میں کسی بھی طرح کا تعاون کیا ہے، خاص طور سے مولانا عمر عابدین قاسمی، مولانا نعمت اللہ قاسمی، مولانا بلال قاسمی، مولانا منور سلطان ندوی کا بے حد ممنون ہوں کہ ان حضرات نے کتاب کی مختلف جلدوں پر تحشیہ کے ساتھ ساتھ پروف ریڈنگ بھی کی ہے، نیز حضرت مولانا مفتی جمال الدین صاحب قاسمی (صدر مفتی دار العلوم حیدرآباد) اور مولانا عبد الرحمٰن قاسمی (استاذ جامعہ عائشہ نسواں حیدرآباد) کی خدمت میں بھی ہدیہ تشکر پیش کرنا فرض سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اپنی بے پناہ مشغولیات کے باوجود حضرت الاستاذ کے حسب ایماء اس پوری کتاب کو حرفاً حرفاً پڑھا ہے ـــــ اور ناانصافی ہوگی اگر عزیزی مولانا مبین احمد فلاحی اور مولانا نصیر عالم سبیلی کا شکریہ ادا نہ کیا جائے، کہ انہوں نے فہرست سازی اور کمپوزنگ میں میرے ساتھ تعاون کیا، نیز بڑی ناسپاسی ہوگی اگر المعہد کے اختصاص فی الفقہ والافتاء کے طلبہ کا تذکرہ نہ کیا جائے کہ انہوں نے بھی تخریج حوالہ جات میں میری اعانت کی ہے، فجزاهم الله خير الجزاء۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کار خیر کو ہمارے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین!۔

محمد عبد اللہ سلیمان مظاہری

(شعبۂ کمپیوٹر المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

۱۲/ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۱/مئی ۲۰۰۵ء

کتاب الفتاوی

پہلا حصہ

حضرت الاستاذ کے فتاوی

خصوصیات اور امتیازی پہلو

حضرت الاستاذ کے فتاوی

خصوصیات اور امتیازی پہلو

کسی بھی صاحب علم کے لیے اس کی بنیادی فکر کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، یہ فکر اس کی تحریروں، گفتگو اور دروس و محاضرات سے نمایاں ہوتی ہے، چنانچہ استاذ گرامی مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی فقہیات کے سلسلہ میں سوچ، ان کی تحریروں میں واضح طور پر موجود ہے، اس سلسلہ میں جدید فقہی مسائل کا مقدمہ، قاموس الفقہ اور آپ کے زیر طبع فقہی محاضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جن میں آپ نے تفصیل سے اجتہاد، تقلید و تلفیق، شریعت میں ضرورت و مصلحت کی رعایت اور اس کی حدود، تلفیق اور بوقت ضرورت دوسرے فقہاء کی آراء پر عمل کرنے کی گنجائش اور اس کی شرطیں، جیسے موضوعات پر گفتگو کی ہے، حضرت الاستاذ کے دروس اور مجلسی گفتگو میں بھی یہ موضوع زیر بحث آتا رہتا ہے، مولانا کی فکر کا خلاصہ- جیسا کہ راقم الحروف نے سمجھا ہے- یہ ہے کہ تقلید ایک علمی ضرورت بھی ہے اور شرعی ضرورت بھی، لیکن نئے مسائل کے حل کے لیے تخریج و ترجیح اور اجتماعی اجتہاد کی گنجائش ہے، اور موجودہ دور کی مشکلات کو حل کرنے کے لیے حسب ضرورت تلفیق اور عدول کی بھی گنجائش ہے، لیکن حتی

المقدور یہ عمل انفرادی رائے سے نہ ہو، بلکہ اجتماعی غور وفکر سے ہو۔

حضرت الاستاذ کے فتاوی کی جمع وترتیب کے درمیان ظاہر ہے کہ راقم الحروف کو ان کے مطالعہ کی بھی سعادت حاصل ہوئی ہے، مطالعہ کے دوران آپ کے فتاوی کی جو خصوصیات سامنے آئیں، اختصار کے ساتھ ان کا ذکر کیا جاتا ہے:

مدارج احکام کی رعایت

حضرت الاستاذ کے فتاوی میں یہ بات نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہیں کہ آپ احکام کے مدارج کا بہت لحاظ فرماتے ہیں، منصوص، اجماعی مسائل اور اجتہادی مسائل میں فرق کرتے ہیں، منصوص اور اجماعی مسائل میں آپ نص اور اجماعی رائے سے ذرا بھی تجاوز کو ناپسند کرتے ہیں، اجتہادی مسائل میں زمانہ کے احوال کے لحاظ سے ایک فقہ سے دوسرے فقہ کی طرف عدول کے قائل ہیں، آپ نے اپنی تحریروں میں مختلف جگہ اس پر روشنی ڈالی ہے، مسلمان ڈاکٹروں کی انجمن کی طرف سے پیش کئے ہوئے چند سوالات میں سے ایک سوال ''معاشی اسباب کے تحت منع حمل کے بارے میں دریافت کیا گیا تا کہ بچے کی بہتر طور پر تربیت ہو سکے، اور اس لیے بھی کہ موجودہ زمانہ میں چھوٹا خاندان رکھنا ایک فیشن ہے،، آپ اس سلسلہ میں ان کو نصوص پر عمل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور منع حمل کو اسلامی تصور کے خلاف قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

> جہاں تک معاشی اسباب کی بات ہے کہ زیادہ بچوں کی پیدائش کے بعد ان کی پرورش اور تربیت کا نظم دشوار ہو جائے گا، تو یہ اسلامی تصور سے کھلا تضاد رکھتا ہے، ایام جاہلیت میں بھی اس قسم کا تصور موجود تھا، قرآن مجید میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا: ﴿ لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ﴾ (الإسراء :

۳۱) اور دوسری جگہ ایک قدم آگے بڑھ کر کہا گیا: ﴿ لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ﴾ (الانعام :۱۵۱)

علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ اس سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ افلاس میں مبتلاء ہونے کا خوف تو الگ رہا، اگر اس میں مبتلاء ہو چکے ہوں، تو بھی اسی علت کی بناء پر قتل اولاد کے مرتکب نہ بنیں کہ اللہ ہی ان کے رزق کا ضامن ہے۔

(روح المعاني :۸/۵۴)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من ترك التزويج مخافة العيلة فليس منا" (كنز العمال ، عن الديلمي ، عن أبي سعيد ﷺ ، حدیث نمبر: ۴۴۴۶۰)

امام غزالیؒ نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"هذا ذم لعلة الامتناع لا لأصل الترك"

(احياء علوم الدين :۲/۲۲)

اور "چھوٹا خاندان" رکھنا، تو یہ بھی منشا شریعت کے خلاف ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تزوجوا الولود الودود فاني مكاثر بكم الأمم" (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۲۰۵۰، باب النهى عن تزوج من لم يلد من النساء)

پس اس طرح یہ نیت رسول اللہ ﷺ کے اس حکم کے عین معارض قرار پائے گی۔ اسی طرح عورتوں کی سماجی دلچسپی نہ

صرف یہ کہ اسلام میں اہمیت نہیں رکھتی، بلکہ بعض حالات میں ایک گونہ ناپسندیدہ بھی ہے، اور شریعت کی نگاہ میں اسے سماج میں قائدانہ اور مصلحانہ کردار انجام دینے کے بجائے ''شمع خانہ'' بننے پر اکتفاء کرنا چاہئے، اس لیے ظاہر ہے کہ یہ بھی کوئی معتبر عذر نہیں، اسی طرح حسن و جمال کی حفاظت کے لیے بھی ایک امر مکروہ کی اجازت دینا اور شریعت اور فطرت کے منشا توالد وتناسل پر اس جذبۂ حسن آرائی کو ترجیح دینا صحیح نہیں ہوگا''۔

آج کل شادی بیاہ وغیرہ کی دعوت میں خواتین کے دسترخوان پر مرد ویٹر کا استعمال عام ہو چکا ہے، اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں:

''یہ صورت قطعاً درست نہیں، عورت کا غیر محرم کے سامنے عام حالات میں بھی بے پردہ ہونا جائز نہیں، اور اس موقع سے تو عورتیں زیبائش اور آرائش کا اہتمام بھی زیادہ کرتی ہیں، لہذا فتنہ اور بد نگاہی کا اندیشہ اس صورت میں زیادہ ہے، مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے موقع پر خواتین کے حصہ کے لئے کھانا سپلائی کرنے پر عورتوں کو رکھیں، اور نکاح جیسے مبارک موقع پر ایسی حرکت نہیں کی جائے، جو اللہ تعالی کی ناراضگی اور غضب کو دعوت دینے والی ہو''۔

اسی طرح نیت کا تعلق اصل میں دل سے ہے نہ کہ زبان سے، لیکن استحضار کے لیے فقہاء نے زبان سے نیت کرنے کو مستحب قرار دیا ہے، چنانچہ آپ نے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک مسئلہ کے ذیل میں لکھا ہے:

''جب ایک شخص وضو کر کے مسجد میں آتا ہو، تو اسی ارادہ سے آتا ہے کہ اسے نماز ادا کرنی ہے، یہی نیت ہے، زبان سے نیت کے الفاظ کہنا ضروری نہیں، بلکہ اگر زبان سے نیت کرنے کی صورت میں اس کی رکعت کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو، تو بہتر ہے کہ زبان سے نیت کے کلمات کہے بغیر امام کے ساتھ شریک ہو جائے''

احوال زمانہ کا لحاظ

جو مسائل مجتہد فیہ اور اختلافی ہیں، یا جن میں حالات کے تغیر کی وجہ سے احکام میں تغیر کی ضرورت پیش آتی ہے، وہاں احوال زمانہ کی رعایت کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں، ایسے متعدد فتاوی اس کتاب میں موجود ہیں، مثلاً ایک سوال میں ساس اور سسر کی خدمت کے سلسلہ میں سوال کیا گیا ہے، آپ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

''شوہر کے والدین کی خدمت عورت پر اس وقت دیانۃ واجب ہوگی جب کوئی اور خدمت کرنے والا میسر نہ ہو، اگر کوئی دوسرا خدمت کرنے والا میسر ہو، تب بھی عورت کو چاہئے کہ اپنے ساس سسر کی خدمت سے دامن نہ کھینچے، کہ یہ اس کا اپنے شوہر کے ساتھ تعاون ہے، کیونکہ اصل میں والدین کی خدمت اس کے شوہر پر واجب ہے، اور شوہر اپنی بیوی اور اس کے بچوں کی ضروریات کے لئے مشغول ہے، تو اخلاق و دیانت کا تقاضہ ہے کہ وہ اس فریضہ کی ادائے گی میں شوہر کی مدد کرے، شوہر کے بھائی بہنوں کی خدمت

عورت پر واجب نہیں، بہرحال اس مسئلہ میں اعتدال اور میانہ روی کی ضرورت ہے، نہ یہ درست ہے کہ گھر میں دوسری خواتین کام نہ کریں، اور پوری ذمہ داری بہو پر ڈال دیں، اور نہ یہ صحیح ہے کہ بہو اپنی، اپنے شوہر اور ضرورت مند ساس سسر کی خدمت سے بھی دامن کش ہو جائے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ؓ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے بعد کام کی تقسیم اس طرح فرمائی تھی کہ باہر کا کام حضرت علی ؓ کیا کریں اور گھر کا کام حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جب خواتینِ جنت کی سردار کے لئے گھر کے کام کاج کو عار نہ سمجھا گیا، تو دوسری خواتین کے لئے کیوں کر اس کی گنجائش ہوسکتی ہے؟"۔

اسی طرح دیہات میں جمعہ کی نماز قائم کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں:

"فقہاء احناف کے نزدیک دیہات میں جمعہ وعیدین نہیں پڑھی جائے گی، بلکہ جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز ادا کی جائے گی، اس لئے کہ حضرت علی ؓ سے مروی ہے "لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع" (نصب الراية : ۲/۱۹۵) "جمعہ وعیدین شہر ہی میں پڑھی جائیں" لیکن شہر (مصر) سے کیا مراد ہے؟ یہ حدیث میں متعین نہیں ہے، فقہاء نے اپنے ذوق ومزاج اور اپنے عہد کے عرف کو ملحوظ رکھتے ہوئے مصر کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں خاصا اختلاف ہے، فقہاء کے نزدیک شہر کا جو مفہوم راجح ہے،

وہ یہ ہے کہ اگر اس جگہ کے تمام لوگ وہاں کی بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں تو مسجد نا کافی ہو جائے۔(الدر المختار مع رد : ۱/۵۳۶) یہ شہر کا ایسا مفہوم ہے کہ اس کے اعتبار سے شہر کا دائرہ نسبتاً وسیع ہو جاتا ہے اور ضرورت اس وقت یہی ہے کہ شہر کا ایسا مفہوم متعین ہو کہ زیادہ سے زیادہ مقامات پر نمازِ جمعہ کی گنجائش نکل آئے ، کیونکہ جمعہ نہ صرف ایک عبادت ہے، بلکہ یہ تذکیر و موعظت کا بھی بہترین موقعہ ہے اور بعض علاقوں میں جمعہ ہی کی وجہ سے مسلمان اسلام سے اپنی وابستگی کو محسوس کرتے ہیں''۔

اب آپ غور کرلیں کہ اس تشریح کے مطابق وہ جگہ دیہات ہے یا قصبہ وشہر ہے؟ اگر دیہات ہے اور پہلے سے نمازِ جمعہ کا سلسلہ نہیں ہے تو ظہر ہی پر اکتفا کرنا چاہئے، البتہ پنج وقتہ نماز کے لئے آبادی کے کسی خاص معیار کی شرط نہیں، اس لئے اس کی کوشش کرنی چاہئے کہ پنج وقتہ جماعت کا اہتمام ہو، ورنہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سخت پکڑ کا اندیشہ ہے''۔

اسی طرح زکوۃ میں دین کی منہائی کے سلسلہ میں مہر مؤجل کے حکم پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فی زماننا بیوی کا مہر جو شوہر کے ذمہ واجب ہو، اس کو بھی زکوۃ سے منہا نہیں کیا جائے گا''۔

غیر مسلم حضرات کے سلام کے جواب کے سلسلہ میں مسلمانوں کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے؟ اس بارے میں فرماتے ہیں:

ایسے لوگوں کو جواب میں "وعلیکم" کہنے پر اکتفا کیا جائے:
قال رسول الله ﷺ: "إذا سلم عليكم أهل الكتاب فقولوا: "و عليكم" عن أنس بن مالك ﷺ، (صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۶۲۵۸، باب كيف الرد على أهل الذمة بالسلام، كتاب الاستئذان، نیز دیکھئے: صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۲۱۶۳)

فقہاء نے لکھا ہے:
"ولو سلم يهودي أو نصراني أو مجوسي على مسلم فلا بأس بالرد ولكن لا يزيد على قوله: "وعليك" (الدر المختار على هامش رد: ۹/۵۹۱)
اگر اندیشہ ہو کہ مکمل جواب نہ دینے کو وہ محسوس کریں گے اور برا مانیں گے تو " وعليكم السلام " بھی کہنے کی گنجائش ہے، لیکن سلام سے ہدایت مراد لی جائے، کیونکہ ہدایت سے بڑھ کر کوئی سلامتی نہیں، اس طرح یہ ان کے حق میں ہدایت کی دعا ہوگی اور مسلمان پر حق ہے کہ وہ غیر مسلم بھائیوں کے لئے ہدایت کی دعا کریں"۔

بہ وقت ضرورت دوسرے فقہاء کی آراء سے استفادہ

حضرت الاستاذ فقہ حنفی کے متبع ہیں اور فی زمانہ تقلید کو واجب قرار دیتے ہیں، لیکن شارع تعالیٰ کی نصوص اور فقہاء کے اجتہادات میں فرق کرتے ہیں اور اسی نقطۂ نظر سے اگر

فقہ حنفی پر عمل دشوار ہو جائے، تو ائمہ اربعہ میں سے دوسرے فقہاء کی رائے پر عمل کرنے کی اجازت دیتے ہیں، چنانچہ آپ کے پاس ایک سوال آیا جس میں مستفتی نے قسم کھائی کہ "اگر میں کسی وقت بھی شادی کروں تو میری بیوی کو طلاق"، مزید انہوں نے یہ بھی کہا کہ "میں پانچ سال سے پہلے نکاح کروں تو میری بیوی کو طلاق، اور اگر میں کسی وقت بھی شادی کے بعد سسرال میں رات گذاروں تو طلاق" اس سلسلہ میں آپ رقمطراز ہیں:

> "جو صورت آپ نے تحریر کی ہے وہ بڑی آزمائش اور ابتلاء کی ہے، اور آئندہ اس سے احتراز بہت ضروری ہے، زید کا یہ کہنا کہ "اگر میں کسی وقت بھی شادی کے بعد سسرال میں رات گذاروں تو طلاق" سے بالاتفاق طلاق واقع نہیں ہوگی، کیوں کہ اجنبی عورت کی طرف مشروط طلاق کی نسبت سے اسی وقت معتبر ہوتی ہے، جب کہ طلاق نکاح کی مشروط پر دی گئی ہو، یہاں طلاق سسرال میں رات گزارنے کی شرط پر دی جارہی ہے، باقی طلاقیں چونکہ نکاح کے ساتھ مشروط ہیں، اس لئے احناف کے نزدیک یہ طلاق واقع ہو جائے گی، فقہاء حنفیہ نے اس کے لئے یہ حیلہ بتایا ہے کہ کوئی اور شخص بہ حیثیت فضولی اس کا نکاح کردے، اور نکاح کے بعد اس مرد کو نکاح کی اطلاع دے اور وہ زبان سے نکاح کی قبولیت کا اظہار نہ کرے، بلکہ خاموشی سے اس کا مہر یا اس کا کچھ حصہ ادا کردے، اس طرح یہ عملاً نکاح پر قبولیت کا اظہار ہوگا، اور نکاح بھی درست ہو جائے گا، طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔
>
> ویسے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اجنبی عورت کو اگر

نکاح کی شرط کے ساتھ بھی نکاح سے پہلے طلاق دی جائے تو
یہ طلاق معتبر نہیں ہوگی۔امام مالکؒ کے نزدیک بھی اگر کسی
خاص عورت کی تخصیص کے بغیر کہا جائے'' میں جس سے
نکاح کروں اس پر طلاق واقع ہو'' تو یہ طلاق غیر معتبر ہے،
اور ایسی طلاق واقع نہیں ہوگی، " إن عـم المطلق جميع
النساء لم يلزمه "
چونکہ نکاح انسان کی ایک طبعی اور شرعی ضرورت ہے، اگر اس
کے لیے کوئی صورت نہ ہو اور حیلہ اختیار کرنے میں بدنامی
اور بدگمانی کا اندیشہ ہو تو ضرورۃً زید کے لئے اس مسئلہ میں
حضرات ائمہ ثلاثہ کی رائے پر عمل کر لینے کی گنجائش ہے''۔
واللہ اعلم

اجتہادی مسائل میں توسع

بعض مسائل ایسے بھی پیش آتے ہیں جو نصوص میں صراحۃً موجود نہیں، لیکن کسی اصول کے تحت یا چند اصول کے تحت اس کا حل ہوسکتا ہے، ایسے مسائل میں حتی المقدور توسع کی کوشش ہونی چاہیے، حضرت مولانا کا مزاج اجتہادی مسائل میں توسع کا ہے، چنانچہ تہجد کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے سے متعلق سوال کیا گیا، اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

"ائمہ اربعہ میں سے شوافع اور حنابلہ کے نزدیک نماز تہجد
کے بشمول تمام نفل نمازوں کا جماعت سے پڑھنا جائز ہے،
مالکیہ کے نزدیک قلیل جماعت ہو یا غیر مشہور جگہ پر ہو تو
درست ہے، مشہور جگہ پر ہو یا کثیر جماعت ہو تو مکروہ ہے،

حنفیہ کے یہاں مختلف اقوال ملتے ہیں، امام عبد الرشید بخاری نے لکھا ہے کہ مواظبت اور پابندی ہو تو مکروہ ہے، ورنہ نہیں، شمس الائمہ حلوائیؒ نے بھی اگر پابندی نہ ہو تو نفل نماز کی جماعت کو جائز قرار دیا ہے، عام طور پر فقہاء احناف نے لکھا ہے کہ ''تداعی'' یعنی دعوت دے کر جماعت کرنا مکروہ ہے، پھر تداعی کی تفسیر بعض حضرات نے یہ کی ہے کہ تین سے زیادہ مقتدی ہو جائیں، لیکن علامہ مطرزی کی وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ تداعی کا تعداد سے تعلق نہیں، بلکہ دعوت سے تعلق ہے، یعنی لوگوں کو تہجد کی جماعت میں شرکت کی دعوت دی جائے، یہ مکروہ ہے: ''التداعی هو أن یدعوا بعضهم بعضا'' (الدر المختار علی هامش الرد :۲/۵۰۰) اس طرح اگر اعلان عام اور دعوت کے بغیر از خود کچھ لوگ جمع ہو جائیں اور تہجد کی نماز جماعت سے ادا کر لیں، تو اس میں حرج نہیں، یہی اس کوتاہ علم کی رائے ہے۔ واللہ اعلم''۔

ایک سوال میں دمہ کے مریض کے روزہ کی حالت میں انہیلر لینے سے متعلق دریافت کیا گیا، اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

''روزہ کی حالت میں ایسا انجکشن لینے میں کوئی حرج نہیں جس کی دوا براہِ راست معدہ میں نہیں پہونچتی، بلکہ رگوں یا گوشت کے واسطہ سے جسم کے اندر داخل ہوتی ہے، انہیلر کے بارے میں مجھے جہاں تک علم ہے اس میں دوا سیال صورت میں موجود ہوتی ہے، حلق میں اس دوا کا ذائقہ بھی

محسوس ہوتا ہے، ممکن ہے کہ پھیپھڑے میں پہنچ کر وہ گیس بن جاتی ہے، فقہاء کی تصریحات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت روزہ کو فاسد کر دیتی ہے، البتہ مجھے اس مسئلہ میں کسی قدر تامل ہے، اس لئے کہ حلق میں ایک نالی نظام تنفس سے متعلق ہے، اور دوسری غذائی نالی ہے، جس سے انسان کھاتا پیتا ہے، تو اگر انہیلر کا اثر تنفس کی نالی سے متعلق ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص انہیلر لئے بغیر دن بھر نہیں رہ سکتا ہو، تو وہ انہیلر لیتے ہوئے روزہ رکھ لے اور احتیاطاً ہر روزہ کا فدیہ بھی ادا کرتا جائے، ایک روزہ کا فدیہ ایک مسکین کو دو وقت کا کھانا کھلانا ہے"۔ واللہ اعلم"

محلّہ میں چار پانچ مساجد ہیں، کیا ان میں سے ایک مسجد میں اعتکاف کرنے سے بقیہ مساجد کی طرف سے بھی سنت مؤکدہ کا حق ادا ہو جائے گا؟ اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"اعتکاف سنت کفایہ ہے، یعنی ایک یا چند اشخاص اعتکاف کرلیں تو سب بریٔ الذمہ ہو جائیں گے، اور اگر کسی نے اعتکاف نہیں کیا تو سبھی تارکِ سنت کہلائیں گے، البتہ یہ سوال اہم ہے کہ ایک ہی محلّہ میں کئی مسجدیں ہوں، تو کیا سنتِ اعتکاف کی ادائیگی کے لئے ہر مسجد میں اعتکاف ضروری ہے، یا محلّہ کی ایک مسجد میں اعتکاف کر لینا کافی ہے؟ اس سلسلہ میں اعتکاف کی نسبت سے کوئی صراحت نہیں ملتی، البتہ جیسے اعتکاف سنت کفایہ ہے، اسی طرح مسجد میں تراویح کی جماعت بھی سنت کفایہ ہے، اور

تراویح کے بارے میں فقہاء نے اس سوال کو اٹھایا ہے کہ پورے شہر میں ایک مسجد میں جماعت تراویح سنت کی ادائیگی کے لئے کافی ہے یا ہر محلہ میں، ایک مسجد میں تراویح کافی ہے؟ یا محلہ کی ہر مسجد میں تراویح ضروری ہے؟ فقہاء کے یہاں اس سلسلہ میں تینوں اقوال موجود ہیں، علامہ طحطاویؒ نے شہر کی ایک مسجد میں کافی قرار دیا ہے، علامہ حصکفیؒ نے ہر مسجد کے لئے ضروری قرار دیا ہے، اور خاتم الفقہاء علامہ شامیؒ نے محلہ کی ایک مسجد میں تراویح کی ادا ئیگی کو کافی سمجھا ہے، اور اس سلسلہ میں فقہاء کی بعض عبارتوں سے اپنے نقطۂ نظر کی تائید وتوثیق بھی نقل کی ہے۔

علامہ شامی ہی کا قول زیادہ درست اور مبنی بر اعتدال معلوم ہوتا ہے، پس جو حکم تراویح کا ہے وہی حکم اعتکاف کا بھی ہونا چاہئے، یعنی اگر ایک محلہ میں کئی مسجدیں ہوں، تو بہتر یہ ہے کہ ہر مسجد میں اعتکاف ہو، لیکن اگر ان میں سے ایک مسجد میں بھی اعتکاف کرلیا جائے تو پورے محلہ کے لوگ ترکِ سنت کے گناہ سے انشاء اللہ بری ہوجائیں گے"۔

عزیمت کو ترجیح

جہاں عزیمت پر عمل کرنے میں دشواری نہ ہو، وہاں آپ مستفتی کو قولِ عزیمت پر عمل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، اس کی متعدد مثالیں آپ کے فتاوی میں موجود ہیں، مثلاً آج کل ہندوستان کے بعض علاقوں میں جو لین دین اور شادی کے موقع پر مطالبہ کا رواج ہے، اس سلسلہ

میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہاں! اگر لڑکے والوں نے صراحتاً لینے سے انکار کر دیا اور لڑکی والوں سے کہہ دیا کہ ہم لین دین کے مخالف ہیں، لڑکے کو کچھ نہ دیا جائے۔ اس کے باوجود لڑکی والے دیں، تو اب لینے کی گنجائش ہے، کیونکہ صراحتاً انکار کی وجہ سے لڑکے والے اس سے بری الذمہ ہیں، فقہاء کا اصول ہے: "لا عبرة بالدلالة في مقابلة التصريح" (المنهاج في علم القواعد الفقهية :ص:۲۷) تاہم عزیمت کا درجہ یہ ہے کہ اس صورت میں بھی شادی کے وقت لینے سے گریز کیا جائے، کیوں کہ اس کا مقصد رسم ورواج ہی کی پیروی ہوتی ہے، اور یقیناً اس سے اس خراب رسم کو تقویت پہونچتی ہے، کیونکہ مقصود لڑکی والوں کا محض دینا نہیں ہوتا، بلکہ رسم ورواج کی پیروی بھی مقصود ہوتی ہے، اگر داماد کو دینا مقصود ہوتا تو اس کے لیے شادی ہی کے موقع کے انتخاب کی ضرورت نہیں تھی، انسان اپنی اولاد کو، بھائی بہن اور ماں باپ کو بھی حسب حیثیت کچھ دیتا رہتا ہے، لیکن نہ تو اس کی نمائش کرتا ہے اور نہ کسی تقریب کا اہتمام؛ لہٰذا اس لین دین میں بہر حال رسم ورواج ہی مدنظر ہوتی ہے، جس کی حوصلہ شکنی کی جانی چاہئے، تاہم اس کے لیے بڑے حوصلہ اور اخلاقی جرأت کی ضرورت ہے"۔

احتیاطی پہلو کی ترغیب وترجیح

بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ فقہی حکم کے اعتبار سے جائز ہوتی ہیں، لیکن خلاف احتیاط ہوتی ہیں، حضرت الاستاذ کا مزاج ہے کہ ان مسائل میں حکم شرعی بتاتے ہوئے احتیاطی پہلو پر بھی متوجہ فرمادیتے ہیں، چنانچہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

> ''ٹی وی کا سیٹ چوں کہ فحش اور ذی روح کی تصاویر ہی کے لیے مخصوص نہیں ہے، بلکہ اس سے ایسے مناظر بھی دکھائے جاسکتے ہیں جو جائز اور مباح ہوں، اس لیے بعض اہل علم نے اس کی اصلاح ومرمت کو جائز قرار دیا ہے، لیکن چوں کہ آج کل زیادہ تر مفاسد ہی کے لیے اس کا استعمال ہوتا ہے، اس لیے کوئی اور پیشہ اختیار کرنا بہتر اور قرین احتیاط ہے، مرمت کے ذریعہ جو آمدنی حاصل ہوتی ہے وہ حلال ہے''۔

اسی طرح ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''الکحل سے روشن چراغ میں قرآن وحدیث لکھا پڑھا جاسکتا ہے، اس لیے کہ یہ قرآن وحدیث کو نجاست سے ملوث کرنا نہیں ہے، یہ بالکل اس طرح ہے، جیسے فضاء میں پیشاب یا پائخانہ کی بو ہو اور قرآن مجید پڑھ لیا جائے، تاہم احتیاط کے خلاف ہے اور اجتناب کرنا بہتر ہے''۔

بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں جن میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، لیکن اصحاب ترجیح نے اس سلسلہ میں سکوت اختیار کیا، تو آپ ایسے مسائل میں احتیاطی پہلو کو ترجیح دیتے ہیں، چنانچہ قرآن مجید میں اذان جمعہ کے وقت خرید وفروخت بند کرنے کا حکم دیا گیا، اس سلسلہ میں

سوال کیا گیا کہ جمعہ کی پہلی اذان کے ساتھ ہی خرید وفروخت بند کر دینا چاہئے یا یہ حکم اذان ثانی کے وقت کے لئے ہے؟ اس کے جواب میں آپ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالی نے جمعہ کی اذان کے ساتھ جمعہ کے لئے دوڑ پڑنے اور خرید و فروخت کو چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے۔ (الجمعۃ:۹) اب یہ خرید وفروخت کی ممانعت کا حکم کس اذان سے متعلق ہوگا؟ اس میں خود فقہاء حنفیہ کی دو رائیں ہیں، ایک یہ کہ اس سے دوسری اذان مراد ہے، جو خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے، یہی رائے مشہور فقیہ علامہ کاسانی کی ہے''۔

"یکره البیع و الشراء یوم الجمعة إذا صعد الإمام المنبر و أذن المؤذنون بین یدیه"

(بدائع الصنائع :۱/۲۰۵)

بہ ظاہر یہ رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ جس وقت قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی اس وقت اسی اذان کا معمول تھا، اذان اول تو عہد عثمانی سے شروع ہوئی۔

دوسری رائے یہ ہے کہ اس سے پہلی اذان مراد ہے، اور اذان اول کے ساتھ ہی خرید وفروخت کو ترک کرنا اور جمعہ کے لئے سعی واجب ہے، عام طور پر فقہاء حنفیہ کا رجحان اسی طرف ہے:

"ووجب سعی إلیها و ترك البیع ... بالأذان الأول فی الأصح" (الدر المختار مع الرد : ۱/۵۵۲)

اور اسی رائے میں احتیاط معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ لوگ خطبہ جمعہ کو بھی سن سکیں اور آج کل آبادیوں کے پھیلاؤ کے لحاظ سے یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ اذان اول ہی پر مسجد کے لئے روانہ ہو جائیں''۔

نصوص سے موافقت کی بناء پر ترجیح

اختلاف امت ایک رحمت ہے، اور منصوص مسائل میں زیادہ تر اختلاف احادیث کے درمیان ظاہری تعارض کی بناء پر ہوتا ہے، کیوں کہ حضور اقدس ﷺ نے صحابہ ؓ کو ان کے حالات کے اعتبار سے کبھی ایک حکم دیا ہے، تو دوسرے صحابہ ؓ کو اسی مسئلہ میں ان کے حالات کے اعتبار سے دوسرا حکم فرمایا، اسی طرح بعض ارشادات میں ایک سے زیادہ معنوں کی گنجائش ہوتی ہے، ایسے اختلافی مسائل میں حضرت مولانا کا مزاج یہ ہے کہ جو قول نصوص سے قریب تر ہو اس کو ترجیح دیتے ہیں، چنانچہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''احادیث کے اعتبار سے یہ بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے، کیونکہ خود اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ (الاعراف: ۲۰۴) یہی امت کے سواد اعظم کا مسلک رہا ہے، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد اور اکثر سلف صالحین کی یہی رائے تھی''۔

ایک جگہ روزہ کی حالت میں غسل کرنے سے متعلق سوال کیا گیا تو اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"روزہ کی حالت میں زوال سے پہلے بھی اور زوال کے بعد بھی غسل کیا جا سکتا ہے، یہی امام ابوحنیفہؒ اور اکثر فقہاء کی رائے ہے، اور حدیث سے بھی ثابت ہے"۔

ایک سوال میں سنت فجر کی قضاء سے متعلق پوچھا گیا تو اس کے جواب میں حضرت الاستاذ تحریر فرماتے ہیں:

"جہاں تک سنت فجر کی قضاء کی بات ہے تو فقہاء حنفیہ میں امام محمدؒ نے سنت فجر کی قضاء کرنے کو کہا ہے، یہی رائے امام مالکؒ اور امام احمد کی ہے، مشہور محقق اور محدث مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ نے بھی لکھا ہے کہ اسی پر عمل کیا جانا چاہئے۔ (معارف السنن: ۲۸۹/۴) البتہ ان دو رکعتوں کی قضاء آفتاب طلوع ہونے اور وقت مکروہ نکل جانے کے بعد کی جائے، حضرت ابوہریرہ ﷛ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ان دو رکعتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ جس نے ان کو نہیں پڑھا ہو وہ سورج نکلنے کے بعد پڑھے۔ (الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۴۲۳) فرض پڑھنے کے بعد اور سورج نکلنے سے پہلے اس کی قضاء کی جائے، کیونکہ حضرت ابوسعید خدری ﷛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک اور نمازِ فجر کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی نماز (نفل) نہ پڑھی جائے"۔
(صحیح البخاری: ۸۲/۱، حدیث نمبر: ۵۸۶)

اس لئے جب تک سورج نہ نکل جائے، ان دو رکعتوں کی قضاء نہیں کرنی چاہیے''۔

ایک سوال کے جواب میں مولانا رقمطراز ہیں:

''رسول اللہ ﷺ سے سجدہ سے اٹھنے کی دونوں کیفیتیں ثابت ہیں، بیٹھ کر پھر کھڑا ہونا، بغیر بیٹھے ہوئے کھڑا ہونا، اس لئے دونوں صورتیں جائز ہیں، اس بیٹھک کو جلسۂ استراحت کہا جاتا ہے، بعض فقہاء کے نزدیک جلسۂ استراحت مسنون اور بہتر ہے، اور حنفیہ کے نزدیک اصل مسنون طریقہ یہ ہے کہ بغیر بیٹھے ہوئے کھڑا ہو، بیٹھ کر اٹھنے والی روایت کے بارے میں احناف کا خیال ہے کہ غالباً آپ ﷺ بوڑھاپے اور جسم کے بھاری ہونے کے بعد اس طرح اٹھا کرتے تھے، گویا یہ عذر کی بناء پر تھا۔

حنفیہ کی یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے، بہتر جلسۂ استراحت نہیں کرنا ہے، لیکن کرلے تو جائز ہے، کراہت بھی نہیں، چنانچہ علامہ علاء الدین حصکفیؒ جلسۂ استراحت کے بارے میں فرماتے ہیں: "ولو فعل لا بأس"

جمعہ کی نماز اور اس دن کی فجر کے بارے میں بعض روایات سے خاص سورتوں کی تلاوت کا معمول نبوی معلوم ہوتا ہے، لیکن کہیں لگ اسی کو ضروری نہ سمجھنے لگیں، اس لیے فقہاء احناف نے کسی خاص سورت کے تعیین کر لینے کو بہتر نہیں سمجھا ہے، آپ نے دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے سوال کا جواب اس طرح دیا ہے:

''جمعہ کی پہلی رکعت میں ''سورۂ جمعہ'' اور دوسری رکعت میں

''سورۂ منافقون'' یا پہلی رکعت میں" سبح اسم ربك الاعلی" اور دوسری میں" هل اتاك حديث الغاشية" پڑھنا بہتر ہے، کیونکہ آپ ﷺ کا عام معمول جمعہ میں ان ہی سورتوں کے پڑھنے کا تھا، (صحيح مسلم ،حدیث نمبر: ٢٠٢٧، ٢٠٢٨،باب ما يقرأ في صلاة الجمعة)البتہ کبھی کبھی ان کے بجائے دوسری سورتیں بھی پڑھ لینی چاہئے، تاکہ عوام میں یہ گمان نہ پیدا ہو جائے کہ جمعہ میں انہی سورتوں کی تلاوت ضروری ہے۔(البحر الرائق :٢/ ١٥٧)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن نماز فجر میں'' سورۂ سجدہ'' اور'' سورۂ دہر'' پڑھا کرتے تھے۔(صحيح البخاری ،حدیث نمبر:٨٩١) لہذا جمعہ کی فجر میں ان دو سورتوں کا پڑھنا افضل ہے، لیکن انہیں سورتوں کا التزام نہ کرنا چاہئے''۔

کفر کا حکم لگانے میں احتیاط

اصول شرع میں یہ بات مسلم ہے کہ اگر کسی بات میں کفر کے علاوہ دوسرے معنی بھی تلاش کیا جا سکتا ہو وہاں وہی معنی مراد لے کر کفر کا حکم لگانے سے احتیاط کیا جائے گا، لیکن افسوس کہ ماضی قریب میں بعض اہل علم اور مکاتب فکر کی بے اعتدالی اور شدت پسندی کی وجہ سے تکفیر نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کر لی ہے، حضرت الاستاذ کی زبان وقلم اس بارے میں حد درجہ محتاط ہے، اور یہی رنگ آپ کے فتاوی میں بھی ہے، چنانچہ ایک سوال کے جواب میں رقمطراز ہیں:

"کفر کا معاملہ بہت نازک ہے، اور اسی لئے کسی بات پر کفر کا حکم لگانے میں بہت احتیاط کرنی چاہئے، چنانچہ فتوی دینے کے اصول میں یہ بات ایک قاعدہ کے طور پر تسلیم کی گئی ہے کہ اگر کسی بات کا ایسا معنی تلاش کیا جاسکتا ہو جو وجہ کفر نہ ہو، تو وہی معنی مراد لے کر کفر کا حکم لگانے سے اجتناب کیا جائے گا، اسی طرح اگر کوئی ایسی بات کہی گئی جس کو بعض اہل علم کفر قرار دیتے ہیں، اور بعض نہیں قرار دیتے، تو گو ان لوگوں کی رائے دلائل کے اعتبار سے زیادہ قوی ہو جو اسے باعث کفر کہتے ہیں، پھر بھی از راہ احتیاط ان لوگوں کی رائے کو ترجیح دی جائے گی جو اس پر کفر کا فتوی نہیں لگاتے، چنانچہ علامہ شامی ابن نجیم مصری" سے نقل کرتے ہیں:

"والذی تحرر أنه لایفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامه علی محمل حسن أو کان فی کفره اختلاف ولو روایة ضعیفة" (رسم المفتی :/۸۳)

"جو بات منقح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جب تک کسی مسلمان کی بات کو اچھی صورت پر محمول کرنا ممکن ہو یا اس کے کفر ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہو گو اس سلسلہ میں ضعیف ہی روایت کیوں نہ ہو اس شخص کے کفر کا فتوی نہیں دیا جائے گا"۔

جہاں تک غلطی سے کفریہ کلمات زبان سے نکل جانے یا ناواقفیت میں ایسی بات کہہ جانے کا مسئلہ ہے تو اس سلسلہ میں خود حدیث نبوی ﷺ سے بھی روشنی پڑتی ہے، حضرت

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

''تم میں سے کوئی شخص صحرائی علاقہ میں اپنی سواری پر ہو، اسی سواری پر اس کا کھانا پینا ہو، وہ گم ہو جائے اور وہ شخص اس سے مایوس ہو جائے پھر وہ ایک درخت کے پاس آیا، اور مایوسی کی حالت میں اسی کے سایہ میں لیٹ گیا، ابھی اسی حالت میں تھا کہ اچانک دیکھتا ہے کہ وہ سواری اس کے پاس کھڑی ہوئی ہے، اس نے اس کی نکیل تھامی، اور خوشی سے بے حال ہو کر کہنے لگا: اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب، یعنی فرط مسرت سے بولنے میں غلطی کر جائے، جب کوئی بندہ اپنے خدا کے سامنے تائب ہوتا ہے تو اللہ کو اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے''۔(صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۷۴۷،۲/۳۵۵،باب في الحض على التوبة و الفرح بها، كتاب التوبة)

اس حدیث سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ غلطی سے کلمۂ کفر زبان سے جاری ہو جانا جب کہ اس میں ارادہ اور اعتقاد کو دخل نہ ہو، موجب کفر نہیں، چنانچہ فقہاء نے بھی یہی بات لکھی ہے، مشہور فقہ حنفی کی کتاب فتاوی بزازیہ میں فرماتے ہیں:

" أما إذا أراد أن يتكلم بكلمة مباحة فجرى على لسانه كلمة خطأ بلا قصد والعياذ بالله لا يكفر " (الفتاوى البزازيه على هامش

الفتاوی الهندية :۶/۳۲۱،كتاب الفاظ تكون إسلاما أو كفرا أو خطأ)

''جب کوئی شخص مباح بات کہنا چاہے، اور زبان پر بلا ارادہ غلط بات آجائے والعیاذ باللہ! تو اس کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا''

لہذا جو صورت آپ نے لکھی ہے، اور جو تفصیل اخبارات میں آئی ہے، اگر واقعی وہ درست ہے تو اس صورت میں آمین کہنے والوں پر کافر ہونے کا حکم لگانا درست نہیں، اور نہ ان کے تجدید نکاح کی ضرورت تھی، اور اگر آمین کہنے والے کافر ہوجائیں تو جس کی دعاء پر آمین کہی جائے وہ تو بدرجہ اولی کافر ہوجائے گا، اس لئے امام صاحب کو لوگوں کا تجدید نکاح کرانا اور اپنا دامن بچائے رکھنا سمجھ میں نہیں آتا۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہئے کہ اخبارات میں جن صاحب کا نام آیا ہے، وہ غیر معروف نام ہے، کسی ذمہ دار عالم دین نے اس طرح کا فتوی نہیں دیا ہے، دوسرے آج کل ذرائع ابلاغ اسلام کو بدنام کرنے اور مسلمانوں اور خاص کر علماء کی تصویر خراب طریقہ پر پیش کرنے کے لئے خبریں گھڑتے بھی ہیں، اور اس میں کمی بیشی بھی کرتے ہیں، اس لئے بہ ظاہر یہ خبر مشکوک ہے اور عجب نہیں کہ علماء کو بدنام کرنے اور ان کو شدت پسند ثابت کرنے کے لئے لوگوں نے اس طرح کی بات اڑائی ہو، اس لئے

مسلمانوں کو ایسی اخباری اطلاعات کے بارے میں چوکنا رہنا چاہئے اوران پر آنکھ بند کر کے یقین نہیں کرنا چاہئے''۔

اسی طرح مسلمان ہونے کے باوجود غیر اسلامی عدالتوں سے رجوع کرنے والے شخص سے متعلق سوال کیا گیا کہ وہ دائرۂ اسلام سے نکل جاتا ہے یا نہیں؟ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے اخیر میں فرماتے ہیں:

''فقہاء نے یہ بات واجب قرار دی ہے کہ اگر مسلمان ایسے ملک میں ہوں جہاں غیر مسلموں کا غلبہ ہو، جب بھی ان پر واجب ہے کہ وہ اپنے لئے امیر منتخب کریں، جو ان کے باہمی مقدمات کے فیصلہ کے لئے قاضی کا تقرر کرے، اس لئے کسی مسلمان مرد یا عورت کا شرعی دار القضاء کو چھوڑ کر غیر اسلامی اداروں سے فیصلہ کا طلب گار ہونا قطعا ناجائز اور سخت گناہ ہے، ایسے شخص کو توبہ کرنی چاہئے اور اس کے اہل خاندان اور سماج کے لوگوں کو اس پر دباؤ ڈالنا چاہئے کہ وہ ایسی حرکت سے باز آئے، البتہ جب تک وہ صراحتاً قرآن و حدیث کی یقینی دلیلوں سے ثابت کسی حکم کا انکار نہ کر جائے، احتیاطا اس کو کافر کہنے سے گریز کیا جائے، لہذا مذکورہ شخص کو کافر تو نہ کہا جائے گا، لیکن ضروری ہے کہ اس کے گناہ کی شدت اور سنگینی سے اسے باخبر کیا جائے''۔

ایک شخص نے کہا ''میں مسلمان بھی ہوں اور عیسائی بھی'' کیا ایسا کہنے والا مسلمان باقی رہے گا؟ اس سلسلہ میں اپنے جواب میں فرماتے ہیں:

''کسی مسلمان کے لئے اس طرح کی بات کہنا نامناسب اور

ناروا ہے، کیونکہ عرف میں عیسائی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو عیسائی عقائد پر یقین رکھتا ہو، اور یہ عقائد یقیناً عقیدۂ توحید سے متصادم اور اس کے خلاف ہیں، ہاں! اگر کوئی شخص اس معنی میں اپنے آپ کو عیسائی کہتا ہو کہ وہ حضرت عیسی علیہ السلام پر بھی ایمان رکھتا ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ بات درست ہوگی، کیونکہ مسلمان تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں، بہرحال چونکہ اس تعبیر میں دونوں معنوں کا احتمال ہے، جن میں سے ایک انسان کو دائرہ ایمان میں باقی رکھتا ہے، اور دوسرے معنی کے لحاظ سے دائرہ ایمان سے باہر ہو جاتا ہے، اور کفر کا حکم لگانے میں احتیاط ضروری ہے، اس لئے یہ فقرہ کہنے والے کو کافر تو نہیں کہا جا سکتا، لیکن یہ تعبیر بہرصورت خلاف احتیاط اور نا درست ہے"۔

اہل سنت والجماعۃ کے نقطۂ نظر پر استقامت

جن امور کی اصل سنتِ رسول ﷺ اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں موجود ہو، ان کو تسلیم کرنے پر اہلِ سنت والجماعت میں ہونے کا مدار و انحصار ہے، حضرت الاستاذ اپنی گفتگو، درس اور طلبہ وفضلاء سے خطاب میں ہمیشہ تاکید کرتے ہیں کہ فقہ میں اکثر اختلاف صواب وخطاء کا ہے، اور عقیدہ میں ہدایت وضلال کا، اس لیے ہرگز اہل سنت والجماعۃ کے مسلمہ عقیدہ کے باہر نہ جانا چاہئے، چنانچہ ایک تقدیر کے سلسلہ میں ایک سوال کا جواب تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کے سوالات کا تعلق دراصل تقدیر کے مسئلہ سے ہے، تقدیر کے سلسلہ میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ

"دنیا میں مکلف کا جو بھی فعل ہوتا ہے، وہ دو امور کے امتزاج سے وجود میں آتا ہے، ایک انسان کا ارادہ، دوسرے اللہ تعالی کی مشیت، جب انسان کسی اچھی یا بری بات کا ارادہ کرتا ہے، تو اللہ تعالی کی مشیت اس کی مدد کرتی ہے، پھر وہ چیز وجود میں آتی ہے، اسی مشیت الٰہی سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ کوئی چیز خدا کے حکم کے بغیر نہیں ہوسکتی اور انسان کے ارادہ و اختیار کے استعمال کی وجہ سے اس پر ثواب وعقاب ہوا کرتا ہے، لیکن از اول تا آخر جو کچھ ہونے والا ہے وہ خدا کے علم میں پہلے سے موجود ہے، اور اسی علم الٰہی کا نام تقدیر ہے، تقدیر کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ اللہ نے کسی کو مجبور کردیا ہے کہ وہ اس کام کو کرے، البتہ جو چیزیں انسان کے بس میں نہیں ہیں، وہ سراسر حکم خداوندی کے تحت ہیں، ان میں بندہ کے ارادہ کو کوئی دخل نہیں، بلکہ اعمال کے اچھے یا برے ہونے سے بھی ضروری نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کے ساتھ بھی صحت ومرض اور رنج ومسرت کا سلسلہ رہا ہے؛ اس لئے کسی بیماری وغیرہ پر اعتراض کرنا تقدیر پر اپنی ناراضگی کا اظہار ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ نکاح کے رشتہ کے لئے انتخاب میں دین اور اخلاق کو معیار بنانا بہتر اور مطلوب ہے، لیکن کسی انسان کے لئے عنداللہ جو آزمائشیں مقرر ہوچکی ہیں، وہ بہرحال وقوع پذیر ہوکر رہیں گی"۔

ایک سوال میں غیر مشروع طریقہ سے درود بھیجنے اور "یا" کے ذریعہ غیر اللہ سے استعانت

کرنے سے ایک امام صاحب نے منع کیا تو لوگوں نے ان کو عقائد اہل سنت والجماعۃ کے خلاف عقائد رکھنے والے قرار دے کر جامعہ نظامیہ حیدر آباد سے استفتاء کیا، وہاں سے مبہم اور غیر واضح جواب دیا گیا، یہی سوال آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس کے جواب میں اہل سنت والجماعۃ کے عقائد کو سمجھانے کے بعد امام کے عمل کی تحسین کی، چنانچہ جواب کے آخری فقرے اس طرح ہیں:

> ''اب اگر سوال میں استعانت سے استعانت بغیر اللہ مراد ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ کفر یا کم از کم قریب بہ کفر ہے، اور امام کا اس سے روکنا واجب اور شرعی فریضہ ہے؛ اس لئے اگر درود و سلام کے مذکورہ بالا طریقہ اور استعانت بغیر اللہ سے امام صاحب نے منع کیا ہو، تو یہ اہلِ سنت والجماعۃ کے مسلک کے عین مطابق ہے، اور اس کا یہ عمل ہرگز موجب فسق نہیں، بلکہ عین تقاضاء دین ہے؛ لہذا امام مذکور کی امامت مکروہ نہیں، بلکہ ''سعی إلی الخیر'' اور ''نهی عن المنکر'' ہونے کی وجہ سے مستحسن اور بہتر ہے''۔

عذاب قبر، دیدار خداوندی، مرتد کی سزا، بیعت وتصوف اور بدعات ورسوم کے تحت آنے والے فتاوی کو ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں کہ ان مسائل میں کس قوت کے ساتھ اہل سنت والجماعت کے فکر کی ترجمانی کی گئی ہے۔

رد شرک اور بدعت

حضرت الاستاذ کے فتاوی میں مشرکانہ افعال کی تردید ونفی پر خاص طور سے زور دیا گیا، جیسے: نمسکار اور نمستے کے بارے میں آپ فرماتے ہیں:

> '' نمستے اور نمسکار غیر اسلامی اور مشرکانہ عقیدہ پر مبنی

تعبیرات ہیں، اس لئے مسلمانوں کے لئے ایسے الفاظ کا کہنا قطعاً درست نہیں، ہاتھ جوڑنا بھی غیر اسلامی طریقہ ہے، زبان سے آداب وغیرہ کہہ دینا درست ہے، بوقتِ ضرورت سلام بھی کیا جاسکتا ہے، لیکن سلام میں کفر وشرک سے سلامتی کا معنی ذہن میں رکھا جائے، تو بہتر ہے:

"ویسلم المسلم علی أهل الذمة لو له حاجة إلیه"

(الدر المختار علی هامش الرد : ۵۹۰/۹)

سرسوتی جی کی پوجا، گنیش تہوار میں چندہ، ناریل پھوڑنا، اور اس طرح کے بہت سے سوالات ہیں، جن کا تعلق ایمانیات سے ہے، آپ نے سخت لب ولہجہ اختیار کیا ہے۔

نئی تحقیق پر رائے کی تبدیلی

بہت سے مسائل صورت مسئلہ کی تحقیق پر مبنی ہوتے ہیں، علماء سلف کا طریقہ بھی رہا ہے کہ جب نئی تحقیق سامنے آتی، تو اسے قبول کر لیتے، حضرت الاستاذ بھی اپنے بزرگوں کی اسی روشنی پر قائم ہے، چنانچہ سینٹ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"سینٹ کے بارے میں متعدد ماہرین کیمیا سے معلوم ہوا کہ اس میں الکحل تو ہوتا ہے، لیکن الکحل کی بہت سی قسمیں ہیں، سینٹ میں جو الکحل استعمال ہوتا ہے، وہ نشہ آور نہیں ہوتا اور وہ اس سے مختلف ہوتا ہے جو شراب اور ادویہ میں استعمال کیا جاتا ہے، اس لیے یہ ناپاک یا حرام نہیں ہے، اس کا استعمال درست ہے، اور اس کی وجہ سے کپڑا ناپاک نہیں ہوگا، —— اس حقیر کی یہ رائے موجودہ تحقیق کی بنیاد پر ہے، پہلے وہ اس

کے ناپاک ہونے کا فتوی دیا کرتا تھا، اور لوگوں کو اس کے استعمال سے روکتا تھا"۔

نئے مسائل کا حل

شریعت اسلامی قیامت تک کے لیے ہے، اس لیے جو بھی نئے مسائل پیدا ہوں، شریعت میں ان کے حل کے لیے اصول موجود ہیں، ان اصولوں کو واقعات پر منطبق کرنا ہر عہد کے علماء کی ذمہ داری ہے، حضرت الاستاذ کا خاص موضوع یہی ہے اور اس سلسلہ میں آپ کی کتاب "جدید فقہی مسائل" (۵/ حصے) معروف ہے، فتاوی کے ذیل میں بھی بہت سے نئے مسائل آگئے ہیں اور آپ نے ان پر خصوصی توجہ فرمائی ہے، مثلاً:

"اپنے جائز حقوق کے لیے جدوجہد اور احتجاج جائز ہے، مگر بھوکے رہ کر ناراضگی کا اظہار کیا جانا مروج اور آئینی طریقہ ہو، تو اتنی دیر بھوکا رہنا جائز ہے، جس سے صحت متاثر نہ ہو، اور عبادات نیز اس سے متعلق حقوق وفرائض کی ادائیگی میں خلل نہ پڑتا ہو، اتنی دیر بھوکا رہنا جائز نہیں کہ جس سے ہلاکت کا خطرہ پیدا ہو جائے، کیوں کہ جسم بھی اللہ کی ایک امانت ہے، اسی لیے اتنا کھانا فرض ہے کہ آدمی ہلاک ہونے سے بچ جائے، اگر بھوکا رہنے کی وجہ سے جان چلی جائے تو وہ گنہگار ہوگا" "فإن ترك الأكل و الشرب حتى هلك، فقد عصىٰ" (رد المحتار :۹/۴۸۸،کتاب الحظر و الإباحة) اور اتنا کھانا باعث اجر وثواب ہے کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قدرت رہے، اور آسانی سے روزہ رکھ

سکے، "لیتمکن من الصلاۃ قائما و یسھل علیه الصوم" (الفتاوی الھندیة: ۳۳۶/۵)"۔

اسی طرح ایک سوال میں پوچھا گیا کہ بیمار اور معذور افراد جن کی زندگی کی توقع نہیں، جو ایک طرف خود اذیت میں گرفتار ہیں اور دوسری طرف اہل خاندان پر بوجھ ہیں، انہیں اذیت سے نجات دینے یا خاندان کو ان کی ذمہ داری سے عہدہ برآ کرنے کے لیے ایسی صورت اختیار کرنا کہ وہ جلد مر سکیں، مثلاً کینسر، طویل سکتہ، فالج وغیرہ، کیا انہیں مہلک دوا دی جا سکتی ہے، اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

"اس سوال کا دوسرا جز یہ ہے کہ اس کا علاج ہی نہ کیا جائے تا آنکہ از خود موت آ جائے، —— میرا خیال ہے کہ یہ صورت بھی درست نہ ہوگی، آدمی کسی مجبوری کی وجہ سے علاج کرانے پر قادر نہ ہو تو اس کی نوعیت اور ہے اور قدرت کے باوجود اپنی لاپرواہی اور غفلت کی وجہ سے علاج نہ کرائے تو یہ بھی نادرست ہے، کہ جسم اللہ کی امانت ہے اور اس کی حفاظت انسان کا فریضہ ہے، اور اگر علاج نہ کرانے یا نہ کرنے کی نیت ہی یہ ہو کہ موت آ جائے اور مریض ہلاک ہو جائے تو ظاہر ہے کہ یہ ناجائز ہوگا، اس لیے کہ گو کہ اس نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی ہے جس پر "قتل نفس" کا اطلاق ہو، لیکن اس کی نیت یہی ہے کہ ایک زندہ وجود ہلاک ہو جائے اور یہ بجائے خود ناجائز ہے، معالج تو کجا ایک عام انسان کا فریضہ بھی یہ ہے کہ دوسروں کو حتی الوسع موت اور ہلاکت سے بچانے کی کوشش کرے، چنانچہ اگر کوئی شخص نماز

میں مصروف ہو اور کوئی نابینا کنویں میں گر جانے کے درپے
ہو، تو نماز توڑ دینی واجب ہے"۔

اس مجموعہ فتاوی میں نئے مسائل کی اچھی خاصی مقدار آ گئی ہے، بطور نمونہ صرف وضو سے متعلق نئے مسائل کے یہ عناوین ملاحظہ ہوں:

مسواک کی جگہ توتھ پیسٹ اور برش
تمباکو کھانے کے بعد وضو
واش بیسن میں وضو
میڈیکل ٹیسٹ کی ایک خاص صورت میں وضو
منسلک باتھ روم میں دعاء
موسیقی سننے اور دیکھنے پر وضو
بال کے جوڑے پر مسح
کیا ٹی وی دیکھنا ناقض وضو ہے؟
انجکشن کے ذریعہ خون نکلنے سے وضو
مصنوعی دانت لگا کر وضو و غسل
پلاسٹک کا ہاتھ اور وضو

قول دیانت پر فتوی

افتاء میں اصول یہ ہے کہ قول قضاء اور قول دیانت مختلف ہو تو قول دیانت کو اختیار کیا جائے، حضرت الاستاذ اس اصول پر پابندی سے عمل کرتے ہیں، اور اس کی بہت سی مثالیں آپ کے فتاوی میں موجود ہیں، چنانچہ "ایک صاحب نے اپنے خسر اور گاؤں کے چند لوگوں کو خط کے ذریعہ اطلاع دی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے رہے ہیں، لیکن بیوی کو راست طلاق نامہ حاصل

نہیں ہوا، بعد میں میاں بیوی نے فون کے ذریعہ بات چیت کی تو دونوں ہی ازدواجی زندگی گزارنا چاہتے ہیں" سے متعلق فرماتے ہیں:

"طلاق دے رہے ہیں" کی تعبیر دو معنی کا احتمال رکھتی ہے ایک یہ کہ میں ابھی طلاق دے رہا ہوں، جیسے کہا جاتا ہے: "میں کھانا کھا رہا ہوں" یعنی حال کا معنی مراد ہو، ایسی صورت میں یہ کہتے ہی طلاق واقع ہوگئی، دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ میرا ارادہ اس کو طلاق دیدینے کا ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ "میں آرہا ہوں" یعنی میں مستقبل قریب میں آنے والا ہوں، اگر یہ مراد ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ "میں نے مستقبل قریب میں طلاق دینے کا پختہ ارادہ کرلیا ہے"، طلاق محض ارادہ سے واقع نہیں ہوتی بلکہ عملاً طلاق دینے سے واقع ہوتی ہے، جس کو فقہاء کی اصطلاح میں "انشاء طلاق" کہتے ہیں، تو اگر ان صاحب کی یہ مراد ہو اور انہوں نے طلاق نامہ بیوی کو لکھ کر نہ بھیجا ہو، تو طلاق واقع نہیں ہوئی، اور پہلی صورت ہو، تو طلاق واقع ہو جائے گی ـــــ لہذا موصوف کو آپ مشورہ دیں کہ وہ کسی مفتی سے رجوع کر کے صحیح طریقہ پر بتائیں کہ انہوں نے کیا جملہ کہا تھا؟ اور ان کی اس وقت کیا مراد تھی؟ جب ہی اس سلسلہ میں کوئی متعین رائے دی جا سکتی ہے"۔

کسی کے مجبور کرنے پر قاضی کے سامنے طلاق نامہ پر صرف دستخط کر دینے سے متعلق سوال کیا گیا، اس کے ساتھ وہ نامہ بھی ارسال ہوا، اس پر آپ فرماتے ہیں:

''اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مستفتی نے قاضی کے سامنے طلاق نہیں دی ہے، صرف طلاق کا اقرار کیا ہے، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی —— اکراہ جس میں جان یا کسی عضو کے تلف ہونے کا خطرہ ہو —— کی صورت میں، طلاق کا اقرار یا صرف طلاق نامہ پر دستخط کرنے کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی، اور اگر زبانی طلاق دلوائی گئی، تو حنفیہ کے نزدیک طلاق واقع ہو جاتی ہے، پس، جبر و اکراہ کی کیفیت کے سلسلہ میں جو تفصیل لکھی گئی ہے، مستفتی کو چاہئے کہ وہ اللہ سے ڈرتے ہوئے ان پر غور کرے اگر واقعی وہ ان تفصیلات کے مطابق طلاق کا اقرار کرنے پر مجبور تھا تو اس کی زوجہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی''۔

جائز متبادل کی نشاندہی

بہت سے احکام ایسے ہیں کہ اس میں حرام و ناجائز کہہ دینا کافی نہیں ہوتا، بلکہ یہ بات بھی ضروری ہے کہ اس کے جائز متبادل کی نشاندہی کی جائے، تاکہ عمل کرنے والوں کو آسانی ہو، آپ کے فتاویٰ میں خاص طور پر اس کو ملحوظ رکھا جاتا ہے، مثلاً ایک شخص نے سوال کیا کہ مقروض سے قرض کی واپسی کی امید ختم ہو چکی ہے، کیا قرض میں زکوۃ کی نیت کی جا سکتی ہے؟ آپ اس کے جواب میں رقمطراز ہیں:

''زکوۃ ایک عبادت ہے اور عبادتوں کے سلسلہ میں یہ اصول ہے کہ اس کے لئے نیت ضروری ہے، اور نیت بھی اس فعل کی ابتداء میں، لیکن صورت حال یہ ہے کہ جس وقت آپ نے

وہ رقم دی تھی، اس وقت قرض کی نیت تھی نہ کہ زکوۃ کی، اس لئے اب اس میں زکوۃ کی نیت نہیں کی جاسکتی، ہاں یہ بات درست ہے کہ آپ اسے زکوۃ دیدیں، اور پھر اس سے قرض وصول کرلیں''۔

اسی طرح ایک کمپنی کے کاروبار کے سلسلہ میں سوال کیا گیا ''ایک صاحب کے پاس کچھ رقم ہے، انہوں نے اس رقم کو کمپنی میں لگا دیا اور کمپنی کے مالک کو اجازت دی کہ وہ اس رقم کو اپنے کاروبار میں شامل کر کے جو منافع آئے ہمیں دے دے، کمپنی کے مالک نے اس رقم کو لے کر مارکٹ میں نقد خریدی کی اور جو سامان خریدا اس پر فی فرد پانچ روپیہ لگا کر اس شخص کو نفع دے دیا، کیا یہ طریقہ درست ہے؟'' اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''ایک شخص محنت کرے اور دوسرا شخص سرمایہ لگائے، اس کو ''مضاربت'' کہتے ہیں، یہ اسی صورت میں جائز ہے، جبکہ نفع ونقصان میں دونوں شریک ہوں اور اس کا تناسب متعین کرلیا جائے، مثلا دونوں فریق پچاس فیصد نفع کے حقدار ہوں گے اور اسی نسبت سے نقصان بھی برداشت کریں گے، اس لئے جو صورت آپ نے بتائی ہے، یہ اپنی موجودہ شکل میں جائز نہیں، البتہ تھوڑی تبدیلی کے ساتھ جائز ہوسکتی ہے، اور وہ اس طرح کہ سرمایہ لگانے والے شخص سے اجازت لے لے کہ میں اس سے تمہارے لئے فلاں مخصوص سامان جو مجھے کاروبار میں مطلوب ہیں، خرید لیتا ہوں، پھر جب اس سامان کو خریدے تو خریدنے کے وقت اسے ساتھ لے جائے یا خریدنے کے بعد اسے لاکر دکھادے، تاکہ اس شخص

کا قبضہ ثابت ہو جائے، پھر فی عدد پانچ روپے کے اضافہ
کے ساتھ وہ اس شخص سے خرید کر لے، یہ صورت جائز ہوگی،
اور اس کو فقہ میں ''مرابحہ'' کہتے ہیں''۔

اسی طرح معلمہ حالت حایض میں کس طرح بچوں کو قرآن پڑھائی جائے؟ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''آپ اس طرح بچوں کو حالتِ حیض میں پڑھا سکتی ہیں کہ پوری آیت ایک ساتھ نہ پڑھیں، بلکہ ایک ایک لفظ توڑ توڑ کر پڑھا کریں، اگر ضرورت ہو تو نصف آیت بھی پڑھنے کی گنجائش ہے:

"وإذا حاضت المعلمة ينبغي لها أن تعلم الصبيان كلمة كلمة و تقطع بين الكلمتين على قول الكرخي" وعلى قول الطحاوي نصف آية" (البحر الرائق :۱/۲۰۰،باب الحيض ،كتاب الطهارة)

یہ بات مناسب ہے کہ آپ لکڑی یا قلم کے سہارے الفاظِ قرآنی کی نشاندہی کریں اور خود ہاتھ نہ لگائیں، اگر آپ کے ارادہ کے بغیر بچوں نے آپ کے جسم سے قرآن لگا دیا، تو اس میں آپ پر کوئی گناہ نہیں، اور نہ اس پر کوئی کفارہ واجب ہے، جہاں تک کپڑے میں لگانے کی بات ہے تو اس میں تو یوں بھی کچھ حرج نہیں، آپ خود بھی بوقت ضرورت اپنے کپڑوں سے قرآن مجید کے اوراق کو چھو سکتی ہیں''۔

اتحاد امت کا لحاظ

ایک جگہ عیدگاہ کے سلسلہ میں اختلاف پیدا ہوگیا اور باہمی گروہ بندی کی وجہ سے ایک گروپ نے الگ عیدگاہ سرکاری زمین پر بغیر اجازت کے بنانی شروع کردی، اور لوگوں سے اس کے لیے چندہ وصول کرنا شروع کردیا، اس سلسلہ میں جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''عیدگاہ کا مقصد وسیع تر سطح پر مسلمانوں کی اجتماعیت کو بہ روئے کار لانا ہے، اس لئے اگر دونوں عیدگاہیں قریب قریب ہوں اور اس پوری آبادی کے لئے کفایت کرتی ہوں، تو بہتر ہے کہ نئی عیدگاہ تعمیر نہ کی جائے کہ اس سے خواہ مخواہ مسلمانوں کی اجتماعیت متاثر ہوگی، عیدگاہ کے موجودہ ذمہ داروں کو چاہئے کہ اس نئی آبادی کے مسلمانوں کو بھی اپنے اعتماد میں لیں اور اگر ان کی کوئی شکایت ہو تو ان کو رفع کرنے کی کوشش کریں، مسلمانوں کی وحدت کو برقرار رکھنے کے لئے اپنے وقار کی قربانی بہت ہی اجر وثواب اور عنداللہ عزت کا باعث ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ کے لئے اپنے آپ کو جھکاتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بلند فرماتے ہیں: "من تواضع لله رفعه الله" دوسروں کی زمین پر خواہ افراد کی ہو یا سرکار کی عیدگاہ یا مسجد بنانا قطعاً جائز نہیں، اس لئے مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہئے، تاہم عید کی نماز صحراء میں بھی پڑھی جاسکتی ہے، اس لئے اگر اس میں پڑھ لی جائے تو کراہت کے ساتھ نماز ادا ہو جائے گی''۔

تراویح نماز کی بیس رکعات اور آٹھ رکعات سے متعلق سوال کیا گیا، تو تراویح کی بیس رکعت مسنون ہونے وضاحت مع دلیل پیش کرنے کے بعد فراماتے ہیں:

''تاہم ان مسائل میں باہم جدال ونزاع مناسب نہیں، اگر کچھ لوگ آٹھ رکعت پڑھنا چاہتے ہوں اور کچھ لوگ بیس رکعت تو آٹھ رکعت پڑھنے والے آٹھ رکعت پر اکتفاء کرلیں، اور باقی حضرات بیس رکعت پوری کرلیں، اس طرح دونوں گروہوں کا اپنے نقطۂ نظر پر عمل ہوجائے گا، یوں تو امت کا اتحاد ہر حال میں ضروری ہے، لیکن موجودہ حالات میں اگر مسلمانوں نے ایک دوسرے کی رائے کا احترام اور اختلاف رائے کے باوجود اتحاد کا سبق نہیں سیکھا، تو سخت نقصان اٹھائیں گے، اللہ تعالی ہمیں وقت کے تیور کو پہچاننے اور اختلاف رائے کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنے کی توفیق عطا فرمائے''۔

اسی طرح اہل حدیث کے پیچھے حنفی اور حنفی کے پیچھے اہل حدیث کے نماز ادا کرنے سے متعلق سوال کیا گیا، اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

''نماز کے جن احکام میں احناف اور غیر مقلدین حضرات کا اختلاف ہے، ان میں عہد صحابہ ﷺ سے اختلاف رائے رہا ہے اور ائمۂ مجتہدین میں بھی ان مسائل کی بابت ایک سے زیادہ آراء رہی ہیں، اس لئے ان مسائل کو وجہ نزاع نہیں بنانا چاہیے، بہت سے مسائل میں رسول اللہ ﷺ کے ایک سے زیادہ عمل منقول ہیں، اسی لیے صحابہ ﷺ نے بھی

اپنے اجتہاد اور ذوق کے مطابق الگ الگ احادیث کو ترجیح دیا ہے، سلف صالحین نے کبھی ان مسائل کو ایک دوسرے کی مخالفت کا باعث نہیں بنایا اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز ادا کرتے رہے، اس لیے غیر مقلد حضرات احناف کے پیچھے اور احناف غیر مقلدین کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں''۔

مخالفین کے بارے میں شائستہ لب ولہجہ

حضرت الاستاذ کا مزاج دینی تحریروں اور فتاوی میں تنابز بالالقاب اور طعن وطنز سے گریز کا ہے، اور جو فرقے امت کے دائرہ میں آتے ہیں، ان کے بارے میں نرم لب ولہجہ اختیار کرنے کا ہے، البتہ قادیانیت کے بارے میں آپ کا لب ولہجہ سخت ہوتا ہے،۔ پھر بھی یہ بات ملحوظ ہوتی ہے کہ خود قادیانی حضرات اسے پڑھ سکیں، تاکہ ان کی اصلاح ہو سکے، چنانچہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

'' قادیانی حضرات مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں، حالانکہ قرآن مجید نے بالکل صریح الفاظ میں جناب محمد ﷺ کے آخری نبی ہونے کا اعلان فرمادیا ہے، اللہ تعالی فرماتے ہیں:

'' محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں''۔

حدیثیں اس سلسلہ میں بکثرت وارد ہیں، چنانچہ امت محمدیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کسی کا دعویٔ نبوت کرنا جھوٹ ہے، امام طحاوی العقیدۃ الطحاویۃ میں

لکھتے ہیں:

"من ادعی بعده النبوة فهو كاذب" (شرح العقيدة الطحاوی :ص:١٦٦)

"ہمارے نبی ﷺ کے بعد نبوت کا دعوی بالاجماع کفر ہے"

خود مرزا غلام احمد صاحب نے جب تک نبوت کا دعوی نہیں کیا تھا، اس حقیقت کا اعتراف واعلان کرتے تھے کہ سلسلۂ نبوت آپ ﷺ پر ختم ہو چکا ہے اور آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دعوی کرنا کفر ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"مجھے کب جائز ہے کہ نبوت کا دعوی کر کے اسلام سے خارج ہو جاؤں اور کافروں کی جماعت سے جاملوں"۔

پس گویا اس بات پر مرزا صاحب کا بھی اتفاق ہے کہ محمد ﷺ کے بعد دعوئ نبوت کفر ہے، لیکن افسوس بعد کو چل کر خود مرزا صاحب نبوت کا دعوی کر بیٹھے، جس کو وہ قرآن وحدیث کی روشنی میں، بجا طور پر باعث کفر سمجھتے تھے، اسی لئے مسلمان ان کے دعوئ نبوت، اس دعوت پر ایمان لانے والے اور ان کی تصدیق کرنے کو کفر قرار دیتے ہیں، اور تمام امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے، خود مرزا صاحب بھی اپنے اوپر ایمان نہ لانے والوں یعنی تمام مسلمانوں کو ایسا کافر قرار دیا ہے جس کے دل پر مہر لگ چکی ہے، کہتے ہیں:

"مگر بدکار رنڈیوں کی اولاد، جن کے دلوں پر خدا نے مہر کردی ہے، وہ مجھے قبول نہیں کرتے"۔

مرزا صاحب پر ایمان رکھنے والے بھی تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں، چنانچہ میاں بشیر الدین محمود احمد خلیفۂ دوم قادیانی کہتے ہیں:

''کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوتے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا کافر ہیں، اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں''

اس لئے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین کا دائرۂ اسلام سے خارج ہونا ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے، مسلمانوں کو اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ رہنا چاہئے، اور قادیانی حضرات جو بہر حال انسانی نقطۂ نظر سے ان کے بھائی ہیں، کو راہ حق اور ایمان کی طرف دعوت دینا چاہئے، ممکن ہے کہ اللہ تعالی مسیلمہ کذاب کے متبعین کی طرح ان کو بھی ہدایت سے سرفراز فرمادے۔ وما ذلك على الله بعزيز وبه التوفيق۔

فتاوی میں تذکیر وترہیب

حضرت الاستاذ ایک فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ داعیانہ مزاج و مذاق کے بھی حامل ہیں، بلکہ یہی رنگ ان پر غالب ہے، چنانچہ آپ کے فتاوی میں بھی یہ رنگ نمایاں ہے، اسی لیے جہاں ضرورت محسوس ہوتی ہے، آپ حکم شرعی بیان کرنے کے ساتھ ساتھ تذکیر وترہیب سے بھی کام لیتے ہیں، اور تحسین وحوصلہ افزائی بھی کرتے ہیں، ایک طالبہ جو والدین کی خوشنودی کے لیے مجبوری میں عصری تعلیم حاصل کرنے کے لیے مخلوط درسگاہوں میں زیر تعلیم ہے، ان کا کہنا ہے کہ ماں باپ اپنی لڑکیوں کو اچھے گھرانے میں شادی ہوجانے کے لیے ایسی جگہوں میں

تعلیم حاصل کرنے پر اصرار کرتے ہیں، حالاں کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اس کے جواب میں رقمطراز ہیں:

''اپنی ضرورت کی مقدار دینی علم حاصل کرنا ہر شخص پر فرض ہے، اور عام انسانی ضروریات کا علم فرض کفایہ کے درجہ میں ہے، یعنی سوسائٹی میں کچھ لوگ اس سے ضرور واقف ہوں، جو ضرورت کے وقت لوگوں کی مدد کرسکیں، مگر مخلوط درسگاہوں میں اور خاندانی نام اونچا کرنے اور شادی میں رشتوں کی سہولت کی نیت سے علم حاصل کرنا جائز نہیں ہے اور ناجائز ہونے والی چیزیں جس طرح چار سال ناجائز ہوں گی، اسی طرح آٹھ، دس ماہ کے لئے بھی ناجائز ہی رہیں گی، اس قسم کی تعلیم کے لئے غیر مخلوط درسگاہ ہو تو چونکہ یہ بھی ملت کی ایک ضرورت ہے، اس لئے ان شرطوں کے ساتھ تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے کہ مسلم خواتین کی نشست لڑکوں سے الگ ہو، وہ پردہ میں ہوں اور ان کی کسی غیر محرم کے ساتھ خلوت اور تنہائی کی نوبت نہ آتی ہو۔ یہ تو آپ کے متعلقہ سوال کا جواب ہے۔

مگر اس کے ساتھ ساتھ ہمیں مسرت ہے کہ اس فضا اور ماحول میں رہنے کے باوجود اللہ نے آپ کو دین پر اتنی استقامت عطا کی ہے، آپ ایک مثالی طالبہ کی حیثیت سے صرف اسی پر اکتفاء نہ کریں کہ اپنی ذاتی زندگی میں ان احکام سے روشنی حاصل کریں، بلکہ دیگر مسلمان بہنوں کی مدد سے

اس بات کی کوشش کریں کہ ادارہ آپ حضرات کے لئے ایسی سہولتیں فراہم کرے کہ آپ شرعی حدود میں رہ کر اس قسم کی تعلیم جاری رکھ سکیں، ممکن ہے آپ کا یہ اقدام آپ کی بہت سی بہنوں کے لئے ایک روشنی ثابت ہو"۔

اسی طرح بینک سے زیورات پرکھنے اور اصلی نقلی کی پہچان کرنے پر کمیشن کے سلسلہ میں جواب تحریر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"کسوٹی پر پرکھنے اور اصلی ونقلی پہچان کرنے کی اجرت لینا تو جائز ہے، لیکن بینک کی پوری آمدنی بنیادی طور پر سودی آمدنی ہوتی ہے، اس لیے بینک سے اس طرح کی اجرت لینا جائز نہیں، آپ کے موجودہ کاروبار ہی میں اللہ برکت دے گا، اسی پر اکتفا کرلیں"۔

اسی طرح ایک سوال کا جواب دینے کے بعد فرماتے ہیں:

"لیکن آپ حضرات سے خواہش ہے کہ اپنا وقت ایسی چیزوں کی تحقیق میں لگائیے جن سے آپ کی عملی زندگی کا کوئی دینی نفع متعلق ہو، محض ایسے مسائل میں اپنے آپ کو الجھانا جس سے ایمان وعمل کا کوئی فائدہ متعلق نہ ہو، انسان کو بتدریج غلط سمت میں لے جاتا ہے"۔

اسی طرح ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"طلاق ماضی، یا حال کے صیغہ سے واقع ہوتی ہے، جیسے کہے میں نے تجھے طلاق دی، یا طلاق دے رہا ہوں، اگر کہے کہ طلاق دے دوں گا، تو آئندہ طلاق دینے کا وعدہ ہے، نہ

کہ فی الحال طلاق دینا، اس لیے اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی، لیکن آپ اپنے دوست کو سمجھائیں، کہ اس طرح بار بار طلاق کی دھمکی دینا گناہ کی بات ہے، کیونکہ کسی شرعی مجبوری کے بغیر طلاق دینا معصیت ہے اور بار بار یہ کہنا کہ میں فلاں گناہ کرگزروں گا، بجائے خود گناہ ہے، پھر اس میں بیوی کی ایذاء رسانی بھی ہے اور یہ بھی گناہ ہے، اگر کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو یا تو بیوی کو سمجھایا جائے، یا زوجین کسی عالم کے پاس معاملہ رکھ کر اسے حل کرائیں، بار بار طلاق کی دھمکی دینے سے اندیشہ ہے کہ کبھی طلاق دینے کی نوبت آجائے، تو پھر بعد میں پچھتاوہ ہوگا اور اس پر کچھ فائدہ نہ ہوگا''۔

اسی طرح ایک جواب میں فرماتے ہیں:

''یہ تو آپ کے سوال کا جواب ہے، آپ کا یہ عزم کہ اگر ان اعضاء کی خرید وفروخت حرام ہوگی تو ہم ہمیشہ کے لئے اس سے رک جائیں گے، نہایت ہی قابل تحسین بات ہے، ایک مسلمان تاجر کا یہی عزم ہونا چاہئے کہ ظاہری نفع ونقصان کا خیال کئے بغیر جو چیز حرام اور ناجائز ہو، اس سے اپنے آپ کو بچائے''۔

برائی کے مقابلہ کی ترغیب

بعض برائیاں ایسی ہوتی ہیں کہ ایک یا دو آدمی انہیں دور نہیں کرسکتے، بلکہ تمام مسلمان مل

کر ہی ان کو مٹا سکتے ہیں، مولانا اپنے جواب کے واسطہ سے ایسے مسائل میں تمام مسلمانوں کو متوجہ فرماتے ہیں اور فتوی سے دعوت کا کام لیتے ہیں، چنانچہ جہیز کے سلسلہ میں ایک سوال کے جواب کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں:

''ایک تو جہیز کا مطالبہ اور شادی کے موقعہ سے لین دین کی رسم خود گناہ ہے، اس کو ہمت و حوصلہ کے ساتھ ختم کرنے کی ضرورت ہے، اگر تمام لڑکی والے یہ طے کر لیں کہ وہ شادی میں ایسے مطالبات کو قبول نہیں کریں گے، تو لڑکے اور لڑکے والے خود جھکنے پر مجبور ہوں گے، اور یہ غیر اسلامی اور غیر انسانی رسم ختم ہو سکے گی، یہ ایک حقیقت ہے کہ ایسی رسم کو بڑھاوا دینے میں لڑکی والے بھی قصوروار ہیں، اس لئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ ایسا سماجی ماحول بنایا جائے کہ لوگ لین دین کی شرط لگانے والوں کو لڑکی دینے ہی سے انکار کر دیں، فکسڈ ڈپازٹ کرنا سود حاصل کرنا ہے، لہذا یہ لڑکے کا مطالبہ پورا کرنے کے لئے ایک گناہ کے لئے دوسرے گناہ کا ارتکاب کرنے کے مترادف ہے، اس لئے اس مقصد کے پیش نظر فکسڈ ڈپازٹ کرنا جائز نہیں''۔

مستفتی کے مصالح کی رعایت

اسی طرح آپ مستفتی کے شخصی مصالح کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں اور مزاج شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے اسے ایسی بات کی تلقین کرتے ہیں جو اس کے مفاد میں ہو، ایک سوال تھا کہ شوہر نے بیٹے کی نازیبا حرکتوں سے عاجز ہو کر عاق کر دیا، تو اس میں ماں کا کیا رول ہونا چاہئے آپ

نے تینوں کے مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے فرمایا:

''شرعاً عاق کرنے کا کوئی اعتبار نہیں، اور وہ اپنے باپ کے مال میں وفات کے بعد عام اصول کے مطابق وارث ہوتا ہے، اگر باپ لڑکے کی واقعی زیادتی پر اس سے بے تعلق برتے تو ماں کو حکمت و مصلحت سے کام لینا چاہئے، اور باپ اور بیٹے کے درمیان جو فاصلہ پیدا ہوگیا ہے اسے پُر کرنا چاہئے، اگر توقع ہو کہ اس کی بے رخی سے لڑکے کو تنبہ ہوگا اور وہ اپنے ناشائستہ طرز عمل سے باز آجائے گا تو اس سے بے رخی برتنی چاہئے اور اگر امید ہو کہ اپنا رویہ نرم رکھنے کی صورت میں وہ لڑکے کی اصلاح کر سکے گی تو اسے شوہر کو ناراض کیے بغیر بیٹے کے ساتھ ایسے روابط رکھنے چاہئیں، تا کہ بہ دیر سہی اس کی اصلاح ہوجائے''۔

اسی طرح وراثت کے ایک سوال کے بارے میں کہتے ہیں:

''بیوی کو اس طرح دو تہائی املاک کا مالک بنا دینا بھی جائز ہے، اگر نیت اس کی آئندہ زندگی میں تعاون ہے (یعنی اس کی نیت یہ ہے کہ میرے مرنے کے بعد میری بیوی مالی پریشانی میں مبتلا نہ ہو)، ورثہ کو محروم کرنا مقصود نہیں ہے، تو وہ انشاء اللہ گنہگار بھی نہیں ہوگا، البتہ اس کے ساتھ ساتھ دوسرے اقرباء سے حسن سلوک کا خیال رکھنا چاہئے اور جائداد کا کچھ حصہ ان کے لیے بھی چھوڑنا چاہئے''۔

سعودی عرب میں رہنے والے ایک ہندوستانی مسلمان نے نماز جنازہ میں سلام سے

متعلق سوال کیا تو اس کے جواب میں حضرت الاستاذ رقم طراز ہیں:

''نمازِ جنازہ بھی ایک نماز ہے، چنانچہ حدیث میں ہمیشہ اس کے لئے ''صلاۃ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، اور اس نماز کے لئے بھی طہارت وغیرہ کی وہی شرطیں ہیں، جو دوسری نمازوں کے لئے ہیں، اس کی بھی ابتداء تکبیر تحریمہ سے ہوتی ہے، اور انتہاء سلام پر، اس لئے جیسے دوسری نمازوں میں دو دفعہ سلام کیا جاتا ہے، اس نماز میں دائیں اور بائیں دونوں طرف سلام ہونا چاہئے، نمازِ جنازہ کے سلسلے میں جو صحیح روایتیں ہیں ان میں، مطلق سلام کا ذکر ہے، ایک یا دو کی صراحت نہیں، اس لئے امام ابوحنیفہؒ دوسری نمازوں کو سامنے رکھتے ہوئے نماز جنازہ میں بھی دو سلام کے قائل ہیں، دوسرے فقہاءؒ ایک ہی سلام کے قائل ہیں، یہی رائے امام احمد بن حنبلؒ کی ہے، سعودی عرب میں چونکہ زیادہ تر لوگ حنبلی المسلک ہیں، اس لئے وہ ایک سلام پر اکتفاء کرتے ہیں، ان کی دلیل حضرت ابوہریرہ ﷜ کی روایت ہے، اس روایت میں ایک ہی سلام پھیرنے کا ذکر ہے۔ اگر روایت معتبر ہوتی تو واقعی حجت تھی، مگر محدثین نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے، اس کی سند میں ایک راوی عبد اللہ بن صبہان بن ابو العنبس ہیں، حافظ ابن حجرؒ نقل کرتے ہیں کہ یہ ضعیف ہیں۔ جہاں تک عمل کرنے کی بات ہے، تو چونکہ یہ ایک فروعی مسئلہ ہے، اس لئے جب آپ سعودی عرب میں رہیں، تو جس امام

کے پیچھے نماز پڑھیں اس کی اتباع کرلیں، اس کی گنجائش ہے، البتہ آپ ایک کے بجائے دوسرا سلام بھی پھیرلیں، اور جب خود امامت کریں یا حنفی امام کے پیچھے پڑھیں تو دو سلام پھیریں کہ دلیل کے اعتبار سے یہ رائے زیادہ قوی ہے"۔

فتاوی میں بھی معاملہ فہمی

حضرت الاستاذ آندھرا پردیش کے قاضی شریعت بھی ہیں اور طویل عرصہ سے فصل خصومات کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، اس لیے آپ کے فتاوی میں بھی معاملہ فہمی کی کیفیت اور قوت فیصلہ نمایاں نظر آتی ہے، چنانچہ عورتوں کے لیے بیوٹی پارلر چلانے کے بارے میں ناپسندگی کا اظہار کرتے ہوئے اخیر میں فرماتے ہیں:

"ان امور کی رعایت کے ساتھ اگر پردہ کا پورا اہتمام ہو ،صرف خواتین ہی تزئین کا کام کرتی ہوں ،تو ایک حد تک اس کی گنجائش ہے، لیکن بہتر یہ بھی نہیں ؛ کیوں کہ اس سے اسراف اور تزئین و آرائش میں غلو کا مزاج پیدا ہوتا ہے، جو بہر حال اسلام کے اصل مزاج اور روح کے خلاف ہے، اس لیے میری مسلمان بہنوں سے خواہش ہے کہ وہ بیوٹی پارلر قائم کرنے ، اس میں کام کرنے اور اس کی خدمات سے استفادہ کرنے سے اجتناب کریں کہ آپ کا اصل زیور حیاء ہے اور اس سے بڑھ کر آپ کے لیے زیبائش و آرائش اور جذب وکشش کا کوئی اور سامان نہیں"۔

ایک شخص نے اپنی بیوی کو — جو علالت کی وجہ سے جنسی تعلق کے لائق نہیں تھی — طلاق

دینے یا خلع کرانے یا تو خود دوسری شادی کر لینے کے بارے میں سوال کیا ہے، آپ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

"رشتۂ نکاح اسی لئے ہے کہ آرام کی طرح تکلیف اور سکھ کی طرح دکھ میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ رہیں، اسی لئے بیوی کے بیمار ہونے کی وجہ سے اسے طلاق دے دینا گناہ، غیر اسلامی اور غیر انسانی فعل ہے، اور اس سے زیادہ لائق شرم بات یہ ہے کہ عورت یا اس کے اہل خانہ سے کہا جائے کہ وہ خلع حاصل کر لے، البتہ شوہر کو اپنی ضرورت کے لئے اس بیمار بیوی کے حقوق ادا کرتے ہوئے دوسرا نکاح کرنے کی اجازت ہے، اور اس کے لئے پہلی بیوی سے اجازت یا اس پر اس کا اظہار ضروری نہیں"۔

اسی طرح شہر سے دور ویران مساجد کو عیدگاہ بنا کر محفوظ کر دینے کے مشورہ پر آپ فرماتے ہیں:

"یہ واقعی بہت اہم اور تشویشناک مسئلہ ہے، جو مسجدیں ایسے علاقہ میں واقع ہوں، وہاں سے نسبتاً قریب جو مسلمان رہتے ہوں، انہیں چاہئے کہ اگر وہاں پنج وقتہ نماز نہیں ادا کر سکتے تو کم سے کم دو تین نمازیں ہی اہتمام سے ادا کیا کریں، تاکہ ان مساجد کا تحفظ ہو سکے، یہ تجویز بھی بہت مناسب ہے کہ ایسی مسجدوں میں عید کی نماز ادا کی جائے بلکہ اگر عید اور جمعہ دونوں کا اہتمام ہو جائے تو چنداں دشوار نہ ہوگا، حضرات علمائے کرام اور قائدین ذی احترام سے درخواست کی جاتی

ہے کہ وہ اس مفید و اہم تجویز پر خصوصی توجہ فرمائیں''۔

سوال کا دقت نظر سے مطالعہ

حضرت الاستاذ کا مزاج یہ ہے کہ کسی بھی سوال پر بہت ہی دقت نظر کے ساتھ غور کرتے ہیں، اور سوال پوری طرح سمجھ کر جواب تحریر فرماتے ہیں، مثال کے طور پر ایک سوال اور اس کا جواب ملاحظہ کیا جائے:

سوال: - ''بیرون ملک سے اس کے جواب میں لڑکی کے شوہر نے ایک ٹیلی گرام دیا، وہ یہ ہے کہ:

"Ree ewed Register forget erery this promire erery this will loc O.K send. aughter immediately of Buaree."

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''رجسٹری ملا، سب کچھ بھول جاؤ، سب کچھ وعدہ کرتا ہوں، بیٹی کو جلدی بھیجو، دیکھو، ورنہ طلاق'' یہ ٹیلی گرام آکر زائد از دو سال کا عرصہ ہوا، اب یہ طلاق لڑکی پر عائد ہوئی یا نہیں؟''

جواب:- ''ڈائیورس'' **(Ree ewed)** کا لفظ انگریزی زبان میں طلاق ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس لئے اصول کے مطابق طلاق رجعی مشروط ہوئی، جیسا کہ فقہاء نے ''رہا کردم'' کے الفاظ سے طلاق رجعی واقع کی ہے۔۔۔۔ اب چوں کہ اس ٹیلی گرام کے آنے کے بعد

لڑکی کو اس کے سسرال نہ بھیجا گیا، بلکہ دو سال کا عرصہ گزر چکا ہے، اس لئے یہ طلاق واقع ہوگئی، چوں کہ یہ طلاق رجعی ہے، اس لئے عدت کی تکمیل تک لوٹا لینے اور رجعت کرنے کی گنجائش تھی، عدت تین حیض ہوتی ہے، اگر اس عدت میں شوہر نے نہ لوٹایا ہو، تو طلاق بائن ہوگئی، عورت اس کی بیوی نہیں رہی اور اب رجعت کی گنجائش باقی نہیں رہی"۔

احکام شرعیہ کی حکمت ومصلحت

بعض لوگ حکم شرعی کے بجائے کبھی احکام کی حکمت ومصلحت دریافت کرتے ہیں، اسی طرح بعض حضرات کسی واقعہ کی تحقیق چاہتے ہیں، آپ ایسے سوالات کے بھی تشفی بخش جوابات دیتے ہیں، چنانچہ مری ہوئی مچھلی کے سلسلہ میں سوال کیا گیا کہ یہ بغیر ذبح کے کیوں کر حلال ہوجاتی ہیں؟ حضرت مولانا اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"اول تو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ مری ہوئی مچھلیاں دو طرح کی ہوتی ہیں، ایک وہ جو کسی خارجی سبب کی بناء پر مری ہوں، جیسے: مچھلی کو پانی سے باہر نکال لیا گیا ہو، یا کوئی اور صورت اختیار کی گئی ہو کہ مچھلیاں مرجائیں، ان کا کھانا حلال ہے، دوسرے وہ مچھلی ہے جو طبعی طور پر خود بخود پانی میں مرجائیں، اس کی علامت یہ ہے کہ یہ الٹی ہوکر سطح پر تیرنے لگتی ہے، ایسی مچھلی فقہاء احناف کے نزدیک حلال نہیں، کیوں کہ حضرت جابر بن عبداللہ ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" و ما ألقى البحر أو جزر عنه فكلوه و ما مات فيه وطفا فلا تأكلوه "(سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۳۸۱۵، باب في أكل الطافي من السمك)

" جس مچھلی کو سمندر پھینک دے یا اس حصہ سے ہٹ جائے جہاں مچھلیاں ہیں، تو اسے کھاؤ، اور جو طبعی موت مر کر تیرنے لگے اسے نہ کھاؤ"۔

رہ گئی یہ بات کہ مچھلی ذبح کرنے کی ضرورت نہیں، کسی طرح ماری جائے، اس کا کھانا حلال ہے، تو یہ اس لیے کہ ذبح کا اصل مقصود حیوانات کی رگوں میں پائے جانے والے بہتے ہوئے خون کو جسم سے نکال دینا ہے، مردار جانور میں یہ خون گوشت میں پیوست ہوجاتا ہے، جو انسانی صحت کے لیے نہایت ہی نقصان دہ ہے، مچھلی میں اس طرح کا بہتا ہوا خون نہیں پایا جاتا، اور اس کا گوشت سفید ہوتا ہے، اس لیے ان کے کھانے میں مضرت نہیں، مچھلی کاٹنے کے وقت جو دو چار قطرۂ خون نکل آتا ہے، یہ رگوں کا خون نہیں، بلکہ گوشت کا خون ہے، یہ خون نہ ناپاک ہے اور نہ رگوں میں بہتے ہوئے خون کی طرح نقصان دہ ہے"۔

عبادات سے متعلق شریعت کے احکام ایسے ہیں جن میں حکمت و مصلحت جانے بغیر بے چون و چرا عمل کرنا چاہیے، اس لیے آپ کا مزاج یہی ہے کہ جو کوئی عبادات کی حکمت و مصلحت سے متعلق سوال کرتے ہیں، ان کو پہلے عمل کی ترغیب دیتے ہیں، اس کے بعد اصل مسئلہ کو سمجھاتے ہیں، چنانچہ ایک شخص نے نماز میں سری و جہری کی مصلحت پوچھی تو، اس کے جواب میں آپ

فرماتے ہیں:

''اصل یہ ہے کہ شریعت میں جس بات کا حکم دیا گیا ہے، اس کو بے چون و چرا اور مصلحت و حکمت جانے بغیر ہی ہر مسلمان کو قبول کرنا چاہئے، خاص کر جو احکام عبادات سے متعلق ہیں، ان میں عقل و قیاس کو کوئی دخل نہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کا کوئی حکم حکمت سے خالی ہو، شریعت کا ہر حکم عقل و دانش پر مبنی ہے، لیکن جیسے ہماری نگاہ اور ہماری سماعت کا دائرہ محدود ہے، ہم قریب ہی کی آواز سن سکتے ہیں، اور فرلانگ اور دو فرلانگ کی دوری ہی کو دیکھ سکتے ہیں، اسی طرح ہماری عقل بھی کوتاہ اور محدود ہے، اور وہ مصالح غیبی کو سمجھنے سے عاجز ہے، اس لئے شریعت کی کوئی بات خلاف عقل تو نہیں، لیکن بہت سی باتیں عقل سے ماوراء ضرور ہیں، پس ایسے مسائل میں بے فائدہ تجسس سے اجتناب ہی بہتر ہے۔

ویسے بہ ظاہر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ دن کا وقت شور و شغب کا ہوتا ہے، اور اس میں ذہنی یکسوئی بھی نہیں ہوتی، اس لئے ظہر و عصر کی نماز میں تلاوت آہستہ رکھی گئی، رات کا وقت سکوت و سناٹے اور ذہنی و قلبی یکسوئی اور فراغ کا ہوتا ہے، اس لئے اس وقت بلند آواز میں تلاوت کا حکم دیا گیا، اور فجر کا وقت جو سب سے زیادہ قلبی نشاط کا ہے، اس میں تلاوت بھی طویل رکھی گئی، جن نمازوں میں بڑا اجتماع ہوتا

ہے، یعنی عیدین، جمعہ وغیرہ، ان میں خصوصی طور پر دعوتی نقطۂ نظر سے زور سے قراءت کا حکم دیا گیا، اور شاید اس لئے بھی کہ بڑے مجمع کو پُر سکون رکھنے، اور لوگوں کے خاطر کو جمع رکھنے کی غرض سے بلند آواز ہی مناسب تھی"۔

نصوص کو نقل کرنے کا اہتمام

حضرت الاستاذ کا مزاج یہ ہے کہ جو احکام نصوص پر مبنی ہوں، ان میں نص کو نقل کرنے کا اہتمام کیا جائے، آپ فرماتے ہیں کہ مفتی مقلد کا نصوص کو نقل کرنا براہ راست اجتہاد و استنباط نہیں ہے، بلکہ یہ نقل حکم اور نقل دلیل ہے، اس سے لوگ نصوص سے مربوط رہتے ہیں، جو اصل مقصود ہیں، آپ کے فتاویٰ میں بھی یہ رنگ نمایاں ہے، مثلاً: مساجد میں غیر مسلم کی تولیت سے متعلق سوال کیا گیا تو حضرت مولانا اس کے ناجائز ہونے پر قرآن مجید کے ذریعہ دلائل پیش کئے ہیں:

"جہاں تک مسجد پر غیر مسلم کی تولیت کا مسئلہ ہے تو قرآن نے اس کے نادرست ہونے کی صراحت کردی ہے:

﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ شَاهِدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ﴾ (التوبة :۱۷)

اسی طرح عورت کی خوشبو کے سلسلہ میں سوال کیا گیا، اس کے جواب میں حضرت مولانا فرماتے ہیں:

"عورتیں اپنے شوہروں کے لیے خوشبو استعمال کرسکتی ہیں، اگر شوہر کے علاوہ کوئی اور مجلس کے لیے خوشبو استعمال کرے تو ایسا عطر ہونا چاہئے کہ جس کا رنگ نمایاں اور بو ہلکی ہو"۔

اور اس کو حضرت مولانا احادیث نبوی سے حوالہ دیتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو ایسا ہی عطر استعمال کرنے کی ہدایت فرمائی ہے: "طيب النساء ما ظهر لونه و خفي ريحه" (الجامع للترمذی، عن أبي هريرة ﷺ، حدیث نمبر: ۲۷۸۷)

اگر انجکشن کے ذریعہ خون نکالا جائے، تو کیا وضو ٹوٹ جائے گا، اس سلسلہ میں آپ رقم طراز ہیں:

"خون اگر اتنی مقدار میں باہر آئے کہ وہ بہنے کے درجہ میں نہ ہو، تو وضو نہیں ٹوٹتا، جیسے زخم سے باہر یا چمڑا چھیل دینے سے خون ظاہر ہو، لیکن اپنی جگہ سے آگے بڑھ نہ جائے اور اگر خون اتنی مقدار میں ہو کہ اپنی جگہ سے بہہ پڑے، تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، چنانچہ دار قطنیؒ نے تمیم داری ﷺ سے، اور ابن عدیؒ نے حضرت زید بن ثابت ﷺ سے نقل کیا ہے، کہ بہتا ہوا خون نکلنے سے وضو واجب ہے: "الوضوء من كل دم سائل" (نصب الراية: ۱/۳۷)

فقہاءؒ نے انجکشن سے قریب تر ایک صورت ذکر کی ہے کہ چیچڑی اگر کسی آدمی کو چوسے، اور خون سے بھر جائے، تو چیچڑی چھوٹی ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا، یہی حکم مچھر اور مکھی کے خون چوسنے کا ہے، اور اگر بڑی چیچڑی ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا:

"القراد إذا مص عضو انسان فأمتلأ دما، إن كان صغيرا لاينقض وضوئه ... وإن كان

کبیرا ینقض " (الفتاوی الهندية :۱/۱۱)

اسی طرح وضو کے بعد تولیہ کے استعمال کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

''جب تک جسم سے کوئی ناپاک چیز خارج نہ ہو، یا بالغ آدمی نماز کی حالت میں قہقہہ لگا کر نہ ہنسے، وضو نہیں ٹوٹتا، وضو کرنے کے بعد آئینہ دیکھنے میں کوئی قباحت نہیں اور تولیہ سے بدن پوچھنے میں بھی کچھ حرج نہیں، رسول اللہ ﷺ کا بھی ایک تولیہ تھا، جسے آپ ﷺ غسل وضو کے بعد استعمال فرمایا کرتے تھے، (الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۵۳) البتہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ آپ ﷺ کو وضو کے بعد تولیہ پیش کی گئی اور آپ ﷺ نے قبول نہیں فرمایا، (الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۵۴) اس سے معلوم ہوا کہ دونوں طریقے درست ہیں، کبھی تولیہ استعمال کر لیا جائے، اور کبھی نہ کیا جائے''۔

غرض کے آپ کے فتاوی میں نصوص کو نقل کرنے کا خاص اہتمام ہے اور اسی مجموعہ میں بہت سے مسائل اپنے دلائل کے ساتھ مل جائیں گے۔

زبان واسلوب

شرعی مسائل بیان کرنے میں یہ بھی ضروری ہے کہ کم پڑھے لکھے لوگ بھی جواب کو سمجھ سکیں، کسی اور سے اس کا مطلب پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے، حضرت الاستاذ کے فتاوی میں خصوصیت کے ساتھ س کی رعایت پائی جاتی ہے، چنانچہ قارئین دیکھیں گے کہ اس کتاب میں آپ کی زبان بالکل عام فہم اور اتنی آسان ہے کہ کم پڑھے لکھے آدمی بھی اس کو ایک بار پڑھ لیں تو

فوراً سمجھ جائیں، یہ بات آپ کے ہر فتوی میں نمایاں ہے، چنانچہ ختنہ کے بعد نہلانے سے متعلق سوال کیا گیا کہ ختنہ کے اکیسویں دن میں نہایا جائے گا یا زخم خشک ہونے کے بعد؟ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

''ختنہ کے بعد نہلانے کے لئے کوئی دن متعین کرنا حدیث میں نہیں آیا ہے، ایسا کوئی حکم شریعت میں درست نہیں۔ جب ضرورت محسوس ہو نہلایا جا سکتا ہے، اپنی طرف سے کوئی دن متعین کرنا شریعت کی روح کے خلاف ہے، اس سے اجتناب کریں''

قراءت کی غلطی کے سلسلہ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عربی زبان میں اعراب، یعنی زبر، زیر، پیش کی بڑی اہمیت ہے، اور اکثر اوقات اس سے معنی میں غیر معمولی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے نماز میں خصوصاً اور نماز کے باہر بھی قرآن مجید پڑھنے میں خوب احتیاط کرنی چاہئے، تھوڑی سی محنت اور کوشش کے ذریعہ ایسی غلطیوں سے بچا جا سکتا ہے، تاہم چونکہ اللہ تعالی نے خطأ اور بھول چوک کو معاف فرمایا ہے، اور خاص کر اہل عجم سے ایسی غلطیاں پیش آتی رہتی ہیں، اس لئے فقہاء کی رائے ہے کہ اگر زیر و زبر کی غلطی ہو جائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی:

"ولو قرأ النصب مكان الرفع، والرفع مكان النصب أو الخفض مكان الرفع أو النصب، لا تفسد صلاته" (الفتاوى الهندية ۱/۸۲)

شرعی اور فقہی احکام و مسائل کے علاوہ اس مجموعہ میں ایمان و عقیدہ، رسوم و رواجات، تفسیر آیات اور احادیث کی تحقیق کا بھی ایک اچھا خاصا حصہ آ گیا ہے، اور اس پہلو سے بھی یہ مجموعہ امتیازی حیثیت کا حامل ہے۔

حضرت مولانا کے فتاوی کی جو خصوصیات اس حقیر کو نظر آئیں اور جو اہل علم کے لیے خاص طور پر قابل توجہ ہیں، کا یہاں ذکر کیا گیا ہے، دعاء ہے کہ اللہ تعالی اس کتاب کو اور اس کی جمع ترتیب کے سلسلہ میں اس حقیر کی خدمت قبول فرمائے۔

محمد عبداللہ سلیمان مظاہری
شعبۂ کمپیوٹر المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد
۲۴/ربیع الاول ۱۴۲۶ھ = ۴/مئی ۲۰۰۵ء

کتاب الفتاوی

پہلا حصہ

مقدمہ

از مولف

مقدمہ

فتوی کا مادہ ''ف'' ''ت'' ''ی'' ہے، فتوی اور فُتیا اِفتاء سے ماخوذ ہے، اِفتاء کے معنی کسی امر کو واضح کرنے کے ہیں، " أفتاه في الأمر ، أبانه له " (القاموس المحیط : ص : ۱۷۰۲) فُتیا تو ''ف'' کے پیش کے ساتھ ہی استعمال ہوتا ہے، لیکن فتوی ''ف'' کے ''پیش'' اور ''زبر'' دونوں طریقہ پر استعمال کیا جاتا ہے، (حوالہ سابق) البتہ ''ف'' پر ''زبر'' زیادہ مشہور اور مروّج ہے، اور اہل مدینہ کی لغت بھی یہی ہے۔ "الفتح في الفتوی لأهل المدینة " (لسان العرب : ص: ۳۳۴۸) بلکہ علامہ زبیدی کا رجحان تو اس طرف ہے کہ فُتیا ''ف'' کے پیش کے ساتھ ہونا چاہئے اور فتوی ''ف'' کے زبر کے ساتھ ہی ہونا چاہئے۔ (دیکھئے: تاج العروس : ۳۸/۲۰) —— اِفتاء کے معنی فتوی دینے کے ہیں اور استفتاء کے معنی فتوی طلب کرنے کے ہیں۔

قرآن مجید میں اِفتاء اور استفتاء کے الفاظ مجموعی طور پر گیارہ جگہ استعمال ہوئے ہیں، اور حدیث کی نو مشہور کتب جن کی فہرست سازی "المعجم المفهرس" میں کی گئی ہے، میں بارہ مواقع پر فُتیا کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ (دیکھئے: المعجم المفهرس لألفاظ الحدیث النبوی الشریف)

فتوی کی اصطلاحی تعریف کے سلسلہ میں اہل علم نے مختلف تعبیرات اختیار کی ہیں، بعض لوگوں نے فتوی کی وہی تعریف کی ہے جو اجتہاد کی ہے، کیوں کہ متقدمین کے نزدیک افتاء اور مفتی سے مراد مجتہد ہوا کرتا تھا؛ اسی لیے بہت سے علماء اصول نے اجتہاد وتقلید کی بحث میں افتاء اور استفتاء کے احکام ذکر کئے ہیں، بعد کے فقہاء نے افتاء کی ایسی تعریف کی ہے جس میں بمقابلہ اجتہاد کے عموم پایا جاتا ہے، علامہ قرافی فرماتے ہیں:

"الفتوى إخبار عن الله تبارك و تعالىٰ في إلزام أو إباحة" (كتاب الفروق :۴/۵۳)

''اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی امر کے لازم ہونے یا مباح ہونے کی خبر دینا فتوی ہے''

علامہ بنانیؒ رقمطراز ہیں:

"الإخبار بالحكم من غير إلزام" (حاشية جمع الجوامع :۲/۳۹۷)

''لازم قرار دیے بغیر کسی حکم کی بابت خبر دینے کو فتوی کہتے ہیں''

علامہ حصکفیؒ کی عبارت سے ظاہر ہے کہ حکم کے بارے میں خبر دینے کا نام افتاء ہے:

"... إلا أن المفتي مخبر عن الحكم" (الدر المختار مع الرد :۱/۱۷۶، مقدمه)

فتوی کی اصطلاحی تعریف کے سلسلہ میں چند باتیں ملحوظ رکھنی چاہئیں:

- مفتی کے فتوی کی حیثیت خبر واطلاع کی ہوتی ہے، جیسے قاضی فریقین پر احکام کو لازم قرار دیتا ہے، مفتی مستفتی پر اپنی طرف سے کسی حکم کو لازم نہیں کرتا اور نہ وہ اس کا مجاز ہے۔

- فتوی حکم سے متعلق ایسی اطلاع کو کہتے ہیں جو کسی سوال کے جواب میں ہو، سوال و استفسار کے بغیر اپنی طرف سے حکم شرعی کی رہنمائی کی جائے وہ وعظ وارشاد ہے نہ کہ فتوی۔
- فتوی ایسے سوال کا جواب ہوتا ہے جو پیش آمدہ واقعات سے متعلق ہو، اگر کوئی واقعہ پیش نہیں آیا، بلکہ اس کو فرض کر کے جواب دیا گیا تو یہ تعلیم ہے نہ کہ افتاء، اس طرح فتوی کی جامع تعریف ڈاکٹر شیخ حسین محمد ملاح کے الفاظ میں اس طرح ہوگی:

"الإخبار بحكم الله تعالىٰ عن الوقائع بدليل شرعي لمن سأل عنه" (الفتوى نشأتها و تطورها :۱/۳۹۸)

''پیش آمدہ واقعات کے بارے میں دریافت کرنے والے کو دلیل شرعی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں خبر دینے کو فتوی کہتے ہیں''

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا متقدمین کے نزدیک فتوی خود اجتہاد سے عبارت تھا، چوتھی صدی ہجری کے بعد جب تقلید کا رواج عام ہوا، اور مجتہدین مفقود ہو گئے تو جو لوگ فقہاء کے آراء و اقوال کو نقل کرتے تھے وہی لوگ مفتی کہلانے لگے، اصل میں اس عہد میں عام طور پر نقل فتاوی کا کام ہوتا ہے، اور انہیں کو مفتی کہا جاتا ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ علامہ ابن ہمام کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

"فأما غير المجتهد ممن يحفظ أقوال المجتهد فليس بمفت ، والواجب عليه إذا سئل أن يذكر

قول المجتهد كالإمام على وجه الحكاية، فعرف أن ما يكون في زماننا من فتوى الموجودين ليس بفتوى، بل هو نقل كلام المفتي ليأخذ به المستفتي" (الدر المختار مع الرد :۱/۱۶۸، مقدمة)

"غیر مجتہد جسے مجتہدین کے اقوال یاد ہو وہ مجتہد نہیں ہے، اور اس پر واجب ہے کہ جب سوال کیا جائے تو مجتہد کا قول ذکر کرے، جیسے بطور حکایت کے کہے کہ یہ فلاں امام کا قول ہے، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہمارے زمانہ میں موجودہ لوگ جو فتوی دیتے ہیں وہ درحقیقت فتوی نہیں ہے، بلکہ وہ مفتی کے اقوال کو نقل کرنا ہے تاکہ مستفتی اس پر عمل کریں"

غالباً اسی پس منظر میں مولانا عمیم الاحسان مجددیؒ نے فتوی کی تعریف اس طرح کی ہے:

"تبيين الأحكام الصادرة عن الفقهاء في الوقائع الجزئية" (أدب المفتي :ص ۴۰)

"جزئی واقعات میں فقہاء سے منقول احکام کو بیان کرنے کا نام فتوی ہے"

افتاء اور قضاء

فتوی سے قریبی اصطلاح قضاء کی ہے، کیوں کہ مفتی بھی حکم شرعی کو بیان کرتا ہے اور قاضی بھی، اس لیے اہل علم نے ضرورت محسوس کی کہ قضاء اور افتاء کے درمیان فرق کو واضح کیا جائے، چنانچہ اس سلسلہ میں درج ذیل فرق بیان کیے گئے ہیں:

۱۔　مفتی کسی حکم کے بارے میں خبر دیتا ہے اور قاضی متعلق اشخاص کو اس کا پابند کرتا ہے اور اس پر اس کو لازم قرار دیتا ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"لا فرق بين المفتي و الحاكم إلا أن المفتي مخبر بالحكم و القاضي ملزم به" (شرح عقد رسم المفتي :ص:۲۷، مکتبہ سعیدہ، سہارنپور)

''مفتی اور حاکم (قاضی) کے درمیان کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ مفتی حکم کے بارے میں خبر دیتا ہے اور قاضی اس کو لازم قرار دیتا ہے''

اسی لیے مستفتی پر کسی خاص شخص کا فتوی لازم نہیں ہوتا، اگر وہ چاہے تو وہ اس پر عمل کرے اور چاہے تو کسی دوسرے مفتی سے فتوی لے لے، لیکن قاضی کا فیصلہ اس پر واجب الطاعت ہوتا ہے۔(إعلام الموقعين :۱/۲۶، الاحكام في تمييز الفتاوى من الأحكام للقرافي : ص: ۲۰) اسی لیے اگر کسی معاملہ کے دو فریق میں سے ایک نے کسی مفتی سے رجوع کیا ہو تو اسے اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، لیکن اگر اس نے کسی قاضی سے رجوع کیا ہو تو دوسرے فریق کو بھی اس سے رجوع کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔(دیکھئے: البحر المحيط للزركشي :۶/۳۱۵)

یوں تو قضاء اور افتاء کے درمیان فرق کے اور بھی کئی وجوہ ہیں، لیکن دونوں کے درمیان بنیادی اور جوہری فرق یہی ہے، جس کا علامہ شامیؒ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

۲۔　علامہ حصکفیؒ نے بزازیہ کے حوالہ سے ایک فرق یہ بھی کیا ہے کہ مفتی دیانت اور باطن کے اعتبار سے بھی فتوی دیتا ہے، لیکن قاضی ظاہر کے اعتبار سے ہی فیصلہ کرنے کا مکلف ہے، مثلاً: کسی شخص نے مفتی سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو کہا تھا کہ: ''تو طلاق یافتہ ہے'' ''أنت طالق''، اور کہے کہ میرا مقصد انشاء طلاق نہیں تھا، بلکہ میرا مقصود جھوٹی خبر دینا تھا، تو مفتی طلاق واقع نہ ہونے کا فتوی دے گا، لیکن قاضی وقوع طلاق کا فیصلہ کرے گا۔ (رد

المحتار علی الدر :۴/۳۰۶)

۳۔ علامہ ابن قیمؒ نے ایک فرق یہ بھی لکھا ہے کہ مفتی کے فتوی کی حیثیت عمومی نوعیت کی ہوتی ہے، مستفتی بھی اس پر عمل کرسکتا ہے اور دوسرے لوگ بھی، قاضی کا فیصلہ ایک خاص واقعہ سے متعلق ہوتا ہے، دوسرے واقعات میں بطور خود اس کو جاری نہیں کیا جاسکتا۔ (دیکھئے: إعلام الموقعین :۱/۳۸)

۴۔ افتاء کا دائرہ بمقابلہ قضاء کے وسیع ہے، کیوں کہ قضاء کا تعلق بنیادی طور پر مصالح دنیا سے ہے اور افتاء کا تعلق مصالح دنیا سے بھی ہے اور مصالح آخرت سے بھی، (تهذیب الفروق بهامش الفروق :۴/۹۵) ——اسی لیے فتوی معاملات کے علاوہ عبادات اور آداب وغیرہ کے بارے میں بھی دئے جائیں گے، لیکن مخصوص مواقع کے سوا عبادات جیسے: ''نماز روزہ کا درست ہونا اور نہیں ہونا'' کے بارے میں فیصلہ کرنا قاضی کا کام نہیں۔

۵۔ ایک اہم فرق یہ بھی ہے کہ قاضی کا فیصلہ بہر حال واجب الطاعت ہے خواہ وہ فریقین کے مسلک فقہی کے موافق ہو یا خلاف، اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ قضاء قاضی رافع خلاف ہوتا ہے، یعنی جس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہو، کسی خاص مسئلہ میں جب قاضی فیصلہ کردے تو وہی فریقین کے لیے واجب العمل ہوتا ہے، جبکہ فتوی کا معاملہ اس سے مختلف ہے، اگر مستفتی کسی اور فقہ کا مقلد ہو اور مفتی کسی اور فقہ کا، اور مفتی اپنی فقہ کے مطابق جواب دیدے تو مستفتی کے لیے اس پر عمل کرنا لازم نہیں۔ (دیکھئے: الفتوی نشأتها و تطورها :۱/۴۰۱)

افتاء اور اجتہاد

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، متقدمین کے یہاں مفتی وہی ہوتا تھا جو مجتہد ہوتا تھا؛ اسی لیے اصولیین کی ایک جماعت غیر مجتہد کے لیے فتوی دینے کو جائز ہی نہیں کہتی ہے، (الإحكام في أصول الأحكام :۴/۲۴۱) البتہ متاخرین نے افتاء کے دائرہ کو وسیع کردیا، اور ایسے لوگ جو

خود مجتہد نہ ہوں، لیکن فقہاء کے اجتہادات سے واقف ہوں ان کے لیے بھی فتوی دینے کی گنجائش فراہم کی، یا یوں کہیے کہ فتاوی کی نقل وحکایت کو فتوی سے تعبیر کیا جانے لگا، اس لیے فتوی اور اجتہاد کے درمیان فرق کو بھی پیش نظر رکھنا مناسب ہوگا:

۱۔ افتاء کا تعلق سوال سے ہے، عام طور پر جب کوئی سوال سامنے آتا ہے تو مفتی اس کا جواب دیتا ہے، اجتہاد کے لیے سوال ضروری نہیں ہے، بہت سے ایسے مسائل کے بارے میں بھی اجتہاد کیا جاتا ہے، جن کے بارے میں کوئی سوال نہ کیا گیا ہو، بلکہ جو واقعات ابھی پیش ہی نہ آئے ہوں۔

۲۔ جو قطعی احکام ہیں ان میں اجتہاد کا دخل نہیں، لیکن فتوی احکام قطعیہ کے بارے میں بھی دیا جاتا ہے اور احکام ظنیہ کے بارے میں بھی۔

۳۔ اجتہاد احکام کو دریافت کرنے کا نام ہے اور افتاء دریافت شدہ احکام کو ضرورت مند مستفتی تک پہونچانے کا نام ہے۔

۴۔ اجتہاد کی حیثیت ایک عام کلی کی ہوتی ہے اور فتوی اکثر اوقات کسی خاص واقعہ سے متعلق ہوتا ہے، اسی پس منظر میں مفتی کو مستفتی کی نفسیات اور اس کے ماحول سے واقفیت کی اور بعض مرتبہ اس سے استفسار کی ضرورت پیش آتی ہے، اسی لیے فقہاء نے بعض ابواب جیسے ''ایمان'' وغیرہ کے بارے میں کہا ہے کہ جو اس شہر کا باشندہ ہو یا وہاں کی بول چال اور محاورات سے واقف ہو، اسی کو اس بارے میں فتوی دینا چاہیے، چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"لا يجوز أن يفتي في الأيمان و الإقرار ونحوهما مما يتعلق بالألفاظ إلا أن يكون من أهل البلد اللافظ أو متنزلا منزلتهم في الخبرة بمرادهم من ألفاظهم و عرفهم فيها" (شرح مهذب :۱/۴۶،مقدمه)

''ایمان، اقرار اور اس طرح کے امور جو الفاظ سے متعلق ہیں، میں اسی کے لیے فتوی دینا جائز ہے جو بولنے والے کے اہل شہر میں سے ہو، یا کم سے کم اہل شہر ہی کی طرح ان کی تعبیرات اور بول چال کے عرف سے واقف ہو''

فتاوی کے نام سے مطبوعہ کتابیں

بہت سی کتابیں فتاوی کے نام سے چھپی ہوئی ہیں، جیسے خلاصۃ الفتاوی، فتاوی ابو اللیث سمرقندی، فتاوی ہندیہ اور فتاوی قاضیخان، وغیرہ، عام طور پر لوگوں کو اچنبھا ہوتا ہے کہ ان میں سوال و جواب نہیں لیکن انہیں ''فتاوی'' کا نام دیا گیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ حنفیہ کے یہاں فتاوی اور واقعات کی ایک خاص اصطلاح ہے، اور وہ یہ کہ استناد و اعتبار کے لحاظ سے کتابوں کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے، اول درجہ امام محمدؒ کی چھ کتابوں کا ہے، جنہیں ظاہر روایت کہا جاتا ہے، دوسرا درجہ امام صاحب کے شاگردوں کی تالیفات اور خود امام محمدؒ کی ظاہر روایات کے علاوہ دوسری کتابوں کا ہے، ان کو ''نوادر'' کہتے ہیں، جن احکام کی بابت امام صاحب اور آپ کے تلامذہ کی رائے منقول نہیں ہے، بلکہ بعد کے مشائخ اور اہل علم نے ان میں استنباط و استخراج سے کام لیا ہے، ان مسائل کو فتاوی اور واقعات سے تعبیر کرتے ہیں، ان مشائخ میں ابو عصمہؒ، عصام بن یوسفؒ، محمد بن سماعہؒ، ابو سلیمان جوز جانیؒ، ابراہیم بن رستم مروزیؒ اور بعد کے اہل علم ہیں۔

فتاوی کے نام سے جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں ظاہر روایت اور نوادر کے علاوہ بعد کے مشائخ کے اقوال کو بھی نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، اسی عموم کی وجہ سے ان کو فتاوی کہتے ہیں، گویا یہ ایک الگ اصطلاح ہے، اس سے فتاوی کی اصولی اصطلاح مراد نہیں ہے۔

منصب افتاء کی اہمیت اور کار افتاء کی نزاکت

افتاء کی ذمہ داری بہت ہی نازک ذمہ داری ہے، اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ کی نسبت اپنے آپ کی طرف کی ہے: ﴿ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ﴾ (النساء :۱۲۷) ایک اور موقع پر ارشاد ہے: ﴿ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ﴾ (النساء : ۱۷۶) گویا اللہ تعالیٰ کی ذات خود مفتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے منشاً کی تشریح و توضیح اپنے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کو حوالہ کی: ﴿ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ﴾ (النحل :۴۴) یہ بیان و وضاحت کی ذمہ داری آپ ﷺ کے بعد ہر عہد کے علماء وارباب افتاء کے حصہ میں آئی، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مفتی گویا خود شارع کا نائب ہے، اور اس کی طرف سے احکام شرعیہ میں لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے، اسی لیے علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ مفتی کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ فتویٰ دینے میں وہ کس کا قائم مقام ہے؟

"و ليعلم المفتي عمن ينوب في فتواه" (إعلام الموقعين :۱/۱۱)

اور امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ مفتی اللہ کی جانب سے رائے کا ظہار کرتا ہے :

"المفتي موقع عن الله تعالىٰ" (شرح مهذب : ۱/۴۰، مقدمه)

اسی لیے فتویٰ دینے میں بہت احتیاط کرنی چاہئے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''کہ تم میں جو شخص فتویٰ دینے میں جری ہو وہ دراصل دوزخ پر جری ہے''(سنن الدارمی :۱/۵۷)

ابن ابی لیلی سے منقول ہے:''میں نے ایک سو بیس انصاری صحابہ ؓ کو دیکھا کہ ان میں سے ایک سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ دوسرے کا، دوسرا تیسرے کا حوالہ دیتا اور اسی طرح

ایک دوسرے سے رجوع کرنے کی تلقین کرتا، یہاں تک کہ یہ سوال پھر پہلے شخص کی طرف لوٹ آتا'' (شرح مھذب :۱/۴۰) ان ہی سے منقول ہے کہ صحابہ ؓ کا حال یہ تھا کہ اگر انہیں کوئی حدیث یاد ہوتی تو ان کی خواہش ہوتی کہ ان کے بجائے ان کا بھائی اس روایت کو نقل کردے، اور کسی سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ چاہتا کہ اس کے بجائے اس کا بھائی بتادے، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ اور ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ جو شخص ہر سوال کا جواب دے وہ مجنون ہے، امام ابوحنیفہؒ کہا کرتے تھے کہ اگر علم کے ضائع ہوجانے کا خوف نہ ہوتا تو فتوی نہ دیتا، امام مالکؒ کا حال یہ تھا کہ اڑتالیس مسائل پوچھے گئے تو بتیس کے بارے میں کہہ دیا کہ مجھے اس کا علم نہیں، ایک مسئلہ کے جواب کے بارے میں فرمایا: مجھے معلوم نہیں، عرض کیا گیا، یہ تو آسان اور معمولی مسئلہ ہے، تو آپ غصہ ہوگئے اور فرمایا: علم کی کوئی بات معمولی نہیں، امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ فتوی کی جو صلاحیت اور مطلوبہ استعداد سفیان بن عیینہ میں تھی، میں نے کسی میں نہیں دیکھی، لیکن میں نے ان کو فتوی سے جتنا زیادہ بچتے ہوئے دیکھا کسی کو نہیں دیکھا، اثرم ناقل ہیں کہ میں نے امام احمدؒ کو بہت سے مسائل میں کہتے ہوئے دیکھا ہے: مجھے نہیں معلوم، سفیان ابن عیینہ اور سحنون کہتے ہیں کہ فتوی دینے میں جری وہی ہوسکتا ہے جو کم علم ہو، عطاء بن سائب تابعی ہیں ان کا بیان ہے کہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ ان سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا جاتا تو گفتگو کرتے ہوئے ان پر لرزہ طاری ہوجاتا۔ (ملخص از: شرح مہذب :۱/۴۱-۴۰) اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سلف صالحین افتاء کے سلسلہ میں کس قدر احتیاط برتتے تھے۔

فتوی عہد نبوی ﷺ میں

یہ ظاہر ہے کہ امت میں سب سے پہلے مفتی رسول اللہ ﷺ تھے، علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

"و أول من قام بهذا المنصب الشريف سيد

المرسلین ألخ "(إعلام الموقعین :۱/۱۱)

آپ ﷺ کی شان یہ تھی کہ آپ ﷺ کی ہر بات وحی پر مبنی اور منشأ ربانی کی ترجمان ہوتی تھی: ﴿وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوىٰ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحیٰ ﴾(النجم :۳-۴)نیز ارشاد ہے: ﴿ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوحیٰ اِلَیَّ ﴾ (یونس :۱۵)اس لیے یہ بات تو ظاہر ہے کہ بنیادی طور پر آپ ﷺ کے فتاوی وحی کی بنیاد پر ہوا کرتے تھے،لیکن کیا آپ ﷺ اجتہاد سے بھی فتوی دیتے تھے؟اس سلسلہ میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے،امام مالکؒ،امام شافعیؒ،امام احمدؒ، امام ابو یوسفؒ اور اکثر اصولیین اس کے قائل ہیں کہ آپ ﷺ احکام شرعیہ میں بھی اجتہاد پر مأمور تھے۔(دیکھئے: تیسیر التحریر :۴/۱۸۵،کشف الأسرار للبخاری :۳/۳۸۶) یہی رائے امام رازیؒ اور قاضی بیضاویؒ کی بھی ہے،(دیکھئے:المحصول للرازی :ج۲قسم۳ ص:۹، ونہایۃ السول شرح منہاج الوصول للأسنوی :۳/۲۶۴،منہاج الوصول للبیضاوی :ص:۱۷۶)امام غزالیؒ کے نزدیک بھی یہی راجح ہے،(المستصفی : ۲/۳۵۵)امام سرخسیؒ نے امام ابو حنیفہؒ کے نقطۂ نظر کی اس طرح صراحت کی ہے کہ حضور ﷺ اس بات پر مامور تھے کہ کسی بھی واقعہ میں وحی کا انتظار کریں،اگر انتظار کے باوجود وحی کا نزول نہیں ہوتا تو یہ آپ ﷺ کے لیے رائے اور اجتہاد پر عمل کرنے کی منجانب اللہ اجازت ہوتی،البتہ اگر آپ ﷺ سے اجتہاد میں چوک ہوتی تو من جانب اللہ متوجہ فرمادیا جاتا؛لہذا اگر آپ ﷺ نے کسی امر کی بابت اجتہاد فرمایا ہو اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس پر کوئی تنبیہ نازل نہ ہوئی ہو تو یہ اس اجتہاد کے قطعی ہونے کی علامت ہے۔(دیکھئے:أصول السرخسی :۲/۱۹۶،کشف الأسرار :۳/۳۸۶)

متعدد واقعات میں رسول اللہ ﷺ نے اجتہاد سے کام لیا ہے،آپ ﷺ سے ایک خاتون نے اپنے مرحوم والد کے بارے میں پوچھا جو حج نہیں کر پائے تھے، کہ کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا:اگر تمہارے والد پر قرض ہوتا اور تم اسے ادا

کرتی، تو کیا یہ کافی نہ ہوتا؟ انہوں نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا دَین زیادہ قابل ادائیگی ہے۔ (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۷۳۱۵، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۱۴۸)

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: کوئی روزہ دار بوسہ لے لے، تو کیا اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اگر تم پانی سے کلی کرو اور اسے حرکت دو، تو کیا اس کے پینے والے سمجھے جاؤ گے: " أرأيت لو تمضمضت بماء ثم مججته أكنت شاربه ؟" (سنن أبي داؤد ، حدیث نمبر: ۲۳۸۵) گویا پینے کی تمہید منھ میں پانی ڈالنے پر آپ ﷺ نے جماع کی تمہید بوسہ کو قیاس فرمایا، —— اس لیے صحیح یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان واقعات میں، جن میں وحی نازل نہیں ہوا کرتی تھی اجتہاد فرمایا کرتے تھے اور اجتہاد کی بنیاد پر فیصلے کرتے تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے فتاوی کو علامہ ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین کے (جلد ۴ ص ۲۶۶ تا ۴۱۴) میں جمع کرنے کی کوشش کی ہے، اور مولانا عبدالرحمٰن حیدر آبادی مظاہری نے ''فتاوی الرسول ﷺ'' کے نام سے انہی روایات کی مختصر تشریح کی ہے، جس کا اردو ترجمہ ''فرامین رسول ﷺ'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، یہ ۲۹۷ ارشادات نبوی ﷺ پر مشتمل ہے، افسوس کہ مرتب نے احادیث کی تخریج نہیں کی ہے، بلکہ ابن قیمؒ کے اجمالی حوالوں پر اکتفا کیا ہے، اگر آئندہ ایڈیشن میں احادیث کی تخریج بھی ہو جائے تو اس کی افادیت دو چند ہو جائے گی۔

عہد نبوی ﷺ میں رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی فتوی دیا ہے، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم تو وہ تھے جن کو آپ ﷺ نے کسی جگہ دینی وانتظامی امور کا ذمہ دار بنا کر بھیجا، جیسے: حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ جن مسائل کے بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی صراحت موجود نہیں ہے، وہاں یہ حضرات اپنے اجتہاد اور رائے ہی سے فتوی دیا کرتے تھے، لیکن اس کے علاوہ بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی عہد نبوت میں فتوی دیا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ ان کا یہ عمل آپ ﷺ کی اجازت ہی پر مبنی رہا ہوگا اور یقیناً اس سے ان کی تربیت بھی مقصود ہوگی، چنانچہ قاسم بن محمد بن اَبی بکر سے مروی ہے کہ حضرت ابو

بکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ عہد نبوی ﷺ میں بھی فتوی دیا کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد :۲/ ۲۳۵) سہل ابن اَبی ہثمہ راوی ہیں کہ عہد نبوی ﷺ میں تین مہاجر صحابہ حضرت عمرؓ ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور تین انصاری صحابہ حضرت اُبی بن کعبؓ ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ فتوی دیا کرتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء :۱/ ۴۵۲-۴۵۱) اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ بھی ان لوگوں میں شامل تھے جو حضور ﷺ کے زمانہ میں فتوی دیتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء :۱/ ۸۶) غرض کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی صحابہؓ فتاوی دیتے تھے اور اجتہاد سے کام لیتے تھے، خواہ قاضی ہو یا نہ ہو، اسی کو علامہ آمدی اور ملا محبّ اللہ وغیرہ نے ترجیح دی ہے۔ (الإحکام في أصول الأحکام للآمدی :۴/ ۲۳۵، فواتح الرحموت مع مسلم الثبوت :۲/ ۳۷۵)

عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں

یہ بات ظاہر ہے کہ گو صحابہؓ سب کے سب عدل اور ورع وتقوی کے اعلی معیار پر ہیں، لیکن وہ سب مقامِ افتاء پر فائز نہیں تھے؛ بلکہ ایک محدود تعداد تھی جو فتاوی دیا کرتی تھی، اس میں ایک تو ان کی احتیاط کو دخل ہے، دوسرے صلاحیت اور استعداد میں تفاوت کو، تیسرے تقسیم کار کو، دین اور امت سے متعلق مختلف ذمہ داریاں صحابہ کرامؓ انجام دیتے تھے، تعلیم وتعلم، دعوت وجہاد، انتظام وانصرام اور تربیت وتزکیہ وغیرہ، اسی نسبت سے ایک محدود تعداد علم وتحقیق، اجتہاد واستنباط اور قضاء وافتاء کے کام میں مشغول ہوئی، ان حضرات کو اس زمانہ میں قراء کہا جاتا تھا۔ (دیکھئے: مقدمہ ابن خلدون: ص:۳۵۳، طبع: دار الفکر، بیروت)

علامہ ابن قیمؒ نے تفصیل سے ان کا ذکر کیا ہے، ان کی تحقیق ہے کہ مجموعی طور پر ۱۳۰ سے کچھ زیادہ صحابہؓ اور صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے فتاوی دیئے ہیں، پھر انہوں نے انہیں

تین حصوں میں تقسیم کیا ہے، مکثرین، متوسطین اور مقلین — مکثرین سے مراد وہ صحابہ ﷺ ہیں جنہوں نے کثرت سے فتاوی دیئے ہیں، یہ سات صحابہ ﷺ ہیں: حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ، علامہ ابن حزم کے بقول ان میں سے ہر ایک کے فتاوی اس قدر ہیں کہ اگر انہیں جمع کیا جائے تو ایک ضخیم جلد تیار ہو جائے۔ (اعلام الموقعین :۱/۱۲)--- راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس فہرست میں حضرت ابو ہریرہؓ کا نام بھی آنا چاہئے، بقول بحر العلوم وہ حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی فتوی دیتے تھے اور آپ ﷺ کے بعد بھی۔ (دیکھئے: التراتیب الإدارية للكتابی :۲/۴۱۰)

علامہ ابن قیمؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کے بشمول بیس صحابہ ﷺ کو فتاوی کے اعتبار سے متوسطین میں شمار کیا ہے، جن میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ، حضرت ابو موسی اشعریؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شامل ہیں، مقلین یعنی کم فتوی دینے والے سے وہ لوگ مراد ہیں جن سے دو چار مسائل منقول ہیں، بقول ابن قیم ان تمام حضرات کے فتاوی کو جمع کیا جائے تو ایک مختصر جزء میں آجائے، ابن قیم نے اس سلسلہ میں ایک سو پچیس صحابہ ﷺ اور صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے نام ذکر کئے ہیں جن میں خواتین جنت کی سردار حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، نواسۂ رسول ﷺ حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور اکثر امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن شامل ہیں۔ (اعلام الموقعین :۱/۱۴-۱۳)

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ڈاکٹر رواس قلعجی کو کہ انہوں نے موسوعۂ فقہ کے نام سے صحابہ ﷺ کے فتاوی کو جمع کرنے کا بہت ہی مبارک اور مسعود کام شروع کیا ہے اور اب تک حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور متعدد صحابہ ﷺ کے فتاوی ان کے ذریعہ جمع ہو گئے ہیں، اسی طرح شیخ ابو عبداللہ سید بن کسروی بن حسن کی "موسوعة آثار الصحابة ﷺ" بھی

ایک بڑا کارنامہ ہے، جس میں تمام صحابہ ﷺ کے فتاوی کا احاطہ کرنے کی سعی کی گئی ہے، یہ بڑی محمود اور قابل تعریف کاوشیں ہیں، جن کے ذریعہ موجودہ عہد کے اہل علم کو صحابۂ کرام ﷺ کے فتاوی اور اجتہادات سے استفادہ کا موقع ملے گا، اور سلف سے علمی رابطہ زیادہ بہتر طور پر استوار ہوسکے گا، خاص کر فقہ حنفی اور فقہ مالکی جس میں صحابہ ﷺ کے فتاوی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، کے لیے صحابہ ﷺ کے فتاوی اور آثار کی ترتیب خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔

تابعین اور تبع تابعین کے عہد میں

صحابہ ﷺ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا دور فقہ وفتاوی میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے، ائمہ مجتہدین اور بعد کے فقہاء نے ان فتاوی سے خاص طور پر استفادہ کیا ہے، مکہ میں امام مجاہدؒ، عکرمہؒ اور عطاء بن ابی رباحؒ، فقہاء مدینہ میں سعید بن المسیبؒ، عروہ بن زبیرؒ، قاسم بن محمدؒ، سلیمان بن یسارؒ، نافعؒ، ابن شہاب زہریؒ اور عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہؒ (شاگردہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) فقہاء کوفہ میں علقمہ نخعیؒ، مسروق ہمدانیؒ، ابراہیم نخعیؒ، عامر شعبیؒ، حماد بن سلیمانؒ، فقہاء بصرہ میں مسلم بن یسارؒ، حسن بصریؒ، محمد بن سیرینؒ، قتادہؒ، یمن میں طاؤسؒ، شام میں ابوادریس خولانیؒ، ابن ذویبؒ، دمشق میں رجاء بن حیوۃؒ اور مکحولؒ دمشق اور مصر میں یزید بن حبیبؒ اور عمرو بن حارثؒ کے فتاوی کو خاص شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔

عہد زریں

دوسری صدی ہجری فقہ وفتاوی اور اجتہاد واستنباط کے لحاظ سے سب سے زریں دور کہلانے کا مستحق ہے، جس میں ایسے ائمہ مجتہدین پیدا ہوئے جنہوں نے فقہ وفتاوی کا نہایت ہی نمایاں کارنامہ انجام دیا، اور ایک بڑے گروہ نے ان کی اتباع وپیروی اور اقتداء وتقلید کا راستہ اختیار کیا، انہیں میں امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اہل سنت کے چاروں

ائمہ مجتہدین ہیں جن کی فقہ کو امت کے سواد اعظم نے اپنی چشم محبت کا سرمہ بنایا، پھر امام اہل شام امام عبدالرحمٰن اوزاعیؒ اور امام اہل مصر امام لیث بن سعدؒ، محمد بن عبدالرحمٰن ابن ابی لیلی قاضی کوفہ، کوفہ کے ایک اور فقیہ سفیان ثوریؒ (۹-۱۶۱ھ) بھی اسی دور کے فقہاء اور ارباب افتاء میں سے ہیں، امام زید بن علیؒ (۸۰-۱۲۲ھ) جن کی فقہ کو زیدیہ نے اختیار کیا، امام جعفر صادق (۸۰-۱۴۸ھ) جن کی طرف شیعہ امامیہ اپنی فقہ کی نسبت کرتے ہیں، بھی اسی عہد سے تعلق رکھتے ہیں، دوسری صدی ہجری کے بعد اصحاب ظواہر کے سرخیل امام داؤد بن علی اصبہانی (۲۰۲-۲۷۰ھ) نے ایک نئے دبستان فقہ کی بنیاد رکھی، اور چوتھی پانچویں صدی ہجری میں علامہ ابن حزم ظاہری (۳۸۴-۴۵۶ھ) اس دبستان فقہ کے سب سے بڑے ترجمان بن کر ابھرے، لیکن عملاً ائمہ اربعہ، امام جعفر صادق اور زید بن علی ہی کی فقہ باقی رہی، دوسرے مکاتب فقہ دوسری صدی ہجری سے پانچویں صدی ہجری تک معدوم ہو کر رہ گئے۔

تراجم فقہاء پر کتابیں

اس کے بعد مختلف دبستان فقہ میں فقہاء اور ارباب افتاء کا ظہور ہوتا رہا، جنہوں نے صاحب مذہب کی آراء کو نقل کرنے اور ان کی تشریح و توضیح کرنے پر خصوصی توجہ دی، اور جو نئے مسائل پیش آئے ان میں تخریج و استنباط سے کام لیا، ان فقہاء و مفتیان کا تذکرہ ان کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے جن کو "طبقات فقہاء" کے نام سے مرتب کیا گیا ہے، چنانچہ مختلف فقہ سے متعلق شخصیات کے تذکرہ پر مشتمل معروف کتابیں حسب ذیل ہیں:

طبقات الفقهاء (تمام فقہاء)	امام ابواسحاق شیرازی	(م:۴۷۶ھ)
الجواهر المضية (حنفیہ)	علامہ محی الدین عبدالقادر قریشی	(م:۷۷۵ھ)
تاج التراجم	حافظ قاسم بن قطلوبغا	(م:۸۷۹ھ)
الطبقات السنية	علامہ تقی الدین غزی	(م:۱۰۰۵ھ)

الفوائد البهية	مولانا عبدالحی فرنگی محلی	(م:۱۳۰۴ھ)
ترتيب المدارك (مالکیہ)	قاضی عیاض مالکی	(م:۵۴۴ھ)
الديباج المذهب	برہان الدین ابراہیم بن فرحون مالکی	(م:۷۹۹ھ)
توشيح الديباج	علامہ بدرالدین قرافی	(م:۹۶۴ھ)
اليواقيت الثمينه	علامہ محمد البشیر ازہری	(م:۱۳۲۹ھ)
شجرة النور الزكية في طبقات المالكية	شیخ محمد بن محمد مخلوف	(م:۱۳۶۰ھ)
طبقات الشافعية الكبرى (شوافع)	امام تاج الدین عبدالوہاب سبکی	(م:۷۷۱ھ)
طبقات الشافعية	شیخ ابوعاصم عبادی	(م:۴۵۸ھ)
	شیخ جمال الدین اسنوی	(م:۷۷۲ھ)
	ابوبکر بن احمد دمشقی	(م:۸۵۱ھ)
طبقات الحنابلة (حنابلہ)	قاضی ابوحسین محمد بن فراء	(م:۵۲۷ھ)
ذيل على طبقات الحنابلة	حافظ ابن رجب حنبلی	(م:۷۹۵ھ)
المقصد الأرشد	علامہ برہان الدین ابراہیم بن مفلح	(م:۸۸۴ھ)
الجوهر المنضد	علامہ یوسف بن حسن دمشقی	(م:۹۰۹ھ)
المنهج الأحمد	ابوالیمن مجیرالدین علیمی	(م:۹۲۸ھ)
السخت الأكمل	علامہ محمد کمال الدین غزی	(م:۱۲۱۴ھ)

فقہ حنفی میں طبقات ومدارج

مختلف دبستان فقہ میں اس فقہ سے متعلق شخصیتوں کی درجہ بندی اوران کے مقام ومرتبہ کی تعیین کے لیے، فقہاء کومختلف طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے، حنفیہ کے یہاں مشہور تقسیم وہ ہے جو

ابن کمال پاشاہ کی طرف منسوب ہے:

۱)	مجتہدین فی الشرع	جو احکام میں اجتہاد بھی کرتے ہیں، اور اجتہاد واستنباط کے لیے خود اپنے اصول وقواعد وضع کرتے ہیں، جیسے: ائمہ اربعہ، سفیان ثوری، لیث بن سعد وغیرہ --- ان کو مجتہد مطلق بھی کہا جاتا ہے۔
۲)	مجتہدین فی المذہب	جو مجتہدین فی الشرع کے مقرر کئے ہوئے اصول کی روشنی میں خود اجتہاد کرتے ہیں، گویا وہ فروع میں مجتہد ہوتے ہیں اور اصول میں مقلد، جیسے: امام ابو یوسف، امام محمد۔
۳)	مجتہدین فی المسائل	جو فقہاء ان مسائل میں اجتہاد کرتے ہیں جن میں صاحب مذہب سے کوئی رائے منقول نہ ہو، جیسے: ابوبکر خصاف، امام ابوجعفر طحاوی، امام کرخی وغیرہ۔
۴)	اصحاب تخریج	یہ مقلد ہوتے اور اجتہاد کی صلاحیت سے عاری ہوتے ہیں، لیکن ایسا قول جس میں دو پہلو ہوسکتا ہو، اور صاحب مذہب سے اسی طرح منقول ہو، وہ دوسری نظائر کو سامنے رکھ کر ایک پہلو کی تعیین کرتے ہیں، امام ابو بکر جصاص رازی وغیرہ کو اس زمرہ میں رکھا گیا ہے۔
۵)	اصحاب ترجیح	جن مسائل میں اصحاب مذہب سے ایک سے

	زیادہ رائے منقول ہو ان میں ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح دیتے ہیں، امام قدوری اور صاحب ہدایہ وغیرہ کو ابن کمال پاشاہ نے اسی زمرہ میں رکھا ہے۔
(۶) اصحاب تمییز	وہ مقلدین جو کتابوں سے مراجعت کر کے قوی وضعیف، ظاہر روایت اور نوادر وغیرہ کا فرق جان سکتے ہیں، جیسے صاحب کنز، تاج الشریعہ وغیرہ، ---- یہ حضرات اپنی کتابوں میں ضعیف اور نامعتبر اقوال نقل نہیں کرتے۔
(۷) عام مقلدین	یعنی وہ لوگ جو معتبر و نامعتبر روایات میں فرق کرنے سے قاصر اور مذہب کی ترجیحات سے ناواقف ہوں۔

فقہاء حنفیہ کے یہاں یہی تقسیم معروف ہے، لیکن اول تو ابن کمال پاشاہ نے جو تقسیم کی ہے، وہ خود محل نظر ہے، دوسرے اس تقسیم کی بنیاد پر شخصیتوں کی جو درجہ بندی کی ہے، وہ اس سے زیادہ محل نظر ہے، امام ابوبکر جصاص رازی، امام کرخی، صاحب ہدایہ وغیرہ کو مقلد محض اور صلاحیت اجتہاد سے بالکل عاری قرار دینا اور صاحبین کا اصول میں امام ابوحنیفہ کا بتام وکمال مقلد کہنا بہت ہی قابل غور ہے۔

موجودہ دور میں کار افتاء

ان تفصیلات کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ موجودہ دور میں جو لوگ منصب افتاء پر فائز ہیں وہ اپنی صلاحیت اور استعداد کے اعتبار سے تین طرح کے کام انجام دے رہے ہیں:

۱۔ تخریج۔ یعنی جس مسائل کے بارے میں فقہاء کی رائے منقول نہیں ہے، اور وہ اِس دور کے پیدا ہونے والے مسائل ہیں، فقہاء کے مقرر کئے ہوئے اصول وقواعد کی روشنی میں ان کے بارے میں رائے قائم کرنا، کیوں کہ ہر عہد میں نئے مسائل پیدا ہوتے رہیں گے، جن کا شرعی حکم متعین کرنا علماء کی ذمہ داری ہے، اور یہ شریعت اسلامی کے ابدی ہونے کا لازمی تقاضا ہے۔

۲۔ ترجیح۔ یوں تو بعد کے فقہاء نے متقدمین کی اختلافی آراء کے بارے میں ترجیحات متعین کردی ہیں، لیکن ترجیح کی ایک اساس یہ ہے کہ کوئی رائے اپنے عہد کے عرف اور اس زمانہ کے مصالح پر مبنی ہو ایسے مسائل کے بارے میں اپنے عہد کے حالات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا، اس کے لیے بعض اوقات ایک فقہ سے دوسری فقہ کی طرف عدول بھی کرنا پڑتا ہے، لیکن یہ حقیقت میں عدول نہیں ہے، عدول وہ اختلاف ہے جو دلیل و برہان پر مبنی ہو، کسی خاص رائے کو تقاضاءِ عصر وزمان کے تحت اختیار کیا جائے تو یہ حقیقت میں عدول نہیں، اور علامہ شامیؒ وغیرہ نے مختلف مقامات پر اس سلسلہ میں اشارہ کیا ہے۔

۳۔ نقل فتوی۔ تیسرا کام یہ ہے کہ جس فقہ کا مقلد ہو، اس فقہ کے مطابق جوابات نقل کردیئے جائیں۔

موجودہ دور میں اربابِ افتاء یہ تینوں طرح کے کام کررہے ہیں، لیکن بہتر صورت یہ ہے کہ پہلی دونوں ذمہ داریاں انفرادی طور پر انجام دینے کے بجائے اجتماعی طور پر انجام دی جائیں، چنانچہ اسی لیے آج کل فقہی مجامع (فقہی اکیڈمیوں) کی تشکیل عمل میں آئی ہے، اور یہ عالم اسلام میں بھی اور خود ہندوستان میں بھی بڑی مفید خدمات انجام دے رہی ہیں۔

عالم عرب اور فتاوی کے مجموعے

فتاوی کے مجموعوں کی ترتیب کا جو مزاج اس دور میں پایا جاتا ہے اور خاص طور سے علماء ہند

میں، پچھلے دور میں اس کا رواج کم تھا، لیکن پھر بھی بہت سے بزرگوں کے فتاوی اور جوابات کا مجموعہ ہمیں ملتا ہے، چنانچہ " المدونة "کوفقہ مالکی میں اسی طرز پر جمع کیا گیا ہے، کہ امام مالکؒ کے تلامذہ سے سوالات کئے گئے ہیں اور سوال و جواب کو مرتب کر دیا گیا ہے، اسی طرح علامہ ابن صلاح کے فتاوی مشہور ہیں جو عبدالمعطی اٗمین قلعجی کی تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں، امام نوویؒ کے فتاوی کو ابن عطار نے " المنثورات في عيون المسائل المهمات " کے عنوان سے مرتب کیا ہے، اور مولانا محمد رحمت اللہ ندوی کی تحقیق اور دراسہ کے ساتھ یہ مجموعہ حال ہی میں شائع ہو چکا ہے، شیخ احمد علیش مالکی کے فتاوی " تبصرة الحكام " کے حاشیہ پر ایک زمانہ سے شائع شدہ ہے، علامہ ابن نجیم مصریؒ کے فتاوی بھی فتاوی غیاثیہ کے ساتھ طبع شدہ ہیں، اس طرح کے بہت سے فتاوی متقدمین اور متاخرین کے دور میں پائے جاتے ہیں، اس سلسلہ میں سب سے مفصل اور مدلل فتاوی وہ ہیں جو علامہ ابن تیمیہؒ کے افادات ہیں، اور جنہیں ۳۷ جلدوں میں مجموعہ فتاوی ابن تیمیہؒ کے نام سے حکومت سعودیہ عرب نے شائع کیا ہے، یہ عقیدہ کلام، تفسیر وحدیث، فقہ اسلامی اور تزکیہ وترہیب کے موضوع پر ایک زبردست انسائیکلوپیڈیا ہے، لیکن اس مجموعہ میں فتاوی کے علاوہ علامہ ابن تیمیہؒ کے رسائل اور تالیفات بھی شامل ہیں —— اور یہ بھی اہل علم کے لیے محتاج اظہار نہیں کہ علامہ ابن تیمیہؒ ہیں تو فقہ حنبلی کے متبع، لیکن مقلد محض نہیں ہیں، اور بہت سے مسائل میں اپنی مجتہدانہ رائے رکھتے ہیں۔

ماضی قریب میں عالم عرب کے جن اہل علم کے فتاوی مرتب ہوئے اور ان کو خاص مقبولیت حاصل ہوئی، ان میں شیخ شلتوت کے فتاوی کو خاص اہمیت حاصل ہے، اور انہوں نے نئے مسائل پر خاص طور سے روشنی ڈالی ہے، اسی طرح شیخ جاد الحق سابق شیخ الازہر کے اہم فتاوی بھی "بحوث وفتاوی اسلامیہ فی قضایا معاصرہ" کے نام سے تین جلدوں میں طبع ہو چکے ہیں، اسی طرح سلفی مکتبۂ فکر کے ترجمان شیخ عبداللہ بن باز کے فتاوی بھی طبع ہو چکے ہیں، پچھلے دنوں نئے مسائل سے متعلق ڈاکٹر یوسف قرضاوی کے فتاوی کی دو جلدیں " فتاوی

معاصرة" کے نام سے منظر عام پر آچکی ہیں، اس طرح کے بعض اور فتاوی بھی عالم عرب کے فقہاء کے منظر عام پر آئے ہیں۔

ادھر ایک بہتر رجحان بعض عرب ملکوں میں انفرادی فتاوی کے بجائے اجتماعی طور پر فتوی صادر کرنے کا شروع ہوا ہے، اس سلسلہ میں سعودی عرب میں "هيئة كبار العلماء" اور کویت میں "اللجنة الدائمة للإفتاء و البحوث" خصوصیت سے قابل ذکر ہیں اور ان کے فتاوی کا مجموعے شائع بھی ہو رہے ہیں۔

برصغیر میں فتاوی کی کاوشیں

برصغیر میں بھی فتوی نویسی کے کام اور فتاوی کے مجموعوں کی ترتیب کی تاریخ بہت قدیم ہے، اس سلسلہ میں غالبا پہلا نام حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ (م ۱۱۵۹ھ) کے ''فتاوی عزیزی'' کا لیا جاسکتا ہے، اس کی اصل زبان فارسی ہے، اور اردو میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے، شاہ صاحب کے فتاوی جو رد بدعت پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے، فارسی ہی زبان میں مشہور محقق حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کے فتاوی ہیں جو خلاصہ الفتاوی (مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ) کے حاشیہ پر شائع شدہ ہے، مولانا خورشید عالم صاحب استاذ حدیث دار العلوم دیو بند نے نئی ترتیب وتبویب کے ساتھ آسان اور سلیس اردو میں اس کا ترجمہ کیا ہے، جو فتاوی عبدالحی کے نام سے شائع پذیر ہو چکا ہے، اور نو سو مسائل پر مشتمل ہے، اردو فتاوی میں مولانا شاہ عبد الوھاب قادری ویلوری (۱۲۴۷-۱۳۳۷ھ) کے فتاوی کا مجموعہ ''فتاوی باقیات صالحات'' کے نام سے شائع ہوا ہے، جس میں تقریبا چار سو مسائل شامل ہیں، اس میں کچھ فتاوی آپ کے جانشین ضیاء الدین محمد صاحب کے بھی ہیں، یہ بات قابل ذکر ہے کہ شاہ عبدالوھاب صاحب کے فتاوی میں رد بدعت پر خاص توجہ ہے۔

فرنگی محلؒ اپنے علمی اور فقہی کاموں کی وجہ سے ایک مشہور عالم خانوادہ ہے، یہاں ایک

طویل عرصہ تک مفتی محمد عبدالقادر (م:۱۳۷۹ھ) نے افتاء کے فرائض انجام دیئے ہیں، ان کے فتاوی ''فتاوی فرنگی محل موسوم بفتاوی قادریہ'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں، یہ ۲۴۶ صفحات پر مشتمل ہیں، اور مفتی محمد رضا انصاری نے اسے مرتب کیا ہے ــــ جنوبی ہند کے فتاوی میں مفتی محمد رحیم الدین صاحب کے فتاوی ''فتاوی صدارت العالیہ''، اور مفتی محمد رکن الدین صاحب کے فتاوی ''فتاوی نظامیہ'' کے نام سے طبع ہو چکے ہیں، یہ دونوں ہی مجموعے مسائل کی توضیح اور حوالہ جات کے اہتمام کے اعتبار سے خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

بریلوی مکتبۂ فکر کے مؤسس مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے فتاوی کا مجموعہ "العطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة" کے نام سے ۱۲ ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، صاحب فتاوی کے بہت سے رسائل بھی شامل ہیں، لیکن افسوس کہ بدعات کی تائید بلکہ اختراع اور مسلمانوں کی تکفیر میں مصنف کا قلم شمشیر بے نیام رہتا ہے۔

اہل حدیث مکتبۂ فکر کے بھی کئی فتاوی اردو زبان میں شائع ہوئے ہیں، جن میں شاہ محمد نذیر حسین محدث دہلوی کے فتاوی ''فتاوی نذیریہ'' (۲ جلدیں) مولانا ثناء اللہ امرتسری کے ''فتاوی ثنائیہ'' اور مولانا عبدالسلام بستوی کے ''اسلامی فتاوی'' کے نام سے طبع ہو چکے ہیں، ان فتاوی میں احناف اور غیر مقلدین کے درمیان اختلافی فروعی مسائل کو زیادہ مرکز توجہ بنایا گیا ہے، علماء اہل حدیث ہی میں نواب صدیق حسن صاحب کے فتاوی بھی ہیں جو دو مختصر جلدوں پر اور ۱۳۲ صفحات پر مشتمل ہیں، اور اس میں بھی سلفی فکر اور لب ولہجہ کی پوری پوری نمائندگی ہے۔

اردو فتاوی میں سب سے نمایاں حصہ علماء دیوبند کا ہے، دیوبند کے سرپرستوں میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۲۴۴-۱۳۲۳ھ) کے فتاوی کا مجموعہ ''فتاوی رشیدیہ'' کے نام سے ایک جلد میں شائع ہو چکا ہے، محبی فی اللہ محترم جناب مولانا نور الحسن کاندھلوی زید مجدہ نے مولانا گنگوہی کے غیر مطبوعہ فتاوی کی ایک مناسب تعداد حاصل کی ہے، جسے وہ مستقل مجموعہ کی شکل میں شائع کرنے والے ہیں، راقم الحروف کو بھی اسے دیکھنے کا موقع ملا ہے، امید ہے کہ یہ

مجموعہ کم وکیف دونوں اعتبار سے پہلے مجموعہ سے بڑھ کر ہوگا۔

علماء دیو بند میں ایک اہم شخصیت حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری (۱۲۶۹-۱۳۴۶ھ) کی ہے، ان کے فتاوی اور فقہی نگارشات کا مجموعہ ایک جلد میں ''فتاوی مظاہر علوم'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اس مجموعہ میں آپ کا مشہور رسالہ ''المہند'' (جو علماء دیو بند پر بعض الزامات کے جواب میں ہے) کا اردو ترجمہ بھی شامل ہے، اسے مولانا سید خالد سہارنپوری نے شائع کیا ہے۔

اردو فتاوی میں بہت ہی امتیازی شان کا حامل مجموعہ ''امداد الفتاوی'' ہے، جو حضرت مولانا اشرف علیؒ تھانوی (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) جیسے فقیہ کے فتاوی پر مشتمل ہے، یہ ضخیم جلدوں میں ہے، جسے حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب نے مرتب فرمایا ہے، اور اس کے کچھ حصہ پر مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری استاذ دارالعلوم دیو بند نے اپنے مفید حواشی بھی لکھے ہیں۔

علم وتحقیق اور سیاسی فہم وبصیرت کے اعتبار سے بیسویں صدی کی ایک اہم شخصیت حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ صاحب دہلوی (م:۱۳۷۲ھ) ہیں، آپ کے فتاوی کا مجموعہ آپ کے صاحبزادے مولانا حفیظ الرحمن واصف مرحوم کی ترتیب وتبویب کے ساتھ ''کفایت المفتی'' کے نام سے نو جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، زمانہ آگہی، اپنے عصر اور عہد کے حالات کی رعایت اور شستہ وشگفتہ زبان وتعبیر آپ کا خاص امتیاز ہے، اس مجموعہ کی فہرست اجمالی تھی اس لیے لوگوں کو استفادہ میں بہت دشواری پیش آتی تھی، اللہ جزائے خیر دے مولانا عبد القیوم (استاذ جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل) کو کہ انہوں نے اس کی تفصیلی فہرست تیار کر دی ہے، اور اس کتاب سے استفادہ کو آسان کر دیا ہے۔

دارالعلوم دیو بند کے پہلے مفتی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی کے پندرہ سو (۱۵۰۰) فتاوی (جو آپ نے ۱۳۲۹ تا ۱۳۴۴ھ کے دوران لکھے تھے) کا مجموعہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے ''عزیز الفتاوی'' کے نام سے ترتیب دیا تھا، جو ایک جلد میں ہے، حضرت مولانا محمد مفتی شفیع صاحب نے بہت پہلے اپنے فتاوی کا ایک مجموعہ خود ہی مرتب فرمایا تھا، جو ایک ہزار سے زیادہ

صفحات پر مشتمل ہے، اس میں ایک باب ''اختیار الصواب'' کا بھی ہے، جن میں آپ نے اپنے ان فتاوی کا ذکر کیا ہے جن سے آپ نے رجوع کرلیا ہے، گہری فقہی بصیرت اور وسیع نظر کے ساتھ ساتھ آسان نویسی آپ کے فتاوی اور قلم کی خصوصیت ہے، آپ نے اس مجموعہ کا نام ''امداد المفتین'' رکھا ہے، مفتی محمد شفیع صاحب نے بہت پہلے ''عزیز الفتاوی'' اور ''امداد المفتین'' کے مجموعہ کو دو جلدوں میں ''فتاوی دارالعلوم دیوبند'' کے نام سے شائع کیا تھا — مفتی صاحب کے وہ ہزاروں فتاوی جو آپ نے پاکستان میں دیئے ہیں کی ترتیب وتحقیق کا کام آپ کے نامور فرزندان حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی کی نگرانی میں ہو رہا ہے، امید ہے کہ جب فتاوی کا یہ مجموعہ مرتب ہو کر منظر عام پر آئے گا تو نہ صرف عام مسلمانوں بلکہ اہل علم کے لیے بھی ایک قیمتی تحفہ ہوگا۔

اردو فتاوی میں ایک اہم مجموعہ ''امداد الاحکام'' ہے، جو تقریباً سوا دو ہزار فتاوی پر مشتمل ہے، یہ مشہور محدث حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی کے فتاوی ہیں، جو مولانا محمد رفیع عثمانی کی ترتیب اور مقدمہ کے ساتھ تین جلدوں میں شائع ہوا ہے، اس میں بعض فتاوی خود حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بھی ہیں، یہ فتاوی علم وتحقیق کے اعتبار سے پوری طرح حضرت تھانویؒ کا رنگ لیے ہوئے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کا دارالافتاء اپنی قدامت، تسلسل اور مرجعیت کے اعتبار سے ملک کا سب سے ممتاز دارالافتاء ہے، اور یہاں سے جتنی بڑی تعداد میں فتاوی صادر ہوئے ہیں اور ہوتے رہے ہیں اس کی شاید ہی کوئی نظیر ہو، چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے عہد اہتمام میں ''فتاوی دارالعلوم'' کی ترتیب کا باقاعدہ کام شروع ہوا اور یہ ذمہ داری ایک صاحب نظر عالم اور صاحب افتاء حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی مدظلہ سے متعلق کی گئی، مفتی صاحب نے مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے فتاوی کو مرتب کرنا شروع کیا، جس کی اب تک تیرہ جلدیں آچکی ہیں، یہ فتاوی کا ایک وسیع مجموعہ ہے، اور اگر دارالعلوم کے تمام فتاوی اسی طرح مرتب ہو جائیں تو

یہ ایک وسیع فقہی انسائیکلو پیڈیا بن جائے گی۔

مولانا مفتی محمد یاسین مبارکپوری (۱۳۰۴-۱۳۲۵ھ) جامعہ احیاء العلوم مبارکپور میں افتاء کا فریضہ انجام دیا کرتے تھے، مفتی جمیل احمد نذیری صاحب نے آپ کے فتاوی کا انتخاب ''فتاوی احیاء العلوم'' کے نام سے مرتب کیا ہے، اس میں رد بدعت پر بعض تحقیقی جوابات شامل ہیں۔

ماضی قریب میں امت نے جن بزرگوں کی محرومی کا زخم کھایا ہے ان میں ایک مشہور عالم مفتی عبدالرحیم لاجپوری (۱۳۲۱-۱۴۲۲ھ) ہیں، جن کے فتاوی ''فتاوی رحیمیہ'' کے نام سے ۱۲ جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں، آپ کے فتاوی کافی شرح وبسط اور تحقیق پر مبنی ہوتے ہیں، اور اکابر علماء نے ان فتاوی کی تحسین کی ہے، یہ مجموعہ اردو کے علاوہ انگریزی اور گجراتی زبانوں میں بھی طبع ہو چکا ہے، چوں کہ مصنفؒ نے اپنی زندگی میں فتاوی مرتب کیے ہیں، اس لیے ایک ہی باب مختلف جلدوں میں آیا ہے، گو مسائل میں تکرار نہیں ہے، اللہ جزائے خیر دے مفتی عبدالقیوم صاحب (ڈابھیل) کو، کہ انہوں نے فقہی ابواب کے اعتبار سے ایک تفصیلی فہرست مستقل ایک جلد میں مرتب کر دی ہے، جس نے فتاوی رحیمیہ سے استفادہ کو آسان کر دیا ہے۔

حلقۂ دیوبند کے جو فتاوی شائع ہوئے ہیں ان میں استاذ گرامی حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ کے ''منتخبات نظام الفتاوی'' خصوصی اہمیت کی حامل ہے، یہ آپ کے ہزاروں فتاوی میں سے خود آپ ہی کا انتخاب ہے، جس کی دو جلدیں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا سے طبع ہو چکی ہیں، اور تیسری جلد زیر طبع ہے، مفتی صاحب کے فتاوی کا ایک اور مجموعہ بھی ''نظام الفتاوی'' کے نام سے طبع ہو رہا ہے، لیکن مسائل کی تکرار، ترتیب میں نقص اور حوالہ جات وحواشی کے فقدان کی وجہ سے منتخبات کی اشاعت کے بعد اس کی طباعت بے معنی معلوم ہوتی ہے۔

حضرت تھانوی اور ان کے تلامذہ کے بعد جو فتاوی شائع ہوئے ہیں، ان میں علم وتحقیق کے معیار کے اعتبار سے فتاوی کا سب سے اہم مجموعہ ''احسن الفتاوی'' ہے، جس کی آٹھ جلدیں

آچکی ہیں، یہ فتاوی شرح وتحقیق، نئے مسائل پر گفتگو اور بعض اختلافی مسائل میں سیر حاصل بحث، نیز فرق باطلہ پر مدلل رد کے اعتبار سے ایک اہم ترین مجموعہ ہے، اس مجموعہ میں کئی اہم فقہی رسائل بھی شامل اشاعت ہیں۔

حضرت الاستاذ حضرت مولانا محمود حسن گنگوہیؒ وسعت نظر اور عمق کے اعتبار سے اپنے معاصر علماء میں امتیازی حیثیت کے حامل تھے، انہوں نے طویل عرصہ دار العلوم دیو بند اور مظاہر العلوم سہار نپور میں افتاء کا فریضہ انجام دیا ہے، آپ کے فتاوی کا مجموعہ ''فتاوی محمودیہ'' کے نام سے ۲۰ جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، جسے مولانا محمد فاروق میرٹھی نے مرتب کیا ہے، اس مجموعہ میں تین ہزار سے زائد مسائل شامل ہیں، البتہ اس مجموعہ کی ترتیب اور فتاوی پر تخریج وتعلیق کے سلسلہ میں مزید محنت کی ضرورت ہے، اور مکررات کو حذف کر دینا مناسب ہے۔

ادھر دو تین سال کے اندر شائع ہونے والے فتاوی میں ایک اہم مجموعہ ''فتاوی امارت شرعیہ'' کا ہے، اب تک اس کی دو جلدیں آچکی ہیں، پہلی جلد امارت شرعیہ کے بانی مفکر اسلام حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجادؒ کے فتاوی پر مشتمل ہے، جس کی تعداد ۱۹۸ ہے، اس مجموعہ میں بعض سیاسی مسائل نیز ''فسخ وتفریق'' سے متعلق سوالات پر بہت ہی فاضلانہ جوابات آگئے ہیں، ''فتاوی امارت شرعیہ'' کی دوسری جلد طہارت اور صلوۃ سے متعلق ہے، جس میں حضرت مولانا عبد الصمد رحمانیؒ، مولانا قاضی نور الحسنؒ، مولانا محمد عثمان غنی (تلمیذ علامہ انور شاہ کشمیریؒ)، مفتی محمد عباسؒ اور چند فتاوی کچھ اور حضرات کے ہیں، مجموعی طور پر یہ مجموعہ ۶۰۴ فتاوی پر مشتمل ہے، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے ان دونوں جلدوں کی ترتیب وتبویب کا کام نہایت تحقیق کے ساتھ کیا ہے، اور یہ مجموعہ ان کے مقدمہ سے آراستہ ہے، ابھی چند روز پہلے ''فتاوی امارت شرعیہ'' کی تیسری جلد بھی طبع ہوگئی ہے، جسے نوجوان فاضل مفتی سعید الرحمٰن قاسمی نے بڑی محنت اور خوش سلیقہ سے مرتب کیا ہے۔

علماء ہند میں حضرت مولانا سید حسین احمد ندویؒ کے نام اور کام سے کون صاحب علم ناواقف ہوگا؟

وہ نہ صرف ملت اسلامیہ ہند کے سپاہی بلکہ سپہ سالار تھے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ بحر علم کے غواص بھی تھے، اور حدیث وفقہ آپ کا موضوع تھا، حال ہی میں آپ کے فتاوی کا مجموعہ مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری صاحب کی ترتیب وتحقیق کے ساتھ ایک جلد میں شائع ہوا ہے۔

گزشتہ ربع صدی میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ ایک معتبر اور صاحب نظر فقیہ کی حیثیت سے برصغیر کی فضا پر چھائے رہے، انہوں نے پوری زندگی قضاء اور فصل خصومات کی خدمات انجام دیں، اور اس راہ میں ان کا یہ کارنامہ آب زر سے لکھے جانے کے لائق اور مسافران شوق کے لیے چشم کشا اور مشعل راہ ہے، چنانچہ مولانا امتیاز احمد قاسمی (رفیق اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا) نے ''فتاوی قاضی'' کے نام سے ان کے فتوی کو مرتب کیا ہے، جو ۱۲۰ فتاوی اور ۲۴۵ صفحات پر مشتمل ہے، اور ایفا پبلیکیشن نے اسے شائع کیا ہے۔

اخبارات ورسائل میں بھی سوال وجواب کی اشاعت کا طویل عرصہ سے معمول ہے، عالم عرب میں روزنامہ "الدیۃ" کے علاوہ "التضامن الإسلامی" اور "المجتمع" وغیرہ میں سوال وجواب کے کالم ہوتے ہیں، ہندوستان کے اخبارات میں روزنامہ "الجمیعۃ" میں احکام وحوادث کا کالم بہت مقبول تھا، ''کفایت المفتی'' انہی سوالات وجوابات کا مجموعہ ہے، معروف صاحب نظر مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ نے جب ''ترجمان القرآن'' کی ادارت سنبھالی تو اس میں مستقل عنوان ''رسائل ومسائل'' کا رکھا، جس میں وہ فقہی، سیاسی اور تحریکی سوالات کے جواب دیا کرتے تھے، آزادی کے بعد یہ رسالہ دکن سے لاہور (پاکستان) منتقل ہو گیا اور اب جناب ملک غلام علی صاحب جوابات لکھتے ہیں، مولانا مودودیؒ نے اپنی زندگی ہی میں ان سوالات وجوابات کو ۵ حصوں میں شائع کیا تھا، جو ان کی مقبول کتابوں میں سے ایک ہے، البتہ ان کی بعض آراء جمہور کے خلاف ہیں، مولانا مرحوم کے بعد چھٹا اور ساتواں حصہ جو جسٹس ملک غلام علی کے قلم سے ہے، بھی طبع ہو چکا ہے، اور اس کا نہج بھی وہی ہے جو خود مولانا مودودیؒ کا ہے۔

ہندوستان میں جماعت اسلامی کے ترجمان ماہنامہ ''زندگی'' میں سوال وجواب کا کالم

مولانا سید احمد عروج قادریؒ لکھا کرتے تھے، وہ باضابطہ اور مستند عالم دین تھے، ان کے جوابات کا مجموعہ دو حصوں میں ''احکام و مسائل'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، مصنف نے ان جوابات میں کتاب وسنت کے بعد کتب فقہ سے بھی مراجعت کا اہتمام کیا ہے، اور یہ سوال و جواب کا ایک بہتر مجموعہ ہے، جس میں بہت سے نئے مسائل بھی آ گئے ہیں۔

اس سلسلہ کی ایک نہایت ہی اہم اور قابل ذکر کوشش مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' ہے، مولانا موصوف روز نامہ ''جنگ'' کراچی میں فقہی سوالات کے جوابات لکھا کرتے تھے، ان سوالات و جوابات کا مجموعہ ۹ جلدوں پر مشتمل ہے، مولانا مرحوم نے فرق باطلہ کے رد پر خاص توجہ دی ہے، لیکن دوسرے مسائل پر عام طور پر بہت مختصر گفتگو کی ہے، اور حوالہ جات کا اہتمام بھی نہیں کیا گیا ہے، اس سے تشنگی کا احساس ہوتا ہے، کاش! مولانا مرحوم کے متوسلین اور تلامذہ حوالہ جات کی تخریج کر دیں تو یقیناً یہ ایک اہم خدمت ہوگی۔ وباللہ التوفیق۔

سوال و جواب کا ایک قابل قدر مجموعہ حال ہی میں منظر عام پر آیا ہے: ''سوال و جواب — کتاب وسنت کی روشنی میں'' (۴ جلدوں میں) — یہ صاحبزادہ قاری عبدالباسط صاحب (مقیم جدہ) کے جوابات ہیں جو خلیج کے مشہور اور منفرد اردو روز نامہ ''اردو نیوز'' میں دیئے جاتے ہیں، یہ ایک وقیع مجموعہ ہے، اور خلیج میں بسنے والے تارکین وطن کی رہنمائی کے لیے اس کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، عزیز گرامی مولانا محمد عابد ندوی سلمہ (مقیم جدہ) نے اسے مرتب کیا ہے، اور عزیزی مفتی اشرف علی قاسمی سلمہ (استاد معہد) نے اس کی ترتیب میں تعاون کیا ہے۔

ہندوستان میں متعدد اخبارات و رسائل میں فقہی سوال و جواب کے کالم کا سلسلہ جاری بھی ہے اور مقبول بھی، جن میں ہفت روزہ ''نقیب'' پھلواری شریف پٹنہ، پندرہ روزہ ''تعمیر حیات'' لکھنؤ، ماہنامہ ''ہدایت'' جے پور، روز نامہ ''انقلاب'' بمبئی، روز نامہ ''سیاست'' حیدرآباد اور روز نامہ ''منصف'' حیدرآباد (جو ہندوستان میں سب سے کثیر الاشاعت اخبار ہے) خاص طور پر

قابل ذکر ہیں، کتاب الفتاوی جو اس وقت آپ کے سامنے ہے، زیادہ تر اسی آخر الذکر اخبار کے سوالات وجوابات پر مشتمل ہے۔

فتوی — شرعی احکام

رسول اللہ ﷺ پر نبوت کا سلسلہ مکمل ہو چکا ہے، لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی نیکی کی دعوت دینا برائی سے روکنا ایسا امر ہے جو قیامت تک جاری رہے گا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے بعد یہ فریضہ اس امت سے متعلق کر دیا گیا ہے، بلکہ یہی اس امت کا مقصدِ وجود ہے :

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمران : ۱۱۰)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صورتوں ہی میں سے ایک فتوی دینا بھی ہے؛ کیوں کہ فتوی کے ذریعہ لوگ حلال وحرام سے واقف ہوتے ہیں، اور حلال کو اختیار کرنے اور حرام سے بچنے کی توفیق میسر آتی ہے، اس پس منظر میں سوال یہ ہے کہ فتوی دینے کا شرعی حکم کیا ہے؟ —— شریعت کے اصولی احکام اور اجتہاد کے سلسلہ میں فقہاء کی توضیحات سے معلوم ہوتا ہے کہ حالات اور مواقع کے اعتبار سے فتوی دینے کا حکم مختلف ہوگا:

- بعض صورتوں میں فتوی دینا مفتی پر فرض عین ہے، یعنی اگر مفتی فتوی دینے سے انکار کر دے تو گنہگار ہوگا، یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ خود حکم سے واقف ہو، یا کم سے کم واقفیت حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اس کے سوا کوئی اور شخص نہ ہو جو اس مسئلہ کا جواب دے سکے، تیسرے وہ مسئلہ پیش آ چکا ہو، محض فرضی اور بے فائدہ سوال نہ ہو، چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"... فإذا استفتي وليس في الناحية غيره

تعین علیه الجواب ... و لو سأل عامی عما لم
یقع لم یجب جوابه "(شرح مهذب:۱/۴۵،مقدمه)
"جس شخص سے سوال کیا جائے اگر علاقہ میں اس کے سوا
کوئی اور مفتی موجود نہ ہو تو یہ بات متعین ہے کہ اس کے لیے
جواب دینا واجب ہے... اور اگر کسی عامی نے ایسی بات کے
بارے میں سوال کیا جو ابھی واقع ہی نہیں ہوئی، تو اس کا
جواب دینا واجب نہیں"

اب اگر ایسا سوال ہے جس میں تاخیر سے بھی عمل کی گنجائش ہو تو جواب میں تاخیر بھی کی جاسکتی ہے، اور اگر فوری حل طلب مسئلہ ہو تو فوری طور پر اس کا جواب دینا یا اس کے جواب کو تلاش کرنا واجب ہے، گویا کبھی فتوی کا جواب دینا واجب علی الفور ہوتا ہے اور کبھی واجب علی التراخی، جیسا کہ اجتہاد کا حکم ہے۔ (دیکھئے: کشف الأسرار:۴/۲۶)

- اگر اس علاقہ میں ایک سے زیادہ مفتی موجود ہوں اور مسئلہ اتنا زیادہ عاجلانہ نہ ہو کہ اگر وہ جواب نہ دے تو ضرورت منداس موقع پر مطلوب عمل سے محروم رہ جائے، تو فتوی دینا فرض کفایہ ہے، جیسا کہ امر بالمعروف کا حکم ہے کہ اگر کئی لوگ امر بالمعروف کی صلاحیت رکھنے والے موجود ہوں تو ہر ایک کے حق میں یہ فرض کفایہ کا درجہ رکھتا ہے، اسی پس منظر میں بعض فقہاء شوافع نے لکھا ہے کہ سفر شرعی کی مسافت کے بقدر علاقہ میں کم سے کم ایک مفتی ضرور ہونا چاہیے۔ (دیکھئے: شرح المنهاج للمحلی :۴/۲۱۴)

- جو مسائل ابھی پیش نہیں آئے ہیں اور ان کے بارے میں دریافت کیا جائے تو اس کا جواب دینا واجب نہیں، مستحب ہے۔ (دیکھئے: کشف الأسرار :۴/۲۷-۲۶، التقریر و التحریر:۳/۲۹۲)

- جو شخص مسئلہ سے واقف ہی نہ ہو یا واقف تو ہو؛ لیکن قرآن وحدیث کے نصوص

اور اجماع کے مقابل اور اس کے علی الرغم اپنی رائے رکھتا ہو تو اس کے لیے فتوی دینا حرام ہے، کیوں کہ وہ خود غلطی پر ہے، اور فتوی دے کر دوسروں کو بھی غلطی پر اکسا رہا ہے۔

✿ جو مسائل پیش نہیں آئے ہوں، اور بظاہر ان کے پیش آنے کی توقع بھی نہیں ہے، ایسی بے فائدہ چیزوں کے بارے میں سوال کرنا اور جواب دینا مکروہ ہے۔ (دیکھئے: الفتاوی نشأتها و تطورها :۲/۶۲۰)

اصول افتاء پر کتابیں

جس طرح احکام کے استنباط اور اجتہاد کے لیے اصول مقرر کئے گئے ہیں، اسی طرح اہل علم نے فتوی دینے کے اصول پر بھی قلم اٹھایا ہے، اور انہیں منضبط کرنے کی کوشش کی ہے، اس فن کو عام طور پر ''رسم المفتی'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس میں فتوی کی اہمیت، فتوی کا شرعی حکم، فتاوی نویسی کے اصول و قواعد، مفتی کی صفات وغیرہ موضوعات پر بحث کی جاتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس فن پر کم کام ہوا ہے، اور چند ہی کتابیں لکھی گئی ہیں، جن میں سے اہم کتابیں یہ ہیں:

الفقيه و المتفقه	حافظ خطیب بغدادی	(م:۴۶۳ھ)
أدب المفتي والمستفتي	حافظ تقی الدین ابن صلاح	(م:۶۴۳ھ)
آداب الفتوى و المفتي والمستفتي	امام نووی	(م:۶۷۶ھ)
الفتيا و مناهج الإفتاء	شمس الدین محمود اسفہانی	(م:۷۴۹ھ)
الإحكام في تميز الفتاوى	امام ابو العباس احمد قرافی	
إعلام الموقعين	علامہ ابن قیم جوزی	(م:۷۵۱ھ)
الفتوى في الإسلام	علامہ شمس الدین قاضی زادہ	(م:۹۸۸ھ)
منار أهل الفتوى		
و قواعد الإفتاء بالأقوى	علامہ ابراہیم نغانی مالکی	

عقود رسم المفتی	علامہ ابن عابدین شامی	(م:۱۲۵۲ھ)
صفة الفتوی والمفتی والمستفتی	علامہ احمد حموی	(م:۱۰۹۸ھ)

ان کے علاوہ مختلف اہل علم نے اپنی فقہی تالیفات میں افتاء اور استفتاء کے آداب پر مستقل عنوان قائم کیا ہے، اور مختصر طور پر اصول افتاء پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے، اس سلسلہ میں علامہ خیر الدین رملی کی ''فتاوی خیریہ'' علامہ سراج الدین اودھی کی ''فتاوی سراجیہ'' اور قاضی فخر الدین خاں کی ''فتاوی خانیہ'' نیز علامہ حصکفی کی ''درمختار'' اور اس پر ابن عابدین شامی کے حواشی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اردو زبان میں مستقل حیثیت سے اس موضوع پر بہت کم قلم اٹھایا گیا ہے، اسی پس منظر میں راقم الحروف کی خواہش پر عزیز گرامی مولانا محمد شہاب الدین سبیلی (پی، ایچ، ڈی، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد) نے ''افتاء — احکام وآداب'' (صفحات:۱۲۸) کے نام سے ایک مختصر مگر جامع تحریر مرتب کی ہے، جسے ۱۴۲۳ھ میں المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد نے شائع کیا ہے، البتہ علامہ شامی کی شرح عقود رسم المفتی کو بعض علماء نے اردو زبان کا جامہ پہنایا ہے، اس سلسلہ میں مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری (استاذ حدیث دار العلوم دیوبند) اور مفتی محمد سلمان منصور پوری (استاذِ حدیث جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد) کی خدمات خاص طور پر قابل ذکر ہیں، مولانا پالنپوری نے ''آپ فتوی کیسے دیں؟'' کے نام سے عقود رسم المفتی یعنی متن کے اشعار کا سلیس اردو ترجمہ کیا ہے، پھر اس کی شرح اس طرح کی ہے کہ علامہ شامی کی شرح عقود کا نچوڑ آ جائے، گویا متن کا ترجمہ ہے اور شرح کی ترجمانی، نیز کتاب کے اخیر میں کتاب میں مذکور شخصیتوں کے تراجم اور کتابوں کے تعارف پر مشتمل بہت ہی مفید ضمیمہ ہے — مولانا منصور پوری نے اس میں آنے والے اصولوں کو منقح کرنے اور مثالوں پر منطبق کرنے کی بہت ہی مفید کوشش کی ہے۔

استفتاء — آداب واحکام

استفتاء اور افتاء کے آداب اور مفتی کی مطلوبہ صفات کے سلسلہ میں اختصار کے ساتھ اس حقیر نے اپنی تالیف ''قاموس الفقہ'' میں گفتگو کی ہے، یہاں کتاب کی مناسبت سے وہی خلاصہ

ذکر کیا جاتا ہے:

استفتاء کے معنی سوال دریافت کرنے کے ہیں ——— اور اس کا ثبوت خود قرآن مجید سے ہے، فرمایا گیا: ﴿ فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ ﴾ (النحل: ۴۳) یہاں ذکر سے علم مراد ہے، اس طرح اہل علم سے پوچھنے اور واقفیت حاصل کرنے کا حکم دیا گیا، لہذا ان تمام لوگوں کے لیے جو خود منصب افتاء کے اہل نہ ہوں، واجب ہے کہ جب کوئی مسئلہ درپیش ہو تو ارباب افتاء سے سوال کریں، ضرورت ہو تو اس کے لیے سفر کریں اور آج کل کے حالات کے لحاظ سے بذریعہ پوسٹ یا انٹرنیٹ دریافت کریں۔

کس سے سوال کیا جائے؟

✿ سوال ایسے شخص سے کرنا چاہئے جو علوم اسلامی سے واقف ہو، فقہ پر دستگاہ رکھتا ہو اور فتوی دینے کا اہل ہو، ہر شخص جو روایتی عالم ہو، یا عالم کہلاتا ہو، سے استفتاء نہیں کرنا چاہئے، عین ممکن ہے کہ ایک شخص بہترین واعظ ہو، اچھا مدرس ہو، مگر فتاوی کی کتب اور مفتی بہ اقوال پر اس کی نظر نہ ہو۔

✿ افتاء کی اہلیت جاننے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ عام مسلمانوں میں اس کا مفتی ہونا مشہور ہو، یا ایک بھی صاحب علم کسی کے مفتی ہونے کی نشاندہی کردے۔

✿ جہاں ایک سے زیادہ ارباب افتاء موجود ہوں وہاں کسی بھی ایک سے سوال کیا جاسکتا ہے، ضروری نہیں کہ یہ جستجو کی جائے کہ ان میں سے کون زیادہ اہلیت رکھتے ہیں؟ البتہ یہ بات زیادہ بہتر ہوگی کہ جو زیادہ اہل ہوں، ان سے تحقیق کو ترجیح دی جائے۔

✿ پھر اگر دو ایسے مفتی جمع ہوں جن میں سے ایک علم و تحقیق کے اعتبار سے زیادہ ممتاز ہوں اور دوسرے اپنے زہد و ورع کے لحاظ سے، تو پہلے کو ترجیح ہوگی۔

✿ سوال کرنے والے کو چاہئے کہ اس مفتی سے سوال کرے جو اس کا ہم مسلک ہو،

یعنی حنفی، حنفی سے، شافعی، شافعی سے، اس لیے کہ اگر اس مسئلہ کو "مستفتی" کی نظرِ انتخاب پر چھوڑ دیا جائے اور وہ کبھی حنفی سے اور کبھی شافعی عالم سے پوچھتا پھرے تو رخصتوں اور سہولتوں کی پیروی کا ایک بہانہ ہاتھ آ جائے گا، اور دین بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا۔

سوال کے آداب

- استفتاء براہِ راست کرنا چاہئے یا کسی ثقہ قاصد یا قابلِ اعتماد ذریعہ کو واسطہ بنانا چاہئے۔
- مفتی کے ساتھ ادب و احترام سے پیش آئے، اس کو تحریری یا زبانی طور پر مخاطب کرتے ہوئے ایسے الفاظ کا استعمال کرے جو احترام و تعظیم کے لیے ہوں، ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ نہ کرے۔
- مفتی کے جواب کے بعد یہ نہ کہے کہ میں نے بھی ایسا ہی کہا تھا، یا یہ کہ میرے دل میں بھی یہی بات آئی، یا آپ کے علاوہ دوسرے لوگ بھی مجھے یہ بتا چکے ہیں۔
- اس طرح بھی استفتاء نہ کرے کہ اگر آپ کا جواب فلاں مفتی صاحب کے موافق ہے، جنہوں نے لکھا ہے، تو لکھئے ورنہ ضرورت نہیں۔
- اس حال میں بھی سوال نہیں کرنا چاہئے جب مفتی کھڑا ہو، یا غیظ و غصہ اور غم کی حالت میں ہو اور مزاج اعتدال پر نہ ہو۔

سوالنامہ اور تعبیر

- سوال کا کاغذ بڑا ہو تا کہ وضاحت کے ساتھ بآسانی اس کا مفصل جواب بھی اسی کاغذ پر تحریر کیا جا سکے۔
- سوال میں احترام کے ساتھ مخاطب کرنے کے علاوہ کچھ دعائیہ جملہ بھی ہو، مثلاً

اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے، آپ سے راضی ہو وغیرہ۔

- سوال واضح عبارت میں ہو، حروف صاف اور خط نمایاں ہو، بہتر ہے کہ کسی صاحب علم سے استفتاء مرتب کرائے، گزشتہ زمانہ میں تو بعض فقہاء شہر کے بعض مخصوص کاتبین کے لکھے ہوئے سوالات ہی قبول کرتے تھے، عام لوگوں کے سوال قبول نہیں کرتے تھے۔
- عام لوگوں کو فتاویٰ میں دلیل کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے، ہاں، اگر تسکین نفس اور اطمینان کے لیے دلیل کو جاننا ہی چاہتا ہے تو بہتر ہے کہ کسی اور مجلس میں آکر اس کی درخواست کرے خواص اور اہل علم دلائل واضح کردینے کی خواہش کرسکتے ہیں۔
- سوال اگر تحریری صورت میں ہو تو مستفتی کو اپنا نام بھی لکھنا چاہیے تاکہ مسائل واضح ہوسکیں۔ (یہ امام نووی کی " شرح المہذب " کے مقدمہ (آداب الفتوی والمفتی والمستفتی) سے ماخوذ ہے، راقم نے " آداب المستفتی " کے ضروری حصہ کی تلخیص کردی ہے اور کچھ اضافہ بھی ہے۔

ناپسندیدہ اور بے مقصد سوالات

- خواہ مخواہ ضرورت سے زیادہ اور نظری قسم کے سوالات کو اسلام میں پسند نہیں کیا گیا ہے، بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے قیل وقال اور کثرت سوال کو ناپسند فرمایا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے مروی ہے کہ ایسی چیزیں جو پیش نہیں آئیں، کے بارے میں سوال نہ کیا کرو، حضرت عمر ؓ ایسے لوگوں کو برا بھلا کہتے تھے، امام اوزاعیؒ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو علم کی برکت سے محروم رکھنا چاہتا ہے تو اس کی زبان پر لایعنی سوالات (اغالیط) ڈال دیتا ہے۔ (امام ابواسحاق شاطبی: الموافقات: ۴/ ۳۱۸-۳۱۷)

ابو اسحاق شاطبی نے مختلف روایات کو سامنے رکھ کر بتایا ہے کہ جس نوعیت کے سوال ناپسندیدہ ہیں، ان میں حسب ذیل دس صورتیں بھی ہیں:

۱) ایسی چیزوں کی بابت سوال کرنا جن کا کوئی فائدہ نہیں، چنانچہ لوگوں نے

آنحضور ﷺ سے اس کی حکمت دریافت کی کہ چاند کے باریک اور پھر رفتہ رفتہ موٹے ہونے میں کیا حکمت ہے؟ تو اس بے مقصد سوال کا جواب دینے سے اعراض کیا گیا، اور قرآن میں کہا گیا کہ وہ لوگوں کے لیے اوقات بتانے کا ذریعہ ہے اور درحقیقت چاند کے سلسلہ میں یہی مقصدی بات ہی قابلِ ذکر ہے۔ (اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے کہ یہاں قرآن نے اصل سوال سے احتراز کر کے ایک بامقصد بات بتادی ہے، اور اس حقیقت کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ کر دیا ہے کہ ایسے سوالات نہیں کرنے چاہئیں، دوسرے گروہ کی رائے ہے کہ یہاں ان کے سوال ہی کا جواب دیا گیا ہے کہ چاند کے موٹے اور باریک ہونے میں یہ حکمت ہے کہ اس کے ذریعہ وقت یعنی تاریخ معلوم ہوتی ہے کہ اگر چاند شروع ہی سے موٹا ہوتا یا آخیر تک باریک رہتا تو تاریخ کا اندازہ نہ سکتا جیسا کہ سورج کی وجہ سے تاریخ کا تعین مشکل ہے۔)

یا اسی طرح ایک دفعہ حضور ﷺ نے فرمایا جو کچھ پوچھنا ہو پوچھو، حضرت عبداللہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا "مَنْ أبِي ؟" (میرے باپ کون ہیں؟) اس سوال سے آپ ﷺ کے چہرہ پر ناپسندیدگی کے آثار دیکھے گئے۔

۲) دوسرے یہ کہ ضروری آگاہی حاصل ہو جانے کے بعد پھر خواہ مخواہ سوال کیا جائے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کو اس فقرہ پر برہمی ہوئی، جب ایک شخص نے حج کے بارے میں دریافت کیا: "أكلّ عام ؟" (کیا یہ حج ہر سال واجب ہے)۔

۳) فی الوقت جس بات کی ضرورت نہ ہو اس کے بارے میں سوال کرنا ـــــ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: "ذروني ماتركتكم" (میں نے جس معاملہ میں تم کو چھوڑ دیا ہے اور کسی بات کا پابند نہیں بنایا ہے اس میں تم بھی مجھے چھوڑ دو، اور سوالات نہ کرو۔ (یہ حکم نزول وحی کے زمانہ کے لئے تھا۔)

۴) پیچیدہ بے مقصد سوالات کرنا ـــــ حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے "اغلوطات" سے منع فرمایا ہے، اور "اغلوطات" ایسے ہی سوالات کو کہتے ہیں۔

۵) کسی ایسے حکم کی حکمت دریافت کرنا جس کا تعلق عقل وقیاس سے نہیں ہے، بلکہ بے سمجھے ایمان لانے، عمل کرنے اور اس پر یقین کرنے سے ہو، یا یہ کہ اس قسم کا سوال ایسا آدمی کرے جو ایسی دقیق باتوں کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔

۶) ضرورت سے زیادہ تکلف اور بے جا غلو پر مبنی سوال، —— چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عمر ﷛ ایک قافلہ کے ساتھ ایک پانی کے چشمہ پر پہونچے، ایک صاحب نے اس کی پاکی اور ناپاکی کی تحقیق کے لیے مقامی باشندہ سے سوال کیا کہ کیا اس پر پرندے اور جانور بھی آتے ہیں؟ حضرت عمر ﷛ نے اس سوال کو ناپسند فرمایا اور اس شخص کو جواب دینے سے منع فرمایا۔

۷) اس طرح سوال نہ کیا جائے کہ کتاب وسنت پر اعتراض اور اشکال کی بو آئے۔ (ہاں، مزید طمانیت اور زیادت ایمان کے لیے شائستہ لب ولہجہ میں ایسا سوال کیا جاسکتا ہے اور صحابہ ﷡ کی زندگی میں اس کی مثالیں موجود ہیں)۔

۸) متشابہت یعنی دقیق اور مخفی امور کی بابت سوال کرنا —— چنانچہ امام مالکؒ سے کسی نے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح عرش پر بیٹھتے ہیں؟ یعنی اس سے تو اللہ تعالیٰ کے لیے جسم اور مکان لازم آتا ہے، حالاں کہ ذات والاشانہ، لامکان اور جسمانی کثافتوں سے بے نیاز ہے۔

امام مالکؒ نے فرمایا کہ "استواء" یعنی عرش پر جلوہ افروز ہونا معلوم ہے، اس لیے کہ قرآن میں اس کا ذکر ہے، اس کی کیفیت نامعلوم ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا "بدعت" ہے۔ (اسی طرح تقدیر وغیرہ کے مسائل کا بھی حکم ہے)

۹) سلف صالحین اور صحابہ ﷡ کے مشاجرات اور اختلافات کے متعلق سوال وبحث، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے کسی نے جنگ صفین کے بارے میں سوال کیا جو حضرت علی ﷛ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان ہوئی تھی، تو فرمایا: یہ ایسے خون تھے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھ کو روکا اور بچایا، لہذا مجھے پسند نہیں کہ اب اپنی زبان کو اس سے ملوث کروں۔

۱۰) وہ سوال جس سے اپنی برتری ظاہر کرنا، اور علمی غلبہ حاصل کرنا مقصود ہو۔

(الموافقات: ۴/۲۱-۲۰-۳۱۹)

اس لیے ضرورت سے زیادہ اور بے مقصد سوالات سے احتراز کرنا چاہیے۔

مفتی کی مطلوبہ صفات

مفتی کو مسلمان، قابل اعتماد، شرعی احکام کا پابند، عاقل، بالغ، فقیہ، صحیح العقیدہ، زیرک و دانشمند، بیدار مغز، اخذ و استنباط کی صلاحیت کا حامل اور غیر جانبدار ہونا چاہیے، مردوں کے علاوہ عورتیں بھی فتاوی دے سکتی ہیں اور صحابیہ ؓ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا افتاء میں امتیازی مقام کی حامل تھیں۔ (ماخوذ: باب آداب الفتوی و المفتی و المستفتی" مقدمہ شرح المھذب، ملخصا)

افتاء کے آداب

- فتوی میں تساہل اور کوتاہی برتنا جائز نہیں، تساہل سے مراد یہ ہے کہ غور و فکر اور تحقیق سے پہلے جواب دیا جائے اور عجلت برتی جائے، البتہ اگر ماضی قریب ہی میں اس مسئلہ کی تحقیق کر چکا ہے اور مسائل کا استحضار ہے تو جلد جواب دینے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں، اسی طرح غلط اور ناروا مقاصد کے لیے حیلہ جوئی اور اس کی رہنمائی کرنا جائز نہیں۔
- غصہ، بھوک و پیاس، غیر معمولی مسرت یا غم، اونگھ، رنجیدگی، شدید گرمی، تکلیف دہ بیماری، پاخانہ و پیشاب، ریاح وغیرہ کو روکتے ہوئے اور ان تمام حالات میں جب آدمی کی طبیعت پوری طرح اعتدال پر نہیں رہتی ہے، فتوی نہیں دینا چاہیے۔
- اقرار، قسم، طلاق اور وہ چیزیں جن کا تعلق الفاظ سے ہو، ان میں اسی وقت فتوی دینا چاہیے کہ یا تو خود اس شہر کا باشندہ ہو جہاں سوال کیا گیا ہے، یا ان کے درمیان رہ چکا ہو، اور الفاظ کے سلسلہ میں ان کے استعمال اور عرف سے واقف ہو۔

✿ فتوی کی عبارت مختصر مگر جامع اور واضح ہو، تعبیر ایسی ہو کہ سوال کرنے والا سمجھ بھی لے اور اس کی تشفی بھی ہو جائے، بعض فقہاء سے مروی ہے کہ وہ بہت مختصر جواب دیا کرتے تھے، علامہ حمیری نے اپنے استاذ قاضی ابو حامد کے بارے میں نقل کیا ہے کہ ایک مسئلہ کے بارے میں استفتاء کیا گیا کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟ انہوں نے جواب میں صرف اس قدر لکھا ''نہیں'' —— مگر ہمارے زمانہ میں اکثر اوقات اتنے مختصر جواب سے مستفتی کی تشفی نہیں ہو پاتی، اس لیے ان کے لیے ایک گونہ تفصیل ہی مناسب ہے جیسا کہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا اسلوب تھا، مگر جواب میں اس قدر تفصیل بھی نہیں ہونی چاہئے کہ فتوی کتاب بن جائے۔

✿ بہتر ہے کہ فتوی لکھنے سے پہلے تعوذ وتسمیہ پڑھ لے، پھر اللہ تعالیٰ کی حمد کے کلمات اور رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھے، پھر " رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَ يَسِّرْلِيْ اَمْرِيْ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ " پڑھے اس کے بعد جواب لکھے، امام مالکؒ کا معمول تھا کہ وہ فتوی دینے سے پہلے " لا حول و لا قوة إلا باللّٰه " پڑھتے تھے۔

✿ مناسب ہے کہ ''الجواب وباللہ التوفیق'' سے فتوی کی عبارت کا آغاز کرے اور " واللّٰه اعلم، واللّٰه الموفق ، و باللّٰه التوفيق " وغیرہ الفاظ پر اختتام ہو، اور اخیر میں ایسی وضاحت کے ساتھ اپنا نام لکھے کہ پڑھنے میں دشواری نہ ہو۔

فتاوی میں احتیاط

✿ فتاوی میں ہمیشہ محتاط زبان والفاظ اور لب ولہجہ اختیار کیا جائے، مثلاً اگر پوچھا جائے کہ فلاں شخص یہ کفریہ کلمات کہتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ تو براہ راست یہ نہ لکھا جائے کہ وہ ''مباح الدم'' ہے، یعنی اس کا قتل جائز ہے، بلکہ اس کی تفصیل کی جائے کہ اگر گواہوں یا خود اس شخص کے اقرار سے یہ بات ثابت ہو جائے، تو قاضی یا سلطان اس کو توبہ کرنے کو کہے، پھر اگر وہ تائب بھی نہ ہو تو اس کو یہ سزا دی جائے، تعزیری احکام میں خصوصیت کے ساتھ اس طرح کی

شرطوں کے ساتھ فتوی دے۔

جب جواب سے احتراز کرنا چاہئے

✿ اگر سوال سمجھ میں نہ آئے یا مزید وضاحت اور بعض امور کی تفصیل مطلوب ہو، تو بلا تحقیق جواب دینے کے بجائے لکھ دینا چاہئے کہ میں اسے پوری طرح سمجھ نہیں سکا، مزید تشریح کی جائے تو جواب لکھوں گا۔

✿ اسی طرح اگر دقیق اعتقادی مسائل صفاتِ باری تعالیٰ، تقدیر وغیرہ کے بارے میں سوال کرے تو ان عام لوگوں کے لیے جو کسی گمراہی میں مبتلا نہیں ہیں، اجمالی ایمان رکھنے اور ان دقیق تفصیلات میں نہ پڑنے کی تلقین کی جائے اور لکھا جائے کہ یہی سلف کا طریقہ اور امن وسلامتی کی راہ ہے ـــــ اور اگر سوال کسی ایسے آدمی کی طرف سے ہو جو خود اعتقادی کجروی اور گمراہی کا شکار ہو تو پھر سہل اور عام فہم تعبیر اور دلیل سے اس کے سامنے مسائل کی وضاحت کرنی چاہئے۔

✿ اسی طرح اگر علوم قرآن سے متعلق سوال ہو، تو اگر فقہی مسائل واحکام سے بھی اس کا تعلق ہو، مثلاً صلوۃ وسطی کی تحقیق وغیرہ، تو اس کا جواب دیا جائے، اور اگر ان امور کی بابت سوال ہو جن کا براہ راست فقہ سے تعلق نہیں، مثلاً کہف ورقیم کی تحقیق، تو علومِ قرآنی پر گہری بصیرت رکھنے والے علماء کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا جائے اور اگر مفتی کو ان مسائل کا استحضار ہو، تو خود بھی جواب دے سکتا ہے۔

مصالح کی رعایت

علامہ حمیری نے لکھا ہے کہ مفتی کے لیے یہ بات جائز ہے کہ مصالح اور مستفتی کے حالات کو پیش نظر رکھ کر سوال میں مذکور برائی کے متعلق ایسے جملے نقل کر دے جو از راہ تہدید کتاب وسنت

میں وارد ہیں، گو کہ اس کا ظاہری مفہوم مراد نہیں ہے، مثلاً اگر ترکِ نماز کے بارے میں استفتاء ہو تو لکھے کہ ترکِ نماز تو گویا کفر ہے: "من ترك الصلوة متعمدًا فقد كفر"۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ان سے قاتل کی توبہ قبول ہونے کے بارے میں سوال کیا، تو فرمایا: اس کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں، پھر دوسرے نے یہی سوال کیا، تو فرمایا کہ اس کے لیے توبہ ہے، پھر لوگوں سے وضاحت فرمائی کہ پہلے شخص کی آنکھ پر کچھ آثار تھے کہ گویا وہ قتل کا ارادہ رکھتا ہے اور توبہ کی قبولیت اس کے حوصلہ کو اور بڑھا دیتی، دوسرا شخص وہ تھا جو قتل کے بعد پشیماں اور اپنے بارے میں مایوس تھا، اگر اس کو یہ جواب نہ دیا جاتا تو اور دل شکستہ ہو جاتا۔

حیلوں کی رہنمائی

فتوی میں مستفتی کی نامناسب رعایت درست نہیں، مثلاً جواب میں صرف اس رخ کی وضاحت پر اکتفانہ کرے جو مستفتی کے حق میں ہے اور ان امور کو نظر انداز کر دے، جو اس کے ذمہ ہے، اسی طرح ایسے "فقہی گر" نہ بتائے جائیں جس سے وہ اپنے فریق کا دعوی اور حق کو باطل کر دے اور مقدمہ جیت سکے۔

البتہ اگر مستفتی کسی نقصان اور ضرر میں مبتلا ہو اور کسی ایسے حیلہ کی گنجائش ہو جس کے ذریعہ وہ دوسرے کو ضرر اور نقصان پہنچائے بغیر اپنے آپ کو بچا سکے گا، تو اس کی رہنمائی کی جا سکتی ہے، مثلاً کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ ایک ماہ تک بیوی کو نفقہ نہیں دے گا اور اب وہ قسم توڑنا نہیں چاہتا ہے، تو اس کو یہ حیلہ بتانا درست ہے کہ ایک ماہ اس کو قرض کے نام پر رقم دے دو اور پھر معاف کر دو۔

چنانچہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ وہ رمضان کے مہینہ میں دن کے وقت مباشرت کرے گا اور اس طرح کہ گنہگار بھی نہ ہو گا اور کفارہ بھی ادا نہ کرنا پڑے، امام ابو حنیفہؒ کے سامنے یہ صورتِ حال رکھی گئی، آپؒ نے فرمایا: اپنے بیوی کے ساتھ سفر کر لو، اس طرح روزہ توڑنا اور کسی گناہ اور

کفارہ کے بغیر دن میں بیوی سے ہم بستر ہونے کی گنجائش نکل آئے گی۔

فتاوی کے متفرق احکام

- سائل اگر کم فہم ہو، اور مسائل جلدی سمجھ نہ سکے، تو غصہ نہ کرنا چاہئے اور صبر و رفق کا معاملہ کرنا چاہئے کہ یہی انبیاء علیہم السلام اور سلف کا طریقہ رہا ہے، پھر جب تک پوری طرح استفتاء اور اس کا تمام پہلو سمجھ میں نہ آجائے جواب لکھنا نہیں چاہئے، فتوی کی تحریر بہت باریک یا بہت موٹی نہ ہو، بلکہ اوسط اور واضح ہو، دو سطر کے درمیان تھوڑا سا فصل ہو، مگر اس قدر بھی نہ ہو کہ اس میں اپنی طرف سے اضافہ کی گنجائش نکل آئے اور بہتر ہے کہ پورا جواب ایک ہی قلم اور ایک ہی شخص کی تحریر ہو۔
- جواب عموماً اس قدر دینا چاہئے جس کی بابت سوال ہے، البتہ کہیں مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت مناسب اور مستفتی کے حالات اور واقعات کے مطابق ہو، تو تفصیل کی جاسکتی ہے، چنانچہ آپ ﷺ سے صحابہ ؓ نے صرف سمندر کے پانی کے احکام دریافت کئے اور آپ ﷺ نے ان کے شبہ کی بنیاد کو سمجھتے ہوئے مردار کے احکام بھی بیان فرمادیئے کہ "هو الطهور ماؤه و الحل ميتته" (پانی پاک ہے اور مردار بھی پاک) (یہ ترجمہ امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی رعایت کرتے ہوئے ہے۔
- فتاوی میں سوالات کی ترتیب کو ملحوظ رکھنا بہتر ہے، یعنی استفتاء میں جس ترتیب سے سوال درج ہے اسی ترتیب سے جواب بھی ہو، مصلحتاً اس کے خلاف بھی کیا جاسکتا ہے۔
- اسی طرح اگر چند استفتاء جمع ہوجائیں تو بالترتیب جو پہلے آئے ہوں ان کا پہلے اور جو بعد میں آئے ہوں ان کا بعد میں جواب دیا جانا چاہئے، البتہ مسائل کی نوعیت اگر جلد جواب کی متقاضی ہو، یا مسائل کے حالات کا تقاضا، تو مفتی اپنی صوابدید کے مطابق بعض لوگوں کے سوال کا جواب پہلے دے سکتا ہے۔

✿ جس کاغذ پر سوال مذکور ہو اسی پر جواب دینا چاہئے، بہتر ہے کہ اسی صفحہ پر دے اور اگر یہ ممکن نہ ہو یا دشوار ہو تو پشت کے صفحہ پر جواب لکھے۔

✿ اگر اہل علم تلامذہ وغیرہ موجود ہیں تو بہتر ہے کہ ان کے سامنے فتوی پڑھایا جائے، ان کو بحث کا موقع دیا جائے اور رفق و نرمی کے ساتھ تبادلۂ خیال کیا جائے، افسوس کہ ہمارے زمانہ میں عموماً اس کا فقدان ہے۔(ماخوذ: آداب المفتي و المستفتي، (مقدمہ شرح المهذب ملخصاً)

فتاوی میں ترجیح کے اصول

افتاء اور استفتاء کے آداب اور مفتی کی صفات اور مطلوبہ استعداد کا ذکر اوپر آچکا ہے، یہاں افتاء کے سلسلہ میں ایک بنیادی قاعدہ کی وضاحت کرنی مناسب محسوس ہوتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ فقہ ایک بحر ناپیدا کنار ہے، اور کم وبیش ایک ہزار سال امت کی بہترین ذہانتیں اس فن کی آبیاری میں خرچ ہوئیں ہیں، اسی لیے ائمہ اربعہ کی فقہ بھی محض کسی ایک فقیہ کے اقوال و آراء پر مبنی نہیں ہے، بلکہ بہت سی شخصیتوں کے اجتہادات اور استنباطات کا مجموعہ ہے، اور بے شمار کتابیں اہل علم نے تالیف کی ہیں، نہ یہ تمام شخصیتیں ایک درجہ کے ہیں اور نہ یہ ساری کتابیں علمی اعتبار سے ایک مرتبہ و مقام کی حامل ہیں، اسی طرح مختلف شخصیتوں سے جو فقہی رائیں نقل کی گئی ہیں، ان کے اسناد و اعتبار میں بھی فرق مراتب پایا جاتا ہے، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ فقہاء کے بہت سے اجتہادات اپنے عہد کے حالات، موجودہ وسائل اور عرف و رواج پر مبنی ہوتے ہیں، حالات کی تبدیلی کے ساتھ ان میں تبدیلی کو قبول کرنا ناگریز ہو جاتا ہے۔

اسی لیے افتاء کے سلسلہ میں بنیادی اصول یہ ہے کہ فتوی راجح قول پر دیا جائے، علامہ شامی کا رسالہ" رسم المفتی" تقریباً پورا کا پورا اسی اصول کی تشریح و توضیح پر مبنی ہے، پھر جن مسائل میں مشائخ حنفیہ کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے، ان میں ترجیح کی بنیادیں کیا ہوں گی؟

اس سلسلہ میں بھی مختلف اسباب و وجوہ کا ذکر کیا گیا ہے، ان سب کا خلاصہ اس طرح ہے:

۱)　کبھی ترجیح شخصیت کے اعتبار سے ہوتا ہے، جیسے امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کی رائے میں اختلاف ہو، اور امام ابو یوسف اور امام محمد میں سے کوئی ایک امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہوں، تو امام صاحب کے قول کو اور اگر امام صاحب ایک طرف ہوں اور صاحبین دوسری طرف، تو ایک رائے یہ ہے کہ مفتی کو اختیار ہوگا کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرے، دوسری رائے یہ ہے کہ ایسی صورت میں امام ابوحنیفہ کی رائے پر ہی فتوی ہوگا، صاحب فتاوی سراجیہ نے اسی کو ترجیح دیا ہے، اور علامہ شامی کا رجحان بھی اسی طرف ہے، —— لیکن عملی طور پر صورت حال یہ ہے کہ بہت سے مسائل میں مشائخ نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے، اور بقول علامہ شامی صاحبین کا قول بھی دراصل امام صاحب ہی کا ایک قول ہوتا ہے، اس لیے مشائخ کے معمول کے اعتبار سے پہلا نقطۂ نظر زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح فقہاء کے جو طبقات کئے گئے ہیں، ان سے بھی ترجیح میں مدد ملتی ہے، جو فقیہ اونچے طبقہ میں شامل ہو، اس کا قول بہ مقابلہ بعد کے طبقات کے فقہاء کے قابل ترجیح ہوگا۔

۲)　نقل و روایات کے استناد کے اعتبار سے بھی اقوال کو ترجیح دی جاتی ہے، مثلاً امام محمدؒ کی چھ کتابیں جو ظاہر روایت کہلاتی ہیں، ان میں بھی ائمہ ثلاثہ کے اقوال نقل کئے گئے ہیں، اور امام محمدؒ کی دوسری تحریریں جنہیں نوادر کہا جاتا ہے، وہ بھی انہی فقہاء کے اقوال کو روایت کرتی ہیں، لیکن ظاہر روایت سے متعلق نقول معروف و متداول ہیں اس لیے ان کو نوادر کے اقوال پر ترجیح دی جاتی ہے، اسی طرح وہ کتابیں جو طویل عرصہ سے مخطوطہ رہی ہو، تنہا ان کی روایت کو قبول کرنے میں فقہاء نے تامل سے کام لیا ہے، اس لیے اس بات کو بھی اہمیت حاصل ہے کہ اصحاب مذہب کی جو رائیں نقل کی گئی ہوں، وہ کس حد تک قابل اعتماد ہے؟ اسی بناء پر امام ابوحنیفہؒ کی بعض رجوعات جو نوح ابن مریم سے منقول ہیں، کو قبول کرنے میں اہل علم کو کلام ہے، کیوں کہ کسی رائے اس سے رجوع کو نقل کرنے والا جب تک مستند و معتبر شخص نہ ہو، کیوں کر اس کے درست اور معتبر ہونے کا گمان کیا جاسکتا ہے؟

(۳) بعض دفعہ کتابوں کے لحاظ سے بھی اقوال کو ترجیح دی جاتی ہے، کیوں کہ بعض مصنفین مذہب کی معتبر روایات کو نقل کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، اور بعض اہل علم ہر طرح کے اقوال جمع کر دیتے ہیں، اسی بنیاد پر درج ذیل کتابوں کو فتاوی کے لیے معتبر مانا گیا ہے:

مختصر قدوری	ابوالحسین احمد بن محمد قدوری	(م:۴۲۸ھ)
المختار فی فروع الحنفية	ابوالفضل مجدالدین موصلی	(م:۶۸۳ھ)
نقایه	صدرالشریعہ عبیداللہ بن مسعود	(م:۷۴۷ھ)
وقاية الروايه	برہان الشریعہ محمود احمد	(م:۷۶۳ھ)
كنز الدقائق	ابوالبرکات حافظ الدین عبداللہ النسفی	(م:۷۱۰ھ)
ملتقى الأبحر	علامہ ابراہیم بن محمد حربی	(م:۹۵۶ھ)
فتاوی قاضی خاں	امام فخرالدین اوزجندی	(م:۵۹۲ھ)
هدايه	ابوالحسن علی مرغینانی	(م:۵۹۳ھ)
بدائع الصنائع	علام علاءالدین کاسانی	(م:۵۸۷ھ)

درج ذیل کتابیں بھی اسی زمرہ میں رکھے جانے کے لائق ہے:

مختصر الطحاوی	امام ابوجعفر احمد طحاوی	(م:۳۲۱ھ)
كتاب المبسوط	شمس الائمہ ابوبکر سرخسی	
تحفة الفقهاء	علامہ علاءالدین محمد سمرقندی	(م:۵۷۵ھ)
مجمع البحرين و ملتقى النهرين	علامہ مظفرالدین ابن ساعاتی	(م:۶۹۴ھ)
الجامع الوجيز (فتاوی بزازیہ)	علامہ ابن بزار کردری	(م:۸۲۷ھ)
النهاية	علامہ ابومحمد محمود عینی	(م:۸۵۵ھ)
فتح القدير	علامہ کمال بن ہمام	(م:۸۶۸ھ)

بعض کتابیں متأخرین کی مرتب کی ہوئی ہیں، اور اہل علم کے یہاں معتبر مرجع کے لحاظ

سے ان کا ذکر نہیں ملتا، لیکن ان کتابوں میں مشائخ کے اقوال کو جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، گویا وہ اقوال کے ناقل ہیں، اسی لحاظ سے فقہ وفتاوی میں ان کتب سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، جیسے فتاوی عالمگیری، درمختار، فتاوی تاتارخانیہ، مجمع الأنھر اور محیط برہانی ــــ ان کتابوں میں جس تفصیل کے ساتھ جزئیات کو جمع کیا گیا ہے، اس کی مثال نہیں ملتی، اسی طرح متأخرین کی بعض کتابیں وہ ہیں، جو اختلافی اقوال میں تطبیق اور تنقیح کے سلسلہ میں بے نظیر کتابیں کہی جاسکتی ہیں، اس سلسلہ میں علامہ ابن عابدین شامی کی ''ردالمحتار''، علامہ ابن نجیم مصری کی ''البحرالرائق''، علامہ حلبی کی ''کبیری'' اور علامہ طحاوی کی کتابیں نہایت ہی اہمیت کی حامل ہیں، اسی لیے موجودہ دور میں ارباب افتاء ان کتابوں سے خاص طور پر استفادہ کرتے ہیں، اگر ان کتابوں میں آنے والے اقوال وترجیحات سے متعارض کوئی قول متقدمین کے یہاں نہیں ملتا ہو، انہیں قبول کیا جانا چاہئے ــــ او ان کتابوں کو معتبر مسند مانا گیا ہے:

غرر الأحكام	ملاخسرو	(م:۸۸۵ھ)
تنوير الابصار	علامہ تمرتاشی	
قنيه	نجم الدین مختار زاہدی معتزلی	(م:۶۵۶ھ)
الحاوی	نجم الدین مختار زاہدی معتزلی	(م:۶۵۶ھ)
المجتبى شرح القدوری	نجم الدین مختار زاہدی معتزلی	(م:۶۵۶ھ)
جامع الرموز	علامہ شمس الدین قہستانی	
السراج الوهاج	ابوبکر حدادی	(م:۸۰۰ھ)
فتاوى ابراهيم شاهی	علامہ شہاب الدین دولت آبادی	
فتاوى زينيه	علامہ ابن نجیم مصری	
خزانة الروايات	قاضی جگن گجراتی	
شرعة الإسلام	محمد بن ابوبکر جوغی	

خلاصة منسوب بہ: علامہ لطف اللہ النسفی

اسی طرح ایک اصول یہ رکھا گیا ہے کہ متون کے اقوال کو شروح وحواشی میں ذکر کی گئی آراء پر ترجیح ہوگی، کیوں کہ متون میں عام طور پر مذہب کی ان معتبر اقوال کو نقل کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے جن پر فتوی ہے، اور شروح وحواشی میں اس کا اہتمام نہیں ہوتا، بلکہ کسی مسئلہ سے متعلق مختلف اقوال کے احاطہ کی کوشش کی جاتی ہے، —— اس حقیر کی رائے میں فتوی دینے کے سلسلہ میں عمومی قاعدہ تو یہی ہے، لیکن بعض شارحین صحیح قول کی تعین، مختلف اقوال کے درمیان تطبیق وتنقیح اور ترجیح پر خصوصی توجہ دیتے ہیں، اگر ان کی تحریروں کی روشنی میں قول راجح کو اختیار کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے، کیوں کہ متن اصل مقصود نہیں ہے، اصل مقصود اسناد واعتبار کا ہے، اسی طرح بعض متون میں قول صحیح کو نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، ان کو معتبر متون کا درجہ حاصل نہیں ہوگا۔

(۴) بعض دفعہ دلیل کی بنیاد پر بھی رائے کو ترجیح دی جاتی ہے، جیسے ایک رائے استحسان پر مبنی ہو اور دوسری قیاس پر تو عام طور پر اس رائے کو ترجیح دی جاتی ہے، جو استحسان پر مبنی ہو، کیوں کہ استحسان میں قیاس کی جہت گو ظاہر نہیں ہوتی، لیکن زیادہ قوی ہوتی ہے، اور قیاس ظاہر ہوتا ہے، لیکن قوت ومناسبت کے اعتبار سے نسبتاً ضعیف، اس لیے استحسان پر مبنی رائے کو ترجیح دی جاتی ہے، البتہ ۲۲/ مسائل وہ ہیں جن میں قیاس کو استحسان پر ترجیح دی گئی ہے، علامہ شامی نے ناطقی اور ابن نجیم کے حوالہ سے ان کا ذکر کیا ہے۔

اسی قبیل سے اس کو بھی شمار کیا جاسکتا ہے کہ جو رائے عرف کے مطابق ہو، یا جو رائے انسانی ضرورت سے زیادہ ہم آہنگ ہو اور حرج سے بچاتی ہو، وہ رائے راجح ہوگی، کیوں کہ عرف اور ضرورت کی حیثیت بھی فی الجملہ دلیل شرعی کے ہے، اور بہت سے احکام کی بنیاد ان ہی اصولوں پر ہے۔

اسی طرح امام کی جو رائے نص سے قریب تر ہو، اور کتاب وسنت کے ظاہر کے موافق ہو،

بہت سی دفعہ اہل علم اسے ترجیح دیتے ہیں، علامہ ابن ہمام اور علامہ حلبی وغیرہ کے یہاں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، نیز علماء ہند میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی اور مولانا انور شاہ کشمیری کے یہاں بھی یہ رجحان کثرت سے پایا جاتا ہے، چنانچہ ظہر وعصر کے اوقات نماز میں بعض مشائخ نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے، زمین کی بٹائی داری کے سلسلہ میں صاحبین کے قول کو اختیار کیا گیا ہے، یہ اور اس طرح کے مسائل کو اس زمرہ میں رکھا جاسکتا ہے۔ —— اس رجحان کو بڑھانے کی ضرورت ہے، کیوں کہ اصل مقصود کتاب وسنت کی اتباع اور شرعی دلیلوں سے ثابت ہونے والے احکام کی پیروی ہے، لہٰذا اگر کسی مسئلہ میں اہل علم کو دو قول میں سے ایک کے نص سے زیادہ موافق ہونے کا اطمینان ہو جائے تو مذہب کے اس قول کو ترجیح دینی چاہئے۔

(۵) اگر مختلف اقوال کو مختلف فقہاء نے ترجیح دیا ہو، تو ترجیحی تعبیر کی بنیاد پر بھی راجح قول متعین کیا جاتا ہے، چنانچہ اصول افتاء کے ذیل میں اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے، کہ راجح اور درست قرار دئے جانے میں کس نے کیا تعبیر اختیار کی ہے؟ جس قول کے حق میں زیادہ مؤکد تعبیر اختیار کی گئی ہو، وہ راجح ہوگی، چنانچہ علامہ شامی نے تاکید وتقویت کے اعتبار سے حسب ذیل ترتیب مقرر کی ہے:

به يفتى

الفتوى عليه

الأصح

الصحيح

الأشبه

الأحوط

فيه احتياط

اسی طرح ترجیح کے لیے ألیق ، أصلح ، أولی ، وغیرہ کی تعبیر بھی اختیار کی جاتی ہے:

علامہ خیر الدین رملی نے ترجیح وتصحیح کے لیے یہ تعبیرات ذکر کی ہیں، اوران کو قول مفتی بہ ہونے کی علامت ذکر کیا ہے، وہ اس طرح ہیں:

علیه الفتوی

به یفتی

به نأخذ

علیه الاعتماد

علیه عمل الیوم

علیه عمل الأمة

هو الصحیح

هو الأصح

هو الأظهر

هو المختار في زماننا

هو فتاوی مشائخنا

هو الأشبه

هو الأوجه

یہ کتاب جو اس وقت قارئین کے پیش نظر ہے، اس حقیر کے فتاوی کا مجموعہ ہے، راقم الحروف کو سب سے پہلا فتوی لکھنے کی توفیق اس وقت میسر آئی جب میں جامعہ رحمانی مونگیر میں ہفتم عربی کا طالب علم تھا، اس زمانہ میں امارت شرعیہ کا شعبۂ افتاء خانقاہ رحمانی مونگیر میں تھا، اور مولانا صدر عالم صاحب قاسمی (جن کی فقہی جزئیات پر بڑی گہری نظر ہے) فریضۂ افتاء انجام دیا کرتے تھے، مولانا موصوف اپنی بعض ضرورتوں کے تحت گھر تشریف لے گئے، اور طویل عرصہ تک واپس نہیں آسکے، ادھر استفتاء کی تعداد بہت بڑھ گئی، اس موقع پر امیر شریعت حضرت مولانا

سید منت اللہ رحمانیؒ نے کچھ اساتذہ میں ڈاک تقسیم کردی، میں گو طالب علم تھا، لیکن چند سوالات مجھے بھی عنایت فرمایا، میں نے ان کے جوابات لکھ کر حضرت والا کو دکھایا، آپ نے نظر ثانی کے بعد اپنے دستخط ثبت فرمادئے، یاد آتا ہے کہ پہلا جواب صلوۃ التسبیح سے متعلق تھا، اور مشکوۃ شریف کے حوالہ سے جواب لکھا گیا تھا۔

پھر دو سال کے قریب امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں قیام رہا، اس دوسالہ قیام میں فکری تربیت بھی ہوئی، اور قضاء و افتاء کی تربیت بھی، اس زمانہ میں پھلواری شریف پٹنہ میں باضابطہ دارالافتاء نہیں تھا، زیادہ تر ڈاک مونگیر بھیج دی جاتی تھی، لیکن بعض فتاوے کے جوابات دفتر امارت پھلواری شریف سے بھی دیئے جاتے تھے، اس دوسالہ قیام میں اسی طرح کے بہت سے جوابات لکھنے کا موقع ملا، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ ان جوابات کی اصلاح فرمایا کرتے تھے، پھلواری شریف سے جاری ہونے والے فتاوی کو اس زمانہ میں نقل کرنے اور محفوظ کرنے کا اہتمام نہیں تھا، تاہم بعض فتاوی نقل بھی کردئے جاتے تھے، چنانچہ فتاوی امارت شرعیہ کے دوسرے حصہ میں چند فتاوی اسی حقیر کے بھی شامل ہیں۔

پھر حیدرآباد آنے کے بعد دارالعلوم سبیل السلام میں تدریس کی خدمت متعلق ہوئی، تو تدریس کے ساتھ ساتھ حسب ضرورت فتاوی لکھنے کا بھی سلسلہ رہا، شروع میں تو جو فتاوی جاری کئے جاتے تھے، ان کے نقل کرنے کا اہتمام نہیں تھا، لیکن جب مدرسہ اپنی اصل زمین میں بارکس منتقل ہوا، تو فتاوی باضابطہ نقل کئے جانے لگے، افسوس کہ اس طرح کے دو رجسٹر جس میں محب گرامی مولانا مفتی مظہر الدین قاسمی مرحوم، مولانا مفتی عبدالودود مظاہری زید مجدہم، اور اس حقیر کے فتاوی تھے، ضائع ہوگئے، البتہ فتاوی کا ایک رجسٹر محفوظ رہا، جس میں ایک اچھی خاصی تعداد اس حقیر کے جوابات کی ہے، اور غالباً مدرسہ میں محفوظ ہے، لیکن یہ فتاوی مجھے دستیاب نہیں ہوسکے، ندوہ ایجنسی حیدرآباد کے تحت محترم جناب سید جمیل الدین صاحب ایڈوکیٹ نے ایک زمانہ میں ہر انگریزی مہینہ کے پہلے منگل کو فقہی مذاکرہ کا پروگرام رکھا تھا، یہ پروگرام مغرب کے بعد دو گھنٹہ

ہوا کرتا تھا، جس میں حاضرین کے سوالات کے زبانی جوابات دیے جاتے تھے، انہیں رکارڈ بھی کیا جاتا تھا، اور اہل ذوق کی بہت بڑی تعداد پورے شہر سے اس پروگرام میں شرکت کے لیے آیا کرتی تھی، ان میں سے کچھ مجالسی مذاکرہ کی کسیٹ کو عزیز گرامی قدر مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی (استاذ حدیث جامعۃ القرآن حیدرآباد) نے نقل کیا تھا، اگر انہیں مرتب کیا جائے تو کئی جلدیں ہو جائے گی، لیکن اس پر نظر ثانی کی ضرورت ہے، کیوں کہ زبانی گفتگو اور تحریر کے اسلوب میں بڑا فرق ہوتا ہے، خدا کرے کہ کبھی اس کے لیے فرصت میسر آئے۔

اس مجموعہ میں جو فتاویٰ شامل ہیں وہ پانچ طرح کے ہیں:

۱) وہ فتاویٰ جو امارت ملت اسلامیہ آندھرا پردیش پنجہ شاہ حیدرآباد سے دیے گئے ہیں، ان فتاویٰ پر حوالہ جات کی تخریج کا کام عزیز گرامی قدر مولانا ولی اللہ قاسمی فتحپوری (سابق شیخ الحدیث جامعۃ المفلحات اعظم گڑھ وحال مقیم کویت) نے کیا ہے۔

۲) وہ فتاویٰ جو راقم الحروف نے المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد کے دار الافتاء سے دیے ہیں۔

۳) وہ استفتاء جو راقم الحروف کے پاس شخصی طور پر آئے، اور ان کے جوابات ایک کاپی میں محفوظ کر لئے گئے، ظاہر ہے کہ ایسے بہت سے جوابات محفوظ نہیں ہو سکے، کیوں کہ چند سال پہلے تک ہفتہ میں ایک دن مسائل و احکام سے متعلق خطوط کے جوابات لکھانے کا معمول تھا، اور عصر تا عشاء جوابات لکھائے جاتے تھے، اور ظاہر ہے کہ ان کی ایک مناسب تعداد ہوا کرتی تھی۔

۴) کچھ عرصہ ماہانہ ''افکار ملی دہلی'' کی خواہش پر بھی اس حقیر نے شرعی مسائل کا کالم لکھا ہے، ان میں بھی بعض شمارے نہیں مل سکے، لیکن چند شماروں کو چھوڑ کر بقیہ شماروں کے سوال جواب کتاب میں شامل ہیں۔

۵) غالباً ۱۹۹۸ء سے روزنامہ منصف حیدرآباد کی ایک معیاری اردو روزنامہ کی حیثیت سے تجدید ہوئی، اس میں راقم الحروف نے شروع ہی سے ''شمع فروزاں'' کے عنوان سے

ایک کالم لکھ رہا ہے، اس کالم میں پیش آنے والے نئے سماجی، اجتماعی، اور سائنسی مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی جاتی ہے، غالباً ۱۹۹۹ء سے اخبار میں ''آپ کے شرعی مسائل'' کا کالم بھی اس حقیر سے متعلق ہوگیا اور مارچ ۲۰۰۵ء تک میں اس کالم کو لکھتا رہا، ہمارے بریلوی بھائیوں اور شیعہ حضرات کی طرف سے ایک جواب پر شدید احتجاج کے باعث اس کالم سے دست برداری اختیار کرنی پڑی، سوال اس روایت کی تحقیق کے متعلق تھا کہ غزوۂ خیبر کے موقع سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے سورج کو لوٹا دیا گیا، راقم الحروف نے مختلف کتابوں کے حوالہ سے لکھا تھا کہ یہ روایت سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے، ظاہر ہے اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بے ادبی کا شائبہ تک نہیں ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ اس حقیر کے لیے اس کا تصور بھی ناقابل برداشت ہے، لیکن مسلکی تنگ نظری کی وجہ سے اسے ہنگامہ خیز صورت دے دی گئی۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو ہدایت عطا فرمائے، و باللہ التوفیق و ھو المستعان۔

اس طرح اب اس مجموعہ میں زیادہ تر فتاوی وہی ہیں جو منصف میں لکھے گئے اور دسمبر ۲۰۰۳ء تک کے جوابات اس میں شامل ہوگئے، اب جو فتاوی باقی رہ گئے ہیں اور فقہی مذاکرات کے جو کیسٹس نقل کی گئی ہیں، مکررات کو حذف کرنے کے بعد امید ہے کہ تین چار جلدیں ہو جائیں گی، اس طرح کتاب الفتاوی کی دس جلدیں مکمل ہو جانے کی توقع ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فی الحال دوسرے مشاغل کی وجہ سے فتاوی کی ترتیب میرے پیش نظر نہیں تھی، عزیز گرامی قدر مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری (جنہوں نے المعہد العالی الاسلامی سے فقہ میں تخصص کیا ہے) نے اس جانب نہ صرف توجہ کی، بلکہ اصرار بھی کیا اور انہوں نے ہی اس مجموعہ کو مرتب کیا، ان فتاوی کی ترتیب ایک دشوار کام تھا، کیوں کہ متفرق جگہوں سے انہیں حاصل کرنا، پھر فقہی ابواب کی ترتیب پر انہیں مرتب کرنا اور ابواب وفصول قائم کرنا کسی مستقل تصنیف سے کم دشوار کام نہیں، عزیز موصوف نے بڑی محنت اور خلوص کے ساتھ اس کام کو انجام دیا، انہوں نے ہی کمپوزنگ بھی کی، راقم الحروف کو اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے اس بات کا موقع نہیں تھا کہ

اس پورے مجموعہ کو حرف حرف پڑھے، اس لیے محب عزیز مفتی جمال الدین قاسمی (صدر مفتی دار العلوم حیدرآباد) اور عزیز گرامی مولانا عبدالرحمٰن قاسمی (استاذ جامعۂ عائشہ نسواں حیدرآباد) - جنہوں نے معہد سے فقہ افتاء میں اختصاص کیا ہے - سے خواہش کی کہ وہ اس پورے مجموعہ کو حرف بحرف دیکھیں اور جہاں مضمون یا تعبیر کے اعتبار سے کوئی بات ذرا بھی قابل تامل نظر آئے اس پر سوالیہ نشان لگائیں یا نوٹ لکھیں، ان دونوں حضرات نے بہت ہی توجہ کے ساتھ یہ علمی تعاون کیا، فجزاهما الله خير الجزاء - پھر تقریباً اس پورے مسودہ کی آخری پروف ریڈنگ عزیزی مولوی منور سلطان ندوی سلمہ (جنہوں نے معہد سے فقہ میں تخصص کیا ہے) اور ان کے تخصص کا مقالہ ''ندوۃ العلماء کی فقہی فکر اور ابناء ندوی کی فقہی خدمات'' شائع ہو چکا ہے) نے کی، نیز میں نے ان سے خواہش کی تھی کی جو عنوانات اخبار میں اشاعت کے وقت مصلحۃً مبہم رکھے گئے تھے، کہ ان کی وضاحت اخلاقی نقطۂ نظر سے یا کسی اور وجہ سے مناسب نہیں تھی، کو واضح کر دیا جائے، —— عزیزی سلمہ نے اس کام کو پوری توجہ کے ساتھ انجام دیا۔

میرا معمول عام طور پر فتاوی اور جوابات میں حوالہ سے متعلق عبارتیں درج کرنے اور حوالہ لکھنے کا ہے، اس لیے کتاب میں حوالہ جات کی تخریج کا کوئی بڑا کام نہیں تھا، لیکن کہیں کہیں حوالہ جات چھوٹ گئے تھے، اور حافظہ پر اعتماد کرتے ہوئے مسائل لکھائے گئے تھے، ان حوالہ جات کے تخریج خود مولانا مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری نے کی ہے اور ان کے علاوہ عزیزم مولوی عمر عابدین قاسمی، مولوی محمد نعمت اللہ قاسمی، مولوی محمد بلال قاسمی، مولوی منور سلطان ندوی اور معہد کے بعض طلبہ نے کی ہے، راقم الحروف ان تمام عزیزوں کا شکر گزار ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو علم نافع اور عمل صالح سے حظ وافر عطاء فرمائے۔

عام طور پر ہندوستان میں فتاوی کی کتابوں کے نام صاحب فتاوی سے منسوب کر کے رکھے جاتے ہیں، لیکن میں چاہتا تھا کہ نام عمومی نوعیت کا رکھا جائے، اس سلسلہ میں تین نام میرے پیش نظر تھے: مجموعۂ فتاوی، الفتاوی، کتاب الفتاوی، پہلا نام اس لیے مناسب نہیں تھا کہ

اسی نام سے حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے فتاوی شائع ہو چکے ہیں، دوسرے نام میں عربیت زیادہ تھی، جواردو داں حلقہ میں گرانی کا باعث ہوتی، اس لیے یہ تیسرا نام منتخب کیا گیا۔

مجھے توقع نہیں تھی کہ ان فتاوی کی چھ جلدیں تیار ہو جائیں گی، میں دو جلدوں کا اندازکرتا تھا، یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے اپنے ایک کوتاہ علم اور کوتاہ عمل بندے سے یہ حقیر خدمت لی ہے، اہل علم سے میری درخواست ہے کہ اس میں جہاں جو کوتاہی محسوس ہو اسی پر ضرور متوجہ فرمائیں یہ ان کا اس حقیر پر بڑا احسان ہوگا، اور حقیقت یہ ہے کہ ان فتاوی کی اشاعت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اس کی کوتاہیاں صاحب فتاوی کے سامنے آ جائیں اور وہ ان کی اصلاح کرے، کیوں کہ جب انسان گزر جاتا ہے، تو اس کی تحریروں کی اصلاح نہیں ہو پاتی۔

میں ان فتاوی کی ترتیب کے سلسلہ میں اپنے ان تمام دوستوں اور عزیزوں کا شکر گزار ہوں جن کا اوپر ذکر آیا ہے اور خاص طور پر عزیزی مولانا مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری سلمہ کا، کہ انہوں نے بڑی محبت اور توجہ کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیا ہے، اللہ ان سب کو بہتر سے بہتر اجر عطاء فرمائیں، اخیر میں دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے، اس میں جو باتیں خیر کی ہوں اس سے لوگوں کو نفع پہنچے، اور اگر کوئی نادرست بات آ گئی ہے تو اس کے شر سے اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم ۔

خالد سیف اللہ رحمانی

(۱۲/ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۱/ مئی ۲۰۰۵ء)

کتاب الفتاوی

پہلا حصہ

کتاب الایمان

ایمانیات سے متعلق سوالات

ایمانیات سے متعلق سوالات

بلاؤں سے بچنے کے لئے ناریل وغیرہ کا رکھنا

سوال:- {1} بہت سے لوگ گھروں اور دکانوں کی چوکھٹ پر ناریل، لیموں اور کانٹے دار ڈالیاں رکھتے ہیں، اور گاڑیوں کو بھلاواں وغیرہ لگا کر باندھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے بلائیں نہیں آتی ہیں، کیا اس طرح کے فعل کی گنجائش ہے؟ (محمد اسماعیل، شاہ گنج)

جواب:- یہ سب نہایت گمراہی اور جہالت کے کام ہیں، اور مشرکانہ تصورات کا نتیجہ ہیں، اگر کوئی شخص امکانی مصیبتوں سے بچنا چاہتا ہو، تو اس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے دعائیں سکھائی ہیں، " آیۃ الکرسی "، " قل اعوذ برب الفلق " اور " قل اعوذ برب الناس " پڑھنے کا حکم دیا ہے، (۱) ان پر عمل کرنا چاہئے، ناریل وغیرہ کا پھوڑنا اور دفع بلا کے لئے ایسی چیزوں کا لگانا مشرکانہ فعل اور بدترین گناہ ہے، اور کسی مسلمان کے شایان شان نہیں۔

---

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر:۲۳۶۶-۲۳۶۷، باب من سورۃ المعوذتین۔ محشی۔

آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے برابر تعبیر کرنا

سوال:- {2} ہماری مسجد میں ایک امام صاحب نے تقریر کرتے ہوئے کہا: ''اللہ ایک نور ہے، تو حضرت محمد ﷺ بھی ایک نور ہیں، اللہ تعالیٰ پانی ہیں، تو محمد ﷺ بھی پانی ہیں، اللہ دودھ ہے، تو محمد بھی دودھ ہیں، پانی پانی میں ملا، تو کیا ہو جاتا ہے، پانی ہو جاتا ہے، اور دودھ، دودھ میں ملا، تو دودھ ہو جاتا ہے، مصلیان ان کی اس طرح کی تقریروں پر بہت ناراض ہیں، تقریر میں اس طرح کی باتیں کہنا کیسا ہے؟

(انور مجاہد، پالونچہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ تمام مخلوقات میں افضل اور پوری انسانیت میں سب سے بہتر ہیں، یہ پوری امت کا اجماعی عقیدہ ہے؛ لیکن بہر حال مخلوق کا کوئی فرد خالق کا ہمسر نہیں ہوسکتا، خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَيۡءٌ ﴾ (۱) یعنی: ''کوئی شی خدا کے مانند نہیں'' اس لئے امام صاحب نے جو تعبیر اختیار کی ہے وہ سراسر مشرکانہ ہے، اور امام صاحب کو فوراً اس سے توبہ کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی ایسی نازیبا اور کفریہ باتوں سے حفاظت فرمائے۔

مشرکانہ خیالات سے بچنے کی تدبیر

سوال:- {3} اکثر مجھے مشرکانہ خیالات آتے رہتے ہیں اس کا کیا سبب ہے؟ اور اس کے علاج کا کیا طریقہ ہے؟

(محمد مقصود علی، محبوب نگر)

جواب:- بعض دفعہ شیطان انسان کو مشرکانہ خیالات میں مبتلا کرتا ہے، چنانچہ

(۱) الشوریٰ :۱۱۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان کہتا ہے اس کو کس نے پیدا کیا؟ پھر اس کو کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ کہتا ہے کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ پھر آپ ﷺ نے اس کا علاج بھی بتایا کہ جب ایسی کیفیت ہو، تو ''أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم'' کہا کرے اور اپنے آپ کو اس خیال سے باز رکھنے کی سعی کرے ''فلیتعوذ باللہ ولینتہ'' (۱) آپ کے لئے بھی یہی تدبیر ہے، جب ذہن میں کوئی کفریہ بات آئے، تو ''أعوذ باللہ'' پڑھ لیں، اپنے آپ کو اس خیال سے دور رکھنے کی کوشش کریں اور وسوسہ کی طرف توجہ نہ دیں، اس کے علاوہ زیادہ سے زیادہ پاکی کی حالت میں رہا کریں اور نماز کا اہتمام کریں، جو لوگ نماز کا اہتمام نہیں کرتے وہ پاکی کا بھی اہتمام نہیں کرتے اور ناپاکی کی حالت میں شیطان انسان کو اپنا آلۂ کار بنا تا رہتا ہے۔

بزرگوں کی تصویر اور اس پر پھول چڑھانا

سوال:- {4} ہمارے ایک عزیز تاجر پیشہ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ مجھ پر ایک بزرگ کی نظر کرم ہے، جس کی وجہ سے میں اس مقام پر ہوں، وہ ان بزرگ کا بہت احترام کرتے ہیں، ان کی تصویر اپنے مکان میں رکھتے ہیں اور بڑے ادب سے اس تصویر کو اگر بتی اور پھول وغیرہ سے سجاتے ہیں، کیا ان کا یہ خیال جائز ہے، اور ان کا عمل درست ہے؟

(مقصود حسین خان، نظام آباد)

جواب:- بزرگوں سے تعلق اچھی بات ہے، بزرگوں سے مراد وہ شخصیتیں ہیں جو اہل سنت والجماعت کے بیان کئے ہوئے عقیدۂ توحید و رسالت کے قائل ہوں، شرک و بدعت سے مجتنب ہوں، احکام شریعت پر عمل کرتے ہوں، شریعت میں جن باتوں سے منع کیا گیا ہے، ان

---

(۱) صحیح البخاری: حدیث نمبر: ۳۲۷۶، باب صفة ابلیس و جنودہ۔

سے بچتے ہوں، اورحتی المقدور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں پر عمل پیرا ہوں، بزرگوں سے تعلق کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی کتاب وسنت کی ہدایت پر عمل کرے، یہ سمجھنا کہ فلاں بزرگ کی نظر کرم سے میں بہتر حالت میں ہوں، غلط اور خود بزرگوں کی تعلیمات کے خلاف ہے، اصل میں رزق دینے والی اور نفع ونقصان پہونچانے والی ذات اللہ تعالی کی ہے، اور اللہ تعالی ہی رزق میں فراخی اور تنگی پیدا فرماتے ہیں، انسان کو سب کچھ اللہ تعالی کی نظر کرم سے حاصل ہے؛ اس لئے یہ عقیدہ نہ رکھنا چاہئے کہ فلاں کام فلاں شخص کی وجہ سے انجام پایا ہے۔

﴿اِنَّ رَبَّكَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَ يَقۡدِرُ ﴾(۱)

کسی بزرگ کی تصویر کھینچنا خود حرام ہے، اس تصویر کو بطور احترام کے لٹکانا بالاجماع حرام اور گناہ کبیرہ ہے، (۲) اور پھر اس پر پھول اور اگربتی وغیرہ چڑھانا اور لگانا تو خالصۃ مشرکانہ فعل ہے، جو برادران وطن مورتیوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں، (۳) اس لئے آپ اپنے دوست کو اس سے منع کریں کہ اس میں کفر کا اندیشہ ہے۔اعاذنا اللہ منه!

شرکیہ اشعار

سوال:- {5} کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل نعت کے بارے میں کہ یہ نعت شرعی نقطۂ نظر سے درست ہے یا نہیں؟

محمد خدا ہے ، خدا ہے محمد احد کا خلاصہ علی ہے محمد

---

(۱) الإسراء:۳۰۔محشی۔

(۲) ''لا تدخل الملائكة بيتا فيه صورة'' عن علي ﷺ، سنن أبي داؤد: حدیث نمبر: ۴۱۵۳، باب في الصور، كتاب اللباس ۔محشی۔

(۳) ''من تشبه بقوم فهو منهم'' عن ابن عمر ﷺ، سنن أبي داؤد: حدیث نمبر: ۴۰۳۱، باب في لبس الشهرة، كتاب اللباس ۔محشی۔

حقیقت محمد کی کیا کوئی جانے خدا سے کہو کب جدا ہے محمد
بظاہر بشر کی تو وہ حیثیت ہیں بباطن خدا ہی خدا ہے محمد
محمد کے جلووں سے روشن ہے دنیا احد و احمد و مصطفیٰ ہے محمد
یہ رمز طریقت کو کیا کوئی جانے سواء سے سواء ما سواء ہے محمد
محمد نہ ہوتے، تو دنیا نہ ہوتی عیاں اس سے ہے دیکھو کیا ہے محمد
خدا مجھ میں ہے اور محمد ہے مجھ میں میرے آئینہ کی ضیاء ہے محمد
کہو بے جھجک سا ئیں اہل نظر سے تجلی نور خدا ہے محمد

(سید خواجہ معز الدین اشرفی، مصری گنج، حیدرآباد)

جواب:- اسلام کی بنیاد جس عقیدہ پر ہے، وہ عقیدہ توحید یعنی اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات وصفات کے اعتبار سے یکتا ماننا ہے، اسلام میں جو چیز سب سے زیادہ مبغوض اور خدا کے عفو و درگزر سے محروم کر دینے والی ہے وہ شرک ہے، شرک صرف بت پرستی ہی کا نام نہیں ہے، بلکہ انبیاء اور اولیاء کو خدا کا درجہ دینا بھی شرک ہے، عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہی کیا تھا کہ ان کو الوہیت میں شریک گردانا، ان اشعار کے کہنے والے کی کیا مراد ہے اور ان کا کیا منشاء ہے؟ اس سے تو وہ ہی باخبر ہیں، لیکن بظاہر اس میں کئی اشعار مشرکانہ اور گمراہانہ ہیں، محمد ﷺ کو خدا اور خدا کو محمد ﷺ قرار دینا، محمد ﷺ کو خلاصۂ احد کہنا اور یہ کہنا کہ محمد ﷺ بباطن خدا ہے، قطعاً مشرکانہ تعبیرات ہیں، جن صاحب نے یہ اشعار کہے ہیں، اگر ان کا مقصد یہ ہو کہ خدا کی اطاعت رسول کی اطاعت اور رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے، تب بھی یہ تعبیر ناشائستہ اور نادرست ہے؛ لہٰذا ان کو توبہ کرنی چاہئے اور اگر ان کا عقیدہ بھی یہی ہے، تو ان کو تجدید ایمان بھی کر لینا چاہئے۔

شرک اور اس کی قسمیں

سوال:- {6} شرک کسے کہتے ہیں اور اس کی تعریف

کیا ہے؟ تفصیل سے بتایئے۔

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- شرک کے اصل معنی دوسرے کو شریک اور ساجھی بنانے کے ہیں، اسلام کی اصطلاح میں اللہ تعالی کی خصوصی صفت میں بندے کو شریک کرنا، یا بندے کی ایسی صفت جس میں عجز اور نقص کا پہلو پایا جاتا ہو، اس سے خدا کو متصف کرنا شرک ہے، مثلاً اولاد دینا، رزق دینا، مغفرت کرنا اور موت دینا یہ سب اللہ ہی کی خصوصی صفات ہیں، کسی مخلوق کے بارے میں یہ سمجھنا کہ وہ اولاد دے سکتی ہے، زندگی اور موت وغیرہ کا فیصلہ کر سکتی ہے، شرک ہے، کیونکہ مخلوق کو خالق کی صفت میں شریک کیا گیا، اسی طرح اللہ تعالی کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ کھاتا ہے، سوتا ہے، پریشان ہوتا ہے، کسی کا باپ یا کسی کا بیٹا ہے، یہ بھی شرک ہے۔ کیونکہ یہ صفات عجز اور نقص سے خالی نہیں، کھانے والا کھانے کا اور نظام ہضم کا محتاج ہوگا، سونے کی ضرورت اسی کو پڑتی ہے، جو تکان اور جسمانی فتور سے دوچار ہوتا ہو، پریشانی، حزن و ملال اور غم واندوہ اسی کو ہوگا جو اپنے آپ سے تکلیف دہ بات کو دور کرنے سے عاجز ہو؛ اس لئے ایسی باتوں کی اللہ تعالی کی طرف نسبت شرک میں داخل ہے۔

کفر کی دو قسمیں ہیں: کفر انکار اور کفر شرک، خدا کا انکار یا اللہ کے نازل کئے ہوئے کسی حکم کا انکار '' کفر انکار'' ہے، اور اللہ کی خصوصی صفات میں بندوں کو شریک کرنا یا بندوں کی عجز و نقص پر مبنی صفتوں میں اللہ کو شریک کرنا '' کفر شرک'' ہے۔ شرک کی تین صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اللہ کی ذات میں کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، مثلاً ایک کی بجائے دو، تین یا کئی خدا مانا جائے، خدا کے لئے اولاد، بیوی، ماں، باپ قرار دیئے جائیں، جیسا کہ عیسائیوں اور ہندوؤں کے یہاں ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالی کی جو مخصوص صفتیں ہیں اور جن کا اختیار اللہ نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھا ہے، ان میں انسان یا کسی اور مخلوق کو شریک سمجھا جائے، مثلاً گناہوں کا معاف کرنا، رزق دینا، اولاد دینا، صحت وشفا عطا کرنا، بیمار کرنا، ہدایت دینا وغیرہ، ان میں کسی

مخلوق کو خواہ اللہ کا کوئی نیک بندہ ہی کیوں نہ ہو، شریک و سہیم سمجھنا ''شرك فی الصفات'' ہے، تیسرے کچھ حقوق ہیں، جو اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں، جیسے عبادت، سجدہ و دعا، ذبح و قربانی، نذر اور قسم وغیرہ، ان کاموں کا اللہ کے سوا کسی اور مخلوق کے لئے کرنا یہ بھی شرک ہے اور یہ ''شرك فی الحقوق'' یعنی: اللہ تعالیٰ کے حقوق میں دست درازی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب والدین، اولاد، شوہر، بیوی، پڑوسی اور ایک انسان پر دوسرے انسان کے حقوق ہیں اور ان حقوق کا تلف کرنا سخت گناہ ہے، تو اللہ تعالیٰ کے حقوق میں دست درازی سے اللہ کو کتنا غضب آتا ہوگا؟۔

اللہ تعالیٰ کا خود ارشاد ہے کہ اللہ شرک کو معاف نہیں کرتے .شرک کے سوا کسی بھی گناہ کو اللہ اپنی رحمت سے معاف فرما دیتے ہیں

﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ﴾(۱)

اس لئے اپنے آپ کو مشرکانہ عقائد و افعال سے خوب بچانا چاہیے، کہ یہ نا قابل معافی گناہ ہیں۔

جھنڈے کے آگے جھکنا

سوال:- {7} ۱۵/ اگست اور ۲۶/ جنوری کو جھنڈا بلند کیا جاتا ہے، اس موقع پر مسلم شرکاء بھی ہاتھ اٹھا کر جھنڈے کو سلامی پیش کرتے ہیں، اور جھنڈے کے آگے جھکتے ہیں، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ (محمد ایوب خان، بذریعہ فیکس)

جواب:- جھنڈا لہرانا درست ہے، اور اہل علم نے اس کو جائز قرار دیا ہے، البتہ اس

(۱) النساء:۴۸۔

موقع سے کوئی ایسا عمل کرنا جس سے جھنڈے کی غیر معمولی تعظیم ظاہر ہوتی ہو، جیسے دونوں ہاتھ جوڑنا، یا جھکنا جائز نہیں، اسلامی نقطۂ نظر سے کسی بھی مخلوق کے ساتھ اس طرح کا تعظیمی سلوک روا نہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی یا دوست سے ملتے ہوئے کیا اس کے لئے جھک سکتا ہے؟ ''أینحني له''؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں'' (۱) معلوم ہوا کہ اس طرح کی تعظیم غیر اللہ کے لئے درست نہیں۔

تعظیماً کھڑا ہونا

سوال:- {8} تعظیم کے لئے کھڑے ہونے کا کیا حکم ہے؟ بعض علماء اور سجادگان غیر مسلم وزراء کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بعض حضرات دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ (حشمت آراقدیر، کریم نگر)

جواب:- اگر کوئی شخص دین کے اعتبار سے قابلِ احترام ہو اور اس کے لئے کھڑا ہو جائے تو اس کی گنجائش ہے، درمختار میں ہے: "یجوز بل یندب القیام تعظیمًا للقادم" (۲) البتہ دست بستہ کھڑا ہونا مناسب نہیں، کہ اس میں نماز کی کیفیتِ قیام سے مشابہت ہے، گویا اس کیفیت میں عبادت اور بندگی کا ایہام ہوتا ہے، اور ایسی باتوں سے منع فرمایا گیا ہے، جس میں غیر اللہ کی نسبت سے عبادت کا ایہام ہوتا ہو — جہاں تک غیر مسلموں کی بات ہے تو ان کی اعتقادی گمراہی اپنی جگہ؛ لیکن مناسب حد میں رہتے ہوئے ان کی تعظیم اور توقیر میں بھی حرج نہیں، رسول اللہ ﷺ نے

---

(۱) "قال رجل : یا رسول الله ﷺ ! الرجل منا یلقی أخاه أو صدیقه ، أینحني له ؟ قال: "لا" (الجامع للترمذي : حدیث نمبر:۲۷۲۸، عن أنس رضی اللہ عنہ ، باب ماجاء في المصافحة ، أبواب الإستئذان و الآداب۔

(۲) الدر المختار علی هامش رد المحتار:۹/۵۵۱۔

جب قیصر روم کو خط لکھا، توان کے لئے " عظیم الروم "(۱) کا لفظ استعمال کیا، کیونکہ اہل روم ان کو اسی لقب سے یاد کیا کرتے تھے؛ اس لئے اگر کسی غیر مسلم وزیر کا کھڑے ہوکر ہاتھ باندھے بغیر خیر مقدم کیا جائے، تو اس کی گنجائش ہے کہ یہ بھی توقیر واحترام کا ایک طریقہ ہے۔ واللہ اعلم۔

نابالغ کا قبولِ اسلام

سوال:- {9} ہمارے محلہ مشیر آباد میں ایک غیر مسلم لڑکا جو ابھی نابالغ ہے، اس کی عمر ۱۳/۱۴/ سال ہے، اس نے ختنہ بھی کرلیا ہے، اور نماز کے لئے مسجد بھی آرہا ہے، البتہ اس کے ماں باپ اس کی مخالفت کررہے ہیں، اس کے باوجود اس لڑکے نے نماز کو آنا جانا برقرار رکھا ہے، آپ بتائیں کہ یہ کس حد تک صحیح ہے؟ (ح، س، ی، ن، باکارم)

جواب:- حضرت ابوہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بچہ فطرت یعنی دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے، اس کے والدین اسے یہودی، یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں، حضرت ابوہریرہ ﷛ نے یہ حدیث نقل کرکے وہ آیت تلاوت کی، ﴿فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ (۲) اس سے معلوم ہوا کہ اسلام ہر انسان کی فطرت میں داخل

---

(۱) " ثم دعا بكتاب رسول الله ﷺ ، فقرئ فاذا فيه : بسم الله الرحمن الرحيم ، من محمد عبد الله و رسوله الى هرقل عظيم الروم " عن أبي سفيان بن حرب ﷛، الجامع الترمذي : حدیث نمبر: ۲۷۱۷، باب ماجاء كيف يكتب الى هرقل الشرك ، ابواب الاستئذان و الآداب۔

(۲) " قال النبي ﷺ :كل مولود يولد على الفطرة ، فأبواه يهودانه و ينصرانه و يمجسانه كما تنتج البهيمة بهيمة جمعاء هل تحسون فيها من جدعاء ؟ ثم يقول أبو هريرة ﷛ : و اقرؤوا ان شئتم ! فطرة الله التى فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله (الروم : ۳۰) عن أبي هريرة ﷛: صحيح مسلم : حدیث نمبر: ۲۶۵۸ ، باب لعنى كل مولود يولد على الفطرة و حكم موت اطفال الكفار و اطفال المسلمين ۔ محشی۔

ہے، اور جو شخص فطرت کا باغی ہو، وہی اسلام سے روگردانی کرسکتا ہے، اسی لئے فقہاء کے نزدیک جو بچہ شعور اور تمیز کی عمر کو پہنچ جائے، اور اس میں دین و مذہب کی پہچان پیدا ہوجائے، اس کا اسلام قبول کرنا معتبر ہے،(۱) اس لئے وہ لڑکا غیر مسلم نہیں بلکہ مسلمان ہے، اور آپ کا مذہبی فریضہ ہے کہ اسے اس طرح اپنے سے قریب رکھیں کہ وہ دین حق پر ثابت قدم رہے۔

البتہ قانون ملکی کی رو سے جب تک لڑکے اٹھارہ سال کے نہ ہوجائیں، تبدیلیٔ مذہب کا اعتبار نہیں، اس لئے جوں ہی وہ لڑکا اپنی تعلیمی اور پیدائشی دستاویز کے اعتبار سے اٹھارہ سال کا ہوجائے، قبول اسلام کی سرٹیفکٹ بنوادی جائے، تاکہ کوئی قانونی دشواری پیدا نہ ہو، آپ اس سلسلہ میں دفتر امارت ملت اسلامیہ آندھرا پردیش سے رجوع کرسکتے ہیں۔

قبولِ اسلام کا طریقہ

سوال:- {10} اسلام قبول کرنے کا کیا طریقہ ہے؟
اور کیا اس میں مردوں اور عورتوں میں فرق ہے؟
(شبانہ اعظمی، بیدر)

جواب:- اسلام قبول کرنے کے لئے کلمۂ شہادت " أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمدا رسول الله " پڑھنا چاہئے، اور کلمہ پڑھنے سے پہلے بہتر ہے کہ غسل

(۱) "كان غلام يهودي يخدم النبي ﷺ فمرض، فأتاه النبي ﷺ يعوده، فقعد عند رأسه، فقال له: أسلم! فنظر الى ابيه و هو عنده، فقاله له: اطع ابا القاسم ﷺ، فأسلم" عن ابن عباس، صحيح البخاري، حدیث نمبر:۱۳۵۶، باب ازا اسلم الصبى فمات، هل يصلى عليه، كتاب الجنائز، نیز صاحب ہدایہ نے حضرت علی ؓ کے قبول اسلام کے واقعہ سے بھی استدلال کیا ہے: "لنا فيه أن عليا ؓ أسلم في صباه و صحح النبي ﷺ اسلامه" (الهداية: ۳/۶۰۶) اور یہی مسلک مالکیہ وحنابلہ کا بھی نقل کیا گیا ہے: "و أما العقائد كالايمان فقد ذهب الحنفية و المالكية و الحنابلة الى أنه يصح من الصبي" (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۷/۱۵۸) محشی

کرلے،(۱) اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں پر بیعت ایمان کیا کرتے تھے،(۲) یہی طریقہ اس میں مردوں کے لئے بھی ہے، اور عورتوں کے لئے بھی۔

تقدیر کا ایک مسئلہ

سوال:- {۱۱} اکرم نے اپنی شادی کے سلسلہ میں استخارہ کیا، استخارہ کرنے پر دل میں یہ بات آئی کہ عذراء سے نکاح کرنا چاہئے، چنانچہ شادی ہوگئی، پہلی زچگی کے بعد بیوی پر پاگل پن کا دورہ پڑا، سسرال والوں نے اکرم پر الزام عائد کیا کہ تو نے اس کو ستایا ہوگا، اس وجہ سے طبیعت خراب ہوئی، دوسری زچگی کے بعد عذراء کی حالت پھر خراب ہوگئی اور پاگل پن اور بڑھ گیا، ایک صاحب یوں فرماتے ہیں کہ تو نے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری، تو نے اس سے شادی کیوں کی، اگر تو دینداروں میں شادی کرتا، تو یہ حال نہ ہوتا، جب اللہ تعالی دنیا میں اچھا اور برا بتلا دیا ہے اور اختیار دیدیا ہے کہ چاہے جس راہ کو اختیار کرو تو نے اپنے اختیار کیا ہے، اس لئے پریشانی اٹھانی پڑ رہی ہے، ان کی اس بات کی وجہ سے دل میں

---

(۱) مسلم شریف: ۳۳۶/۲۔

"أتيت النبي ﷺ أريد الاسلام، فأمرني أن اغتسل بماء و سدر" عن قيس بن عاصم (سنن أبي داؤد: حدیث نمبر:۳۵۵، باب في الرجل يسلم فيؤمر بالغسل، كتاب الطهارة) محشی۔

(۲) "عن قيس سمعت جريرًا رضي الله عنه: بايعت رسول الله ﷺ على شهادة أن لا اله لا الله، و أن محمدًا رسول الله" (صحيح البخاري: حدیث نمبر:۲۱۵۷، باب هل يبيع حاضر لباد بغير اجر، هل يعينه ينصحه، كتاب البيوع) محشی۔

طرح طرح کے شبہات پیدا ہونے لگے ہیں ؛ اس لئے .
شریعت کی روشنی میں مندرجہ ذیل باتوں کا حل چاہتا ہوں:
(الف) کیا انسان کا جوڑا (بیوی) اس کے اختیار سے
ملتا ہے، یا مقدر سے ؟ کیا یہ ممکن تھا کہ اگر اکرم کسی اور دیندار
گھرانے میں شادی کرتا، تو یہ پریشانی اٹھانی نہ پڑتی ؟
(ب) کیا اس قسم کی باتیں کہنا تقدیر کا انکار ہے، یا نہیں،
اگر انکار ہے، تو اس کی تلافی کی کیا صورت ہوگی؟ (ڈاکٹر
سید محمد مشتاق، مکان ۸۲-۶-۶، عثمان پورہ، حیدر آباد)

جواب:- آپ کے سوالات کا تعلق دراصل تقدیر کے مسئلہ سے ہے، تقدیر کے سلسلہ میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا میں مکلف کا جو بھی فعل ہوتا ہے، وہ دو امور کے امتزاج سے وجود میں آتا ہے، ایک انسان کا ارادہ، دوسرے اللہ تعالی کی مشیت، جب انسان کسی اچھی بری بات کا ارادہ کرتا ہے، تو اللہ تعالی کی مشیت اس کی مدد کرتی ہے، پھر وہ چیز وجود میں آتی ہے، اسی مشیت الٰہی سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ کوئی چیز خدا کے حکم کے بغیر نہیں ہوسکتی اور انسان کے ارادہ واختیار کے استعمال کی وجہ سے اس پر ثواب وعقاب ہوا کرتا ہے، لیکن از اول تا آخر جو کچھ ہونے والا ہے وہ خدا کے علم میں پہلے سے موجود ہے، اور اسی علم الٰہی کا نام تقدیر ہے، تقدیر کا مفہوم یہ نہیں کہ اللہ نے کسی کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ اس کام کو کرے، البتہ جو چیزیں انسان کے بس میں نہیں ہیں وہ سراسر حکم خداوندی کے تحت ہیں، ان کا تعلق اعمال سے ہونا بھی ضروری نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کے ساتھ بھی صحت ومرض اور رنج ومسرت کا سلسلہ رہا ہے؛ اس لئے کسی بیماری وغیرہ پر اعتراض کرنا تقدیر پر اپنی ناراضگی کا اظہار ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ نکاح کے رشتہ کے لئے انتخاب میں دین اور اخلاق کو معیار بنانا بہتر اور مطلوب ہیں، لیکن کسی انسان کے لئے عند اللہ جو آزمائشیں مقرر ہو چکی ہیں، وہ بہر حال وقوع پذیر ہو کر رہیں گی۔

تقدیر کی حقیقت

سوال:- {12} صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ انسان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اس کے مقدر میں لکھ دیا جاتا ہے کہ وہ جنتی ہے یا دوزخی، تو پھر ایسی صورت میں اس کو اعمال کا قصوروار کیوں قرار دیا جاتا ہے، اور اس کو اس کے گناہوں کی سزا کیوں دی جاتی ہے؟ (سلیم یعقوب، ناندیڑ)

جواب:- تقدیر اصل میں اللہ تعالیٰ کے علم کا نام ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے تو انسان کو ارادہ واختیار کی قوت دی ہے، وہ نیکی بھی کرسکتا ہے، اور برائی بھی اور جو کچھ کرنا چاہے اللہ تعالیٰ کی مشیت اس میں مانع نہیں ہوگی، لیکن انسان کرے گا کیا؟ اور کس راہ کو اختیار کرے گا؟ یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے موجود ہے، اور علم الٰہی کے مطابق ہی یہ بات لکھی جاتی ہے، (۱) ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس پر مجبور کردیا ہے، انسان کو ارادہ واختیار کی جو قوت دی گئی ہے اللہ تعالیٰ کی ہدایت آجانے کے باوجود اس صلاحیت کے غلط استعمال پر انسان کو سزا دی جاتی ہے، یہ ایسا ہی ہے، جیسے کوئی استاذ اپنے شاگرد کے حال سے واقف ہو، اور وہ اس کے کامیاب یا ناکام ہونے کی پیشین گوئی کرے، اور اس کی پیشین گوئی کے مطابق ہی وہ کامیاب یا ناکام ہو، تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس استاذ کو اس کی ناکامی پر ذمہ دار نہیں قرار دیا جاسکتا، فرق یہ ہے کہ انسان کا علم ناقص ہے، اس لئے اس کی پیشین گوئی صحیح بھی ہوسکتی ہے اور غلط بھی، لیکن اللہ تعالیٰ کا علم کامل اور ابتدائے کائنات سے انتہا تک کو شامل ہے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جو بات فرمائی ہے آئندہ اس کے خلاف بات پیش نہیں آسکتی۔

(۱) ﴿انا کل شيئ خلقناه بقدر﴾ (القمر:۴۹) "جف القلم بما انت لاق" (عن أبي هريرة ؓ، صحيح بخاري: حدیث نمبر:۵۰۷۶، باب ما يكره من التبتل و الخصاء، كتاب النكاح، نیز باب جف القلم على علم الله، كتاب القدر) محشی۔

وسوسہ کی بیماری

سوال:- {13} مجھے شدید وساوس آتے ہیں، عجیب وغریب وسوسوں میں گھبرا جاتا ہوں، بعض دفعہ خودکشی کرنے کو جی چاہتا ہے اور کئی بار تو ایمان خطرہ میں نظر آتا ہے، ایسے شیطانی وسوسے آتے ہیں، جن کو میں کسی کے سامنے بیان نہیں کرسکتا۔ (چندرائن گٹہ)

جواب:- وسوسہ سے بچنے کے لئے سب سے ضروری بات یہ ہے کہ آپ اپنی قوت ارادی کو مضبوط کریں اور پوری قوت سے وسوسہ دور کرنے اور اپنے ذہن کو کسی اور طرف متوجہ کرنے کی کوشش کریں، رسول اللہ ﷺ نے اس کا یہ علاج بتایا ہے کہ جب ایسی نوبت آجائے تو "أعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيطَانِ الرَّجِيم " پڑھا جائے،(۱) اگر کوئی کفریہ خیال ذہن میں آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "آمَنتُ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهِ " (میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا) کہے"(۲) اس کے علاوہ پیشاب کی چھینٹوں سے بھی بچنا چاہئے، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشاب میں بے احتیاطی کی وجہ سے وسوسہ پیدا ہوتا ہے۔(۳)

---

(۱) "قال رسول الله ﷺ : يأتي الشيطان أحدكم فيقول : من خلق كذاوكذا ؟ حتى يقول له : من خلق ربك ؟ فاذا بلغ ذلك فليستعذ بالله و لينته" عن أبي هريرة ؓ ، صحيح بخاری، حدیث نمبر:۳۲۷۶،باب صفة ابليس و جنوده ، كتاب بدء الخلق ،نیز دیکھئے:صحيح مسلم،حدیث نمبر:۱۳۴،كتاب الايمان ۔

(۲) "قال رسول الله ﷺ لا يزال الناس يتسائلون حتى يقال : هذا خلق الله الخلق ، فمن خلق الله ؟ فمن وجد من ذلك شيئا فليقل ! أمنت بالله ، عن أبی هريرة ؓ ، صحيح مسلم ، حدیث نمبر:۱۳۴، باب بيان الوسوسة فی الايمان ، كتاب الايمان ۔

(۳) "إن النبي ﷺ نهى أن يبول الرجل في مستحمه ، وقال : ان عامة الوسواس منه ، عن عبد الله بن مغفل ؓ (الجامع الترمذی ،حدیث نمبر:۲۱،باب ما جاء في كراهية البول في المغتسل ،كتاب الطهارة)

وساوس کا علاج

سوال:- {14} مجھے ہمیشہ عجیب قسم کے خیالات آتے رہتے ہیں، کبھی لگتا ہے کہ میں ایک عظیم گلوکار بن گیا ہوں، کبھی لگتا ہے کہ میرے والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، میں ایسے خیالات سے چھٹکارا پانا چاہتا ہوں، اس کے لئے کوئی دعاء بتایئے؟ (الف، ب، ج، دھنے گاؤں)

جواب:- حضرت ابوہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے فلاں فلاں کو کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ یہ وسوسہ پیدا کرتا ہے کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب نوبت یہاں تک آجائے تو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہے اور ایسے خیال سے باز رہے''فلیتعوذ باللہ ولینتہ ''(۱) معلوم ہوا کہ نا مناسب خیالات کا علاج یہ ہے کہ بہ حد امکان ان خیالات کو دور کرنے کی کوشش کی جائے، اور تعوذ یعنی''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْم ''پڑھا جائے، آپ بھی اس پر عمل کریں اور ایسے خیالات اور وساوس سے حفاظت کی دعاء کا اہتمام کرتے رہیں، نیز طبیب سے بھی رجوع کریں؛ کیوں کہ بعض اوقات نفسیاتی اسباب کے تحت بھی ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

مسلمان کی توہین

سوال:- {15} انصار اپنے سسرال کے چند افراد سے

---

(۱) "قال رسول اللہ ﷺ :یأتی الشیطان أحدکم فیقول : من خلق کذاوکذا ؟ حتی یقول لہ : من خلق ربك ؟ فاذا بلغ ذلك فلیستعذ باللہ و لینتہ" عن أبي هريرة ﷺ ، (صحیح البخاری، حدیث نمبر:۳۲۷۶،باب صفة ابلیس و جنودہ ، کتاب بدء الخلق ،نیز دیکھئے:صحیح مسلم،حدیث نمبر:۱۳۴،کتاب الایمان)

ناراض ہے، وجہِ ناراضگی انصار کی توہین کرنا ہے، اب اگر انصار معافی تلافی ہونے تک اپنے سسرال آمد و رفت بند کردے تو اس کا یہ عمل کیسا ہے؟ (محمد عیسی)

جواب: - کسی بھی مسلمان کی توہین گناہ ہے، حدیث میں '' سبّ مسلم '' (مسلمان کو برا کہنے) کو باعث فسق قرار دیا گیا ہے، (۱) اس لئے انصار کے سسرال والوں کا یہ فعل نامناسب ہے، اگر تنبیہ کے لئے وہ آمد و رفت کا سلسلہ بند کردے تو کوئی حرج نہیں ہے؛ البتہ اپنی بیوی کو آمد و رفت سے نہ روکے۔

ٹی وی پر دیویوں اور دیوتاؤں کا پروگرام

سوال: - {16} ٹی وی پر دیوی اور دیوتاؤں سے متعلق پروگرام دکھائے جاتے ہیں، کیا ایسا پروگرام دیکھنا مسلمانوں کے لئے جائز ہے؟ (سید عبدالرحیم، بیدر)

جواب: - یوں تو ٹی وی کے اکثر پروگرام ہی دین و اخلاق کو برباد کرنے والے ہیں، اور اس کا نقصان اس کے نفع سے بہت زیادہ ہے، اور خاص کر ایسا پروگرام جو مشرکانہ نظریات کو مشتہر کرتا اور مرغوب بنا کر پیش کرتا ہو، مسلمانوں کے حق میں زہر ہلاہل سے کم نہیں، اور یہ گناہ بالائے گناہ ہے، اس لئے مسلمانوں کو اس سے خود بچنا اور اپنی نسلوں کو بچانا واجب ہے۔ وباللّٰہ التوفیق۔

---

(۱) " أن النبي ﷺ قال : سباب المسلم فسوق و قتاله كفر " عن عبد الله بن مسعود ، (صحيح البخاری ، حدیث نمبر:۴۸، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله و هو لا يشعر ، كتاب الايمان ، نیز ملاحظہ ہو : صحيح مسلم ، حدیث نمبر:۶۴، باب بيان قول النبي ﷺ سباب المسلم فسوق و قتاله كفر ، كتاب الايمان)

گناہ کبیرہ اور گناہ صغیرہ

سوال:- {17} ماں باپ پر ظلم کرنا، پڑوسیوں پر ظلم کرنا، جھوٹ بولنا، جھوٹی گواہی دینا، چغلخوری کرنا، چوری کرنا، سود لینا، سود دینا، جوا کھیلنا، شراب خوری، زنا کرنا، کسی کا حق مارنا، اور مسلم کا مسلم کے ذریعہ یا خود قتل کرنا، اور اللہ تعالی کی شخصیت میں کسی اور کو داخل کرنا اور اس کی عبادت کرنا —— مندرجہ بالا گناہ کون سے گناہ میں شامل ہیں؟ گناہ کبیرہ، گناہ صغیرہ میں کون کون سے گناہ داخل ہیں جو اللہ تعالی کبھی معاف نہیں کرتے، اور اگر بندہ اللہ تعالی سے دعا کرے اور توبہ کرے کہ میں آئندہ اس گناہ کو پھر سے نہیں کروں گا، تو اللہ تعالی اپنی رحمت سے وہ کون سے گناہ ہیں جو معاف کریں گے، جس کی بندہ کو امید رکھنی چاہئے اور وہ کون سا گناہ ہے جو اللہ تعالی کبھی معاف نہیں کریں گے؟ (محمد وہاج الدین، ناندیڑ)

جواب:- یوں تو اللہ تعالی کی جلالت شان کے اعتبار سے معمولی سے معمولی غلطی بھی ''غیر معمولی'' کے درجہ میں ہے، لیکن گناہوں پر وعید میں لب ولہجہ کی شدت اور نرمی کے اعتبار سے گناہ کی دو قسمیں کی گئی ہیں: صغیرہ یعنی چھوٹے گناہ، اور کبیرہ یعنی بڑے گناہ، خود قرآن مجید نے بھی اس تقسیم کی طرف اشارہ کیا ہے اور دو مقامات پر بعض گناہوں کو کبائر کا عنوان دیا گیا ہے، (۱) —— کون سے گناہ کبائر ہیں اور کون سے صغائر؟ اس سلسلہ میں قرآن وحدیث میں قطعی تحدید منقول نہیں، بخاری کی ایک روایت میں چار کبائر کا ذکر آیا ہے: ''شرک، والدین کی نافرمانی، قتل

(۱) ﴿إن تجتنبوا كبائر ما تنهون عنه نكفر عنكم سيآتكم و ندخلكم مدخلا كريما﴾ (النساء:۳۱)، ﴿ الذين يجتنبون كبائر الإثم و الفواحش إلا اللمم ﴾ (النجم:۳۲)

اور جھوٹی قسم“ (۱) ابو طالب مکی ” کا بیان ہے کہ ” بہ حیثیت مجموعی احادیث اور صحابہ ﷺ کے اقوال میں ستر کبائر کا ذکر ہے“ (۲)

اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ ، حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ اور حضرت عبداللہ ابن عمر ﷺ کے بیانات سے جن گناہوں کے کبائر ہونے کا غالب گمان ہوتا ہے، ان کا خلاصہ اس طرح ہے:

قلب سے متعلق گناہ: (چار): شرک، گناہ پر اصرار، اللہ کی رحمت سے مایوسی، اللہ کی پکڑ سے بے خوفی۔

زبان سے متعلق گناہ: (چار) : جھوٹی گواہی، بہتان تراشی، جھوٹی قسم، جادو۔

پیٹ سے متعلق گناہ: (تین): شراب نوشی، سود خوری، ظلماً یتیم کا مال کھانا۔

شرم گاہ سے متعلق گناہ: (دو): زنا، اغلام بازی۔

ہاتھ سے متعلق گناہ: (دو): قتل، چوری۔

پاؤں سے متعلق گناہ: (ایک): میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنا،

پورے جسم سے متعلق گناہ: (ایک): والدین کی نافرمانی۔ (۳)

گناہ کبیرہ کسے کہتے ہیں، اور اس کی تعریف کیا ہے؟ اس سلسلہ میں اہل علم سے بہت سے اقوال منقول ہیں، لیکن ان سب کا ماحصل یہی ہے کہ جس گناہ پر لعنت کی گئی ہو، وعید وارد ہو، اور عذاب وعتاب کی دھمکی دی گئی ہو، اور ان کے درجہ کے دوسرے گناہ جن کا نصوص میں ذکر نہیں،

---

(۱) "عن النبي ﷺ قال : أكبر الكبائر ، الاشراك بالله و قتل النفس ، و عقوق الوالدين، وقول الزور ، أو قال : و شهادة الزور ، عن انس بن مالك ، (صحيح البخاري ، حدیث نمبر: ۲۶۵۳، باب قول ما قيل في شهادة الزور ، كتاب الشهادات ، نیز دیکھئے: صحيح مسلم ، حدیث نمبر: ۸۸، باب بيان الكبائر و أكبرها ، كتاب الايمان)

(۲) احیاء العلوم: ۱۷/۴۔

(۳) حوالۂ سابق: ۱۸/۴۔

کبائر ہیں۔ کبائر پر عربی زبان میں مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں حافظ شمس الدین ذہبیؒ کی کتاب ''کتاب الکبائر'' بڑی اہم ہے، اور اردو زبان میں بھی اس کے متعدد ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔

شرک ایسا گناہ ہے جس کو اللہ تعالی معاف نہیں کرتے ، خود قرآن کریم میں اس کی صراحت موجود ہے،(۱) صغیرہ گناہ توبہ سے بھی معاف ہوتے ہیں، نیک کاموں سے بھی اور کبائر سے اجتناب برتنے کی وجہ سے بھی، کبیرہ گناہ اس وقت معاف ہوگا جب اس کے لئے مطلوب توبہ کی جائے ، یعنی اگر کسی گناہ پر شریعت نے قضاء، کفارہ یا فدیہ واجب قرار دیا ہے، تو اس کو پورا کیا جائے ، اگر حقوق الناس سے متعلق ہو، تو حق ادا کرے یا حق معاف کرالے، ہاں جو گناہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں اور ان کے لئے کوئی قضاء، کفارہ یا فدیہ واجب نہیں، ان کی بابت زبان سے استغفار اور خوب ندامت اور آئندہ اس گناہ سے بچنے کے عزم وارادہ کے ساتھ اللہ تعالی سے دعا اور اللہ کے سامنے پشیمانی ان گناہوں کی توبہ ہے، اور اللہ تعالی توبہ قبول فرماتے ہیں، جس کا قرآن مجید میں بے شمار مواقع پر ذکر موجود ہے۔ (۲)

آپ نے جن گناہوں کا ذکر کیا ہے وہ سب بھی کبائر میں داخل ہیں —— اللہ تعالی ہم سبھوں کی گناہ سے حفاظت فرمائے ، اور اپنی کوتاہیوں پر توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔

شراب نوشی سے عبادت رائیگاں

سوال:- {18} شراب پینے سے کیا چالیس دن کی عبادت ضائع ہوجاتی ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

---

(۱) ﴿إن الله لا يغفر أن يشرك به و يغفر ما دون ذلك لمن يشاء﴾ النساء:۴۸۔

(۲) ﴿و ادعوه خوفا و طمعا ان رحمت الله قريب من المحسنين﴾ (الاعراف:۵۶)

﴿وقال ربكم ادعوني استجب لكم﴾ (غافر:۶۰) محشی۔

جواب:- شراب پینا واقعی سخت گناہ ہے اور حدیث میں اس طرح کی بات آئی ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

''ہر نشہ پیدا کرنے والی چیز خمر ہے، نیز ہر نشہ آور شئ حرام ہے، جس نے نشہ آور شئ پی اس کی چالیس دنوں کی نماز ناقص ہوگئی پھر اگر وہ توبہ کرلے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمالیتے ہیں'' (۱)

بیماری —— گناہوں کا کفارہ

سوال:- {19} کیا بیماری گناہوں کا کفارہ ہے اور کیا کبیرہ گناہ بھی بیماری سے معاف ہوتے ہیں؟

(مرزا احمد عبدالقدوس بیگ، نظام آباد)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن کو جو بیماری لگتی ہے وہ اس کے گزشتہ گناہوں کے لئے کفارہ بن جاتی ہے، اور مستقبل کے لئے عبرت و موعظت کا باعث ہے، ''كانت كفارة لما مضى من ذنوبه وموعظة له فيما يستقبل ''(۲) یہ صرف صغائر کے لئے کفارہ بنتے ہیں، یا کبائر کے لئے بھی؟ حدیث میں اس کی صراحت نہیں، لیکن قرآن میں یہ بات فرمائی گئی ہے کہ جو شخص کبائر سے بچے گا، اللہ اس کی خطاؤں کو معاف فرمادیں گے۔ (۳)

---

(۱) سنن أبي داؤد :۲/ ۵۱۸، باب ماجاء في السكر ۔

" عن النبي ﷺ قال: كل مخمر خمر ، و كل مسكر حرام ، و من شرب مسكرا بخت صلاته أربعين صباحا ، فإن تاب تاب الله عليه " عن عبد الله بن عباس ﷺ (سنن أبي داود، حدیث نمبر:۳۶۸۰، باب النهي عن المسكر ، كتاب الأشربة)

(۲) سنن أبي داؤد ، حدیث نمبر:۳۰۸۹، باب الأمراض المكفرة للذنوب ، اول كتاب الجنائز ۔

(۳) ﴿إن تجتنبوا كبائر ما تنهون عنه نكفر عنكم سيآتكم﴾ (النساء:۳۱)

اس سے خیال ہوتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے صرف صغائر معاف ہوں گے، کبائر کے لئے توبہ کا اہتمام کرنا چاہئے کہ یہی احتیاط کا تقاضا ہے، ویسے اللہ تعالیٰ کریم وغفار ہیں، اس کی شان سے کیا بعید کہ کبائر کو بھی معاف فرمادے۔

دعا میں غلطی کی وجہ سے ایمان اور نکاح کی تجدید

سوال:- {20} پچھلے دنوں اخبارات میں یہ بات آئی کہ پاکستان میں ایک عالم صاحب نے نماز جنازہ کے بعد دعاء مانگی، دعاء کرنے میں کچھ غلطی ہوگئی اور کفریہ معنی پیدا ہوگئے، لوگوں نے اس پر اپنی ناواقفیت میں آمین کہا، بعد میں امام صاحب کو تنبہ ہوا اور انہوں نے لوگوں سے کہا کہ جتنے لوگوں نے آمین کہی ہے، وہ سب دوبارہ کلمہ پڑھیں، اور اپنے نکاح کی بھی تجدید کرائیں، کیونکہ وہ دائرہ ایمان سے باہر ہوگئے، لیکن امام صاحب نے خود اپنا تجدید نکاح نہیں کیا، جب امام صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ نے خود کلمہ نہیں پڑھا اور نکاح کی تجدید نہیں کی تو انہوں نے کہا کہ میں نے چونکہ آمین نہیں کہا تھا، اس لئے میں دائرہ ایمان سے باہر نہیں ہوا۔

(محمد امین الدین، ملے پلی)

جواب:- کفر کا معاملہ بہت نازک ہے، اور اسی لئے کسی بات پر کفر کا حکم لگانے میں بہت احتیاط کرنی چاہئے، چنانچہ فتوی دینے کے اصول میں یہ بات ایک قاعدہ کے طور پر تسلیم کی گئی ہے کہ اگر کسی بات کا ایسا معنی تلاش کیا جاسکتا ہو جو وجہ کفر نہ ہو، تو وہی معنی مراد لے کر کفر کا حکم لگانے سے اجتناب کیا جائے گا، اسی طرح اگر کوئی ایسی بات کہی گئی جس کو بعض اہل علم کفر قرار دیتے ہیں، اور بعض نہیں قرار دیتے، تو گو ان لوگوں کی رائے دلائل کے اعتبار سے زیادہ قوی

ہو جو اسے باعث کفر کہتے ہیں، پھر بھی ازراہ احتیاط ان لوگوں کی رائے کو ترجیح دی جائے گی جو اس پر کفر کا فتوی نہیں لگاتے، چنانچہ علامہ شامی ابن نجیم مصری ؒ سے نقل کرتے ہیں:

"والذی تحرر أنه لایفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامه علیٰ محمل حسن أو کان فی کفره اختلاف ولو روایة ضعیفة" (۱)

''جو بات منقح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جب تک کسی مسلمان کی بات کو اچھی صورت پر محمول کرنا ممکن ہو یا اس کے کفر ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہو گو اس سلسلہ میں ضعیف ہی روایت کیوں نہ ہو اس شخص کے کفر کا فتوی نہیں دیا جائے گا''

جہاں تک غلطی سے کفریہ کلمات زبان سے نکل جانے یا ناواقفیت میں ایسی بات کہہ جانے کا مسئلہ ہے تو اس سلسلہ میں خود حدیث نبوی سے بھی روشنی پڑتی ہے، حضرت انس ﷜ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

''تم میں سے کوئی شخص صحرائی علاقہ میں اپنی سواری پر ہو، اسی سواری پر اس کا کھانا پینا ہو، وہ گم ہو جائے اور وہ شخص اس سے مایوس ہو جائے پھر وہ ایک درخت کے پاس آیا، اور مایوسی کی حالت میں اسی کے سایہ میں لیٹ گیا، ابھی اسی حالت میں تھا کہ اچانک دیکھتا ہے کہ وہ سواری اس کے پاس کھڑی ہوئی ہے، اس نے اس کی نکیل تھامی، اور خوشی سے بے حال ہو کر کہنے لگا: اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب، یعنی فرط مسرت سے بولنے میں غلطی کر جائے، جب کوئی

(۱) رسم المفتی :/۸۳۔

بندہ اپنے خدا کے سامنے تائب ہوتا ہے تو اللہ کو اس سے بھی
زیادہ خوشی ہوتی ہے۔(۱)

اس حدیث سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ غلطی سے کلمۂ کفر زبان سے جاری ہوجانا جب کہ اس میں ارادہ اور اعتقاد کو دخل نہ ہو، موجب کفر نہیں، چنانچہ فقہاء نے بھی یہی بات لکھی ہے، مشہور فقہ حنفی کی کتاب فتاوی بزازیہ میں فرماتے ہیں:

" أما إذا أراد أن يتكلم بكلمة مباحة فجرى
على لسانه كلمة خطأ بلا قصد والعياذ بالله
لا يكفر "(۲)

" جب کوئی شخص مباح بات کہنا چاہے، اور زبان پر بلا
ارادہ غلط بات آجائے والعیاذ باللہ! تو اس کو کافر قرار نہیں
دیا جائے گا"

لہذا جو صورت آپ نے لکھی ہے، اور جو تفصیل اخبارات میں آئی ہے، اگر واقعی وہ درست ہے تو اس صورت میں آمین کہنے والوں پر کافر ہونے کا حکم لگانا درست نہیں، اور نہ ان کے تجدید نکاح کی ضرورت تھی، اور اگر آمین کہنے والے کافر ہوجائیں تو جس کی دعاء پر آمین کہی

---

(۱) "قال رسول الله ﷺ: لله أشد فرحا بتوبة عبده حين يتوب إليه من أحدكم كان على راحلة بارض فلاة فانفلتت منه، وعليها طعامه و شرابه، فأتى شجرة فاضطجع في ظلها، قد أيس من راحيلته فبينا هو كذلك إذ هو بها، قائمة، فأخذ بخطامها، ثم قال: من شدة الفرح: اللهمّ انت عبدي و أنا ربك، أخطأ من شدة الفرح، عن أنس بن مالك ﷺ، (صحيح مسلم، حدیث نمبر:۲،۲۷۴۷/۳۵۵،باب في الحض على التوبة و الفرح بها، كتاب التوبة) محشی۔

(۲) الفتاوى البزازيه على هامش الفتاوى الهندية :۶/۳۲۱،كتاب الفاظ تكون إسلاما أو كفرا أو خطأ۔

جائے وہ تو بدرجہ اولی کافر ہو جائے گا، اس لئے امام صاحب کا لوگوں کی تجدید نکاح کرانا اور اپنا دامن بچائے رکھنا سمجھ میں نہیں آتا۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہئے کہ اخبارات میں جن صاحب کا نام آیا ہے، وہ غیر معروف نام ہے، کسی ذمہ دار عالم دین نے اس طرح کا فتوی نہیں دیا ہے، دوسرے آج کل ذرائع ابلاغ اسلام کو بدنام کرنے اور مسلمانوں اور خاص کر علماء کی تصویر خراب طریقہ پر پیش کرنے کے لئے خبریں گھڑتے بھی ہیں، اور اس میں کمی بیشی بھی کرتے ہیں، اس لئے بہ ظاہر یہ خبر مشکوک ہے اور عجب نہیں کہ علماء کو بدنام کرنے اور ان کو شدت پسند ثابت کرنے کے لئے لوگوں نے اسطرح کی بات اڑائی ہو، اس لئے مسلمانوں کو ایسی اخباری اطلاعات کے بارے میں چوکنا رہنا چاہئے اور ان پر آنکھ بند کر کے یقین نہیں کرنا چاہئے۔

اگر کوئی فتوی قبول نہ کرے؟

سوال:- {21} زید کے تعلق سے ایک صاحب نے فتوی منگوایا، لیکن زید اس فتوی کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہے، ایسے شخص کے ساتھ اسلامی معاشرہ میں کیا سلوک روا رکھا جائے؟ (بی، ٹی وسیم الدین، تاجر چرم، باکارم)

جواب:- اگر درست سوال کیا گیا ہو، اور اس فتوی کے بارے میں ارباب افتاء کے درمیان اختلاف رائے نہ ہو، تو زید کا فتوے کے قبول کرنے سے انکار کرنا سخت گناہ کی بات ہے، اور تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ سماجی طور پر بھی اسے فتوی کو قبول کرنے پر مجبور کریں۔

کرامات اولیاء کی حقیقت

سوال:-{22} کرامات اولیاء اللہ میں مردوں کو زندہ

کرنے کے کئی واقعات درج ہیں، لیکن حضرات صحابۂ کرام ﷺ سے ایسا ایک واقعہ بھی پڑھنے میں نہیں آیا، آخر اس کی کیا حقیقت ہے؟ (علی، سعید آباد)

جواب:- کرامات حق ہیں، اور ان کا صدور ممکن ہے،(۱) البتہ کرامات کا ظہور کوئی دلیلِ فضیلت نہیں ہے، اس لئے اگر بعد کے لوگوں سے ایسی کرامتوں کا صدور ہو جائے، جن کا صحابہ ﷺ سے نہیں ہوا ہے، تو یہ ان کی عظمت کی دلیل نہ ہوگی، اصل مطلوب شریعت اور سنت کی اتباع ہے، ویسے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعد کے ادوار میں اور بالخصوص عجمی ممالک میں توہمات اور عقیدت میں غلو کے باعث ایسے بہت سے واقعات مشہور بھی کر لئے گئے ہیں جن کی کوئی اصل نہیں۔

عملیات کے غیر شرعی طریقے

سوال:- {23} ایک شخص جو قصبہ...... کی جامع مسجد میں امامت کر رہا ہے، اپنے آپ کو عالم و فاضل، مفتی کہتا ہے، یہ شخص امامت کرتے ہوئے تعویذ گنڈے، پلیتے نجومی، حاضرات کا عمل کرتا ہے، گھروں میں شیطان ہے، دفینہ ہے، اور عورتوں پر جن، شیاطین، زسو وغیرہ ہے، کہہ کر ہزاروں روپیہ لوگوں سے وصول کر کے عمل کرتا ہے، لاولد عورتوں کو بچے ہونے کا یقین دلاتا ہے، اب تک جہاں بھی اس نے عمل کیا ہے کوئی فائدہ نہیں پہنچا ہے، کیا غیب کی باتیں حاضرات لگا کر کہنا درست ہے، اور کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہو سکتی ہے؟ (مصلیان قصبہ، ضلع محبوب نگر)

(۱) ''والکرامات للأولیاء حق'' شرح فقه اکبر: ص:۱۱۳۔

جواب:- نجومی کا عمل کرنا اور قسمتوں کے حال بتانا سخت گناہ بلکہ قریب بہ کفر ہے، (۱) حاضرات کے عمل کی شرعاً کوئی حقیقت نہیں، نہ قرآن وحدیث سے اس کا کوئی ثبوت ہے۔ جیسے انسان جھوٹ بولتا ہے، اجنہ اور شیاطین بھی جھوٹ بول سکتے ہیں، بلکہ ان کے جھوٹ بولنے کا گمان زیادہ ہے، لہذا ان کی باتوں پر اعتقاد کرنا قطعاً جائز نہیں، اور عامل حضرات عام طور پر یہی کرتے ہیں، دفینہ وغیرہ کی اطلاع جو عامل حضرات دیتے ہیں ان کی بھی شرعاً کوئی اصل نہیں، زمین کے اندر جو اجزاء ہیں ان کے جاننے کے لئے سائنسی ذرائع موجود ہیں، جن سے ہزاروں فٹ نیچے موجود معدنیات کا پتہ لگایا جاتا ہے اور روزمرہ کا مشاہدہ ہے، اس لئے اگر کہیں دفینہ کا گمان ہو تو سائنٹفک طریقہ سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ عورت ہو یا مرد، ان پر جنات کا ورود ہو سکتا ہے، ان کے تدارک کے لئے حدیث میں دعائیں منقول ہیں، جنہیں پڑھنا چاہئے، جنات اتارنے کے لئے غیر محرم کے ساتھ تنہائی یا اس کے جسم کو ہاتھ لگانا جائز نہیں، یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ بعض نسوانی امراض کی وجہ سے بھی دماغی اور عقلی کیفیت پر مضر اثر مرتب ہوتا ہے، اور عورتیں مجنونانہ گفتگو کرنے لگتی ہیں اور لوگ آسیب، جادو سمجھ کر مرض بڑھاتے چلے جاتے ہیں، اس لئے اگر ایسی کوئی بات پیش آجائے تو ڈاکٹروں سے رجوع کرنا چاہئے کہ اللہ نے ہر بیماری کا علاج پیدا فرمایا ہے۔

امام صاحب کو غیر شرعی عملیات اور اس کو ذریعہ معاش بنانے سے بچنا چاہئے، اگر اوپر ذکر کی گئی تفصیل کے مطابق امام صاحب غیر شرعی طریقہ اختیار کرتے ہوں تو ذمہ داران مسجد ان کو منع کریں، کیونکہ یہ باعث فسق ہے، اور فاسق کی امامت مکروہ ہے، البتہ ایسی صورت اختیار کرنے سے بچا جائے، جس سے مسلمانوں میں اختلاف وانتشار کی صورت پیدا ہو۔

---

(۱) "أن رسو الله ﷺ قال: من أتى كاهنا فصدقه بما يقول ... فقد بري مما أنزل الله على محمد" عن أبي هريرة ﷺ، (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۳۹۰۴، باب في الكاهن، كتاب الطب، نیز دیکھئے: صحيح البخاری، حدیث نمبر: ۳۲۱۰، صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۵۳۷)

نظر اور اس کا مسنون علاج

سوال:- {24} نظر اتارنے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ اکثر جو آگ کے اطراف سے وار کر پھیرتے ہیں، جس میں پوجا کی مشابہت ہوتی ہے، کیا یہ درست ہے؟ (س، ج، حسن آباد)

جواب:- نظر لگنا حق ہے، حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "العین حق" (۱)

"حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں آپ ﷺ نے ایک لڑکی کو دیکھا، جس کے چہرہ پر دھبہ تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا جھاڑ پھونک کرو، کہ اس پر نظر کا اثر ہے" (۲)

نظر لگنے کے لئے بد نیتی ضروری نہیں۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کسی کو نیک نیتی سے دیکھے، اور دیکھنے والے کو بھا جائے، اور جس کو دیکھ رہا ہے اس کو اس کی نظر لگ جائے، چنانچہ حضرت ابو اسامہ ﷛ سے مروی ہے کہ

"ان کے والد سہل بن حنیف ﷛ نے غسل کے لئے جبہ اتارا وہیں پر حضرت عامر بن ربیعہ ﷛ تھے، حضرت سہل ﷛ کا رنگ بہت کھلا ہوا تھا، عامر کہنے لگے کہ میں نے آج کی طرح خوبصورت بدن کبھی نہیں دیکھا، یہاں تک کہ کنواری لڑکی

---

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۷۴۰، باب العین حق، کتاب الطب۔ محشی۔

(۲) "أن النبي ﷺ رأى في بيتها جارية في وجهها سفعة، فقال: استرقوا لها، فإن بها النظرة" عن أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنها، (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۷۳۹، باب رقية العين، کتاب الطب، نیز دیکھئے: صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۱۹۷، باب استحباب الرقية من العين، والنملة، و الحمة و النظرة، کتاب السلام) محشی۔

تک کا بھی نہیں، یہ سننا تھا کہ حضرت سہل ﷛ کو درد شروع ہوا اور تڑپ اٹھے، رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ تم لوگ کیوں اپنے بھائی کے قتل کے درپے ہوتے ہو، ایسے موقعہ پر تم نے "بَـارَکَ اللّٰـه" کیوں نہیں کہا، پھر ان کو حکم فرمایا کہ وہ وضو کریں، اور وہ پانی حضرت سہل ﷛ پر ڈالا گیا، حضرت سہل ﷛ فوراً ہی صحت مند ہو گئے۔(۱)

پرشاد کھانے کا حکم

سوال:- {25} بعض غیر مسلم دوست پوجا کا پرشاد ہم لوگوں کو لا کر دیتے ہیں، تا کہ ہم بھی ان کی خوشی میں شریک ہوسکیں، کیا ایسے پرشاد کا کھانا جائز ہے؟

(احسن، ملک پیٹ، عبدالباسط قادری، عیدی بازار)

جواب:- غیر مسلموں کے ایسے تحفے قبول کرنے جائز ہیں جن کا تعلق مذہبی تہواروں سے نہ ہو، جیسے شادی بیاہ، بچے کی پیدائش، یا کسی اور خوشی کے موقعہ پر مٹھائی یا تحفہ دیں، تو اسے کھایا جا سکتا ہے،(۲) لیکن جو مٹھائی بتوں پر چڑھائی گئی ہو، اور ایسے ہی چڑھاوے کی مٹھائی کو

(۱) الموطأ لإمام مالك ، حديث نمبر:۱۳۹۰۔

(۲) "وقال أبو حميد أهدىٰ ملك أيلة للنبي ﷺ بغلة بيضاء ، و كساه بردا ، وكتب له ببحرهم ، أن يهودية أتت النبي بشاة مسمومة فأكل منها" عن أنس بن مالك ﷛ ،(صحيح البخاري ، حديث نمبر:۲۶۱۷،باب قبول الهدية من المشركين ، كتاب الهبة)

"وأن اجابة الدعوة و لو لأهل الذمة سنة" (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية : ۴۳۲/۶،النوع السادس في التشبه ، كتاب الفاظ تكون اسلام أو كفرا أو خطأ)

یہ حضرات پرشاد کہتے ہیں، تو ان کا کھانا جائز نہیں، گو یہ ذبیحہ نہیں، لیکن قرآن مجید نے بتوں کے نام پر اور آستانوں پر ذبح کئے گئے جانوروں کو جس سبب سے حرام قرار دیا ہے، وہ یہی ہے کہ ان کے ذریعے شرک کی تعظیم کی گئی ہے، اور یہ بات پرشاد اور چڑھاوے میں بھی پائی جاتی ہے۔

گائے کے پیشاب سے آلودہ پرشاد

سوال:- {26} غیر مسلم دوکانوں میں پوجا کرتے ہیں، تو اس کا پرشاد بازو کے دوکانوں کو بھی دیتے ہیں، نیز ہم نے سنا ہے کہ وہ لوگ جس چیز کی پوجا کرتے ہیں، اس پر گائے کا پیشاب بھی چھڑکتے ہیں، تو کیا اس کا کھانا حرام ہے؟

(محمد احمد، گلبرگہ)

جواب:- جو چیز بتوں پر چڑھائی گئی ہو اس کا کھانا جائز نہیں ہے، (۱) اور گائے کا پیشاب ناپاک ہے، اس لئے اگر گائے کے پیشاب کے چھڑکاؤ کی اطلاع صحیح ہو تو اس کے حرام ہونے کے دو اسباب جمع ہیں، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

دیوالی پر عیدی

سوال:- {27} دیوالی کے موقع پر دھوبی وغیرہ عیدی کے لئے چراغ کے ساتھ گھر آتے ہیں، تو کیا ان کو اس موقع پر عیدی دینا جائز ہے؟

(رحیم الدین، کریم نگر)

جواب:- غیر مسلم بھائیوں کے تہوار ان کے مذہبی تصورات پر مبنی ہوتے ہیں، ہمارے لئے اس میں تعاون یا کسی طرح کی شرکت جائز نہیں، اس لئے انہیں اس سلسلہ میں محبت کے

---

(۱) ﴿حرمت عليكم الميتة و الدم و لحم الخنزير و ما أهل لغير الله به ... و ما ذبح على انصب﴾ (المائدة:۳) محشی۔

ساتھ سمجھا کر معذرت کردینی چاہئے، ہاں کسی غیر مسلم بھائی کی ذاتی ضروریات میں مدد کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن اور باعث ثواب ہے۔

غیر مسلموں کے مذہبی کاموں میں چندہ

سوال:- {28} کیا غیر مسلموں کے مذہبی کاموں میں چندہ دینا جائز ہے، جب کہ مجبوراً دینا پڑ رہا ہو۔

(حسیب نظام آبادی، پھولانگ)

جواب:- غیر مسلم بھائیوں کی انسانی نقطۂ نظر سے مدد کرنا جائز بلکہ باعث ثواب ہے، لیکن مذہبی کاموں میں چندہ دینا جائز نہیں، کیونکہ یہ عملاً ان کے فکر وعقیدہ کی تصدیق وتوثیق ہے، اس لئے فقہاء نے بڑی شدت سے اس طرح کے عطایا کو منع کیا ہے:

"أهدى إلى بعض المشركين بيضة يريد به تعظيم ذلك اليوم فقد كفر بالله" (۱)

اگر چندہ دینے پر مجبور ہو جائے اور نہ دینے کی صورت میں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو تو چندہ مانگنے والے کو یہ کہہ کر دے دے کہ میں تم کو دیتا ہوں، اب تم جہاں چاہو خرچ کرو تاکہ کم سے کم فعل شرک میں براہ راست تعاون نہ ہو۔

غیر مسلموں کے تہواروں میں شرکت اور مبارکباد

سوال:- {29} مسلمانوں کا غیر مسلموں کی عید کے دن پوجا کی محفل میں شریک ہونا اور دسہرہ کی مبارکباد دینا، کیا درست ہے؟ (سید اسد اللہ حسینی، مانصاب ٹینک)

جواب:- غیر مسلموں کے تہوار ظاہر ہے کہ ان کے مشرکانہ اعتقادات پر مبنی ہوتے ہیں،

---

(۱) الفتاوى التاتار خانية: ۵/۵۲۳۔

اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے شرک سے براءت اور بے تعلقی کا اظہار ضروری ہے، اس لئے ان تہواروں میں مسلمانوں کا شریک ہونا جائز نہیں، فقہاء نے بھی بہت سختی کے ساتھ اس سے منع فرمایا ہے۔

فتاوی بزازیہ میں ہے:

"الخروج إلى نيروز المجوس والموافقة معهم فيما يفعلونه في ذلك اليوم كفر" (۱)

چونکہ یہ تہوار مشرکانہ فکر پر مبنی ہے، اس لئے ان پر مبارک باد دینا گویا ان کے نقطۂ نظر کی تائید ہے، اس لئے اس سے بھی گریز کرنا چاہئے۔ چنانچہ فقہاء نے مجوسیوں کو نیروز کی مبارک باد دینے سے منع کیا ہے اور اس سلسلہ میں کہا ہے:

"قال مسلم خوب سيرت نهادند يكفر" (۲)

البتہ غیر مسلموں کی غیر مذہبی تقریبات جیسے شادی بیاہ، بچے کی پیدائش، دکان کا افتتاح اور اس طرح کے دوسرے مواقع پر غیر مسلم بھائیوں کی محفلوں میں شریک ہوا جا سکتا ہے۔ (۳)

غیر مسلموں کے تہوار میں شرکت

سوال:- {30} بعض غیر مسلم حضرات مسلمانوں کے تہوار میں شریک ہوتے ہیں، کیا مسلمانوں کے لئے بھی ان کے تہوار میں شرکت جائز ہے؟ (احمد علی، شالی بنڈہ)

---

(۱) الفتاوى البزازية على هامش الهندية :۳۳۳/۶، النوع السادس في التشبيه، كتاب الفاظ تكون اسلاما أو كفرا أو خطأ۔

(۲) الفتاوى التاتارخانية:۵۲۲/۵، ملاحظہ ہو: الفتاوى البزازيه :۳۳۳/۶۔

(۳) "اتخذ مجوسي دعوة لحلق رأس ولده، و دعا الناس إليه فحضرة بعض المسلمين و أهدى إليه شيئا لا يكفر ... و إن إجابة الدعوة و لو لأهل الذمة سنة" (الفتاوى البزازية على هامش الهندية :۳۳۳/۶)

جواب:- مذہبی تہواروں کی جڑیں، عقیدہ اور مذہبی نظریات میں پیوست ہوتی ہیں، غیر مسلم بھائیوں کے جو تہوار ہیں، ان میں مشرکانہ تصورات کہیں نہ کہیں ضرور موجود ہیں، اس لئے ان میں شرکت جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ سے مسلمانوں نے ایرانیوں کے طرز پر موسم بہار کی آمد اور اس موسم کے اختتام پر تہوار منانے کی اجازت چاہی لیکن آپ ﷺ نے اجازت نہیں دی، (۱) پھر اس میں غیر مسلم اقوام سے مماثلت بھی ہے، سورج نکلنے، ڈوبنے اور نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے سے منع کیا گیا، کیونکہ یہ آفتاب پرست قوم اور دوسری قوموں میں عبادت اور پوجا پاٹ کا خصوصی وقت ہے، (۲) تو جب اسلام کو غیر مسلموں کے تہواروں سے، یہاں تک کہ ان کی عبادتوں کے اوقات سے بھی، مماثلت گوارا نہیں تو ان کے تہواروں میں شرکت کیسے جائز ہوسکتی ہے؟

بعض حضرات اس کو مذہبی رواداری سمجھتے ہیں، لیکن یہ ناسمجھی کی بات ہے، رواداری ''مذہب فروشی'' کا نام نہیں، یہ تو بے ضمیری کی بات ہوگی، رواداری اپنے عقیدہ اور مذہب پر رہتے ہوئے دوسروں کو برداشت کرنے اور دوسری قوموں کے مذہبی معاملات میں عدم مداخلت کی پالیسی پر قائم رہنے کا نام ہے۔

غیر مسلم سے چندہ

سوال:- {31} غیر مسلم سے چندہ اور عطیہ لینا کیسا ہے؟ (سید علی مرتضیٰ، چنچل گوڑہ)

---

(۱) مشکوۃ المصابیح بحوال سنن أبی داؤد، حدیث نمبر: ۱۴۳۹۔

(۲) " فإن الصلاۃ محضورۃ مشھودۃ إلی طلوع الشمس، فإنھا تطلع بین قرنی الشیطان و ھي ساعۃ صلاۃ الکفار فدع الصلاۃ حتی ترفع قید رمح و یذھب شعاعا " (عن عمرو بن عتبۃ، سنن النسائی، حدیث نمبر: ۵۸۳، باب النھي عن الصلاۃ بعد العصر)

جواب:- غیر مسلم سے چندہ لینا درست اور جائز ہے، بشرطیکہ اس بات کا اندیشہ نہ ہو کہ وہ کل ہو کر اپنے تہوار اور عبادت گاہ کے لیے چندہ کا مطالبہ کریں گے۔(۱)

گنیش تہوار میں چندہ

سوال:- {32} ہمارے ضلع نظام آباد میں گنیش تہوار کے موقع پر کچھ ہندو لوگ چندہ مانگنے آتے ہیں، کیونکہ ہمارا کاروبار اسی علاقہ میں ہے، جہاں گنیش کی مورتیاں بیٹھائی جاتی ہیں، تو ہمیں وہ لوگ چندہ دینے پر مجبور کرتے ہیں، ہم لوگوں کو مجبوراً چندہ دینا پڑتا ہے، اس سلسلہ میں اسلامی نقطۂ نظر کیا ہے؟　　(س، ج)

جواب:- کسی بھی مذہب کے تہوار کا تعلق فکر وعقیدہ سے ہوتا ہے، گنیش تہوار کی بنیاد ظاہر ہے کہ مشرکانہ عقیدہ پر ہے، اور کسی مسلمان کے لئے شرک کے کاموں میں تعاون جائز نہیں؛ اس لئے نہ دوسروں کے مذہبی تہواروں میں پیسے دینا جائز ہے، اور نہ اپنی مذہبی تقریبات کے لئے دوسروں سے جبراً چندہ وصول کرنا درست ہے، آپ انہیں سمجھائیں اور اگر فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو، تو یہ کہہ کر دے دیں کہ میں تمہاری ذات کے لئے دے رہا ہوں کہ اس میں ایک حد تک شرک میں تعاون کے گناہ سے بچا جا سکتا ہے۔

''مورتی پوجا'' پر مبارک بادی

سوال:- {33} ہندوستان کے بہت سے علاقوں میں مسلمان اور ہندو گھلے ملے رہتے ہیں، دعوت وتقریب، خوشی و

---

(۱) "بدليل صحته من الكفار" (الدر المختار) "بخلاف الوقف فإنه لا بد فيه من أن يكون في صورة القربة و هو معنى ما يأتي في قوله و يشترط أن يكون قربة في ذاته إذ لو اشترط كونه قربة حقيقة لم يصح من الكفار" (شامي: ۳/۳۵۸)

غم میں ایک دوسرے کے شریک رہتے ہیں، ہندوؤں کے یہاں بعض مخصوص دنوں میں ''مورتی پوجا تیوہار'' منایا جاتا ہے، کیا کسی مسلمان کے لئے گنجائش ہے کہ انہیں اس تیوہار کی مبارک باد دیں؟　　　(محمد ریاض، نلگنڈہ)

جواب:- اسلام ایسا مذہب ہے جو اپنے عقیدہ پر ثابت قدمی کے ساتھ ساتھ دوسرے مذاہب سے رواداری کے سلوک کی تعلیم دیتا ہے، لیکن اس رواداری کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ انسانی اخلاق وسلوک میں دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ بھی فراخدلی کا مظاہرہ کیا جائے اور ان کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی سے بچا جائے، ان کے دیویوں۔ دیوتاؤں اور بزرگوں کو برا بھلا نہ کہا جائے، یہاں تک کہ اسلامی حکومت میں بھی غیر مسلموں کو اگر ان کے مذہب میں شراب پینے کی اجازت ہو، تو شراب پینے کی اجازت ہوگی اور اگر ان کا مذہب کسی محرم سے نکاح کو جائز رکھتا ہے، تو حکومتِ اسلام اس میں کوئی دخل نہیں دیگی، البتہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ مسلمان عقیدہ اور مذہب کے معالات میں ''لو اور دو'' کا رویہ اختیار کریں، اس مسئلہ میں اسلام کی غیرت کا حال یہ ہے کہ اس نے دوسری قوموں سے تشبہ سے سختی سے منع کیا ہے، پیغمبر اسلام ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''من تشبه بقوم فهو منهم ''(۱) اسلام کے تمام احکام کی اصل بنیاد ''توحید'' پر ہے، اور اس میں ادنیٰ درجہ لچک اختیار کرنے کی گنجائش نہیں، اس لئے کسی ''مورتی پوجا تیوہار'' پر مبارک باد، اظہارِ مسرت اور اس طرح کے مشرکانہ عقیدہ کے مظہر جلوس کا استقبال کرنا قطعاً جائز نہیں۔ (۲)

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۴۰۳۱، عن ابن عمر ؓ، باب في لبس الشهرة ۔

(۲) ''و ما جرت العادة في سمرقند بنصب أمير نورور و اجتماع الناس و خروجهم إلى آب رحمه و اجتماعهم فيه ثلاثة أيام ، و إهداء الناس إلى أمير نوروز فلا شك انهم إذا أرادوا تعظيم اليوم بذلك كفروا ، و إن أرادوا غير ه فالأصوب و الأوجب تركه '' (الفتاوى البزازية على هامش الهندية : ۶/۳۳۴)

دلت بھائی کے ساتھ سلوک

سوال:- {34} میرا مکان ایک گاؤں میں ہے، وہاں کم ذات کا ایک غیر مسلم میرے پاس نوکر ہے، وہ لباس وغیرہ میں صفائی ستھرائی کا اہتمام کرتا ہے، ذات کے اعتبار سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے اکثر گھروں میں اس کا برتن الگ کر دیا جاتا ہے، اور اس کو نیچے بٹھایا جاتا ہے، کیا مسلمان ہونے کے اعتبار سے ہمیں اس کے ساتھ یہی عمل کرنا چاہئے؟ یا اسے ساتھ کھلایا اور بٹھایا جا سکتا ہے؟ (عبداللہ، نرمل)

جواب:- اسلام میں تمام انسان ایک ہی باپ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور پیدائشی اعتبار سے ان میں کوئی بڑا یا چھوٹا نہیں، اس لئے آپ کو چاہئے کہ ان کے ساتھ برادرانہ برتاؤ رکھیں، ساتھ بٹھائیں، کھلائیں، پلائیں اور انسانی بھائی چارہ کے نقطۂ نظر سے انہیں عزت و احترام کا مقام دیں، اور دوسرے مسلمانوں کو بھی اس کی تلقین کریں، یہ آپ کی طرف سے ان کے حق میں حق اور ہدایت کی طرف آنے کی خاموش دعوت ہوگی، کسی انسان کو کم ذات اور حقیر سمجھنا خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، درست نہیں۔

غیر مسلم بھائی کے ساتھ حسن سلوک

سوال:- {35} کسی غیر مسلم کی مدد کرنا، اسے خیرات کرنا، یا غیر مسلم مسافر کو لفٹ دینا کیا باعث ثواب ہے؟

(سید بلال، فلک نما)

جواب:- اسلام نے تمام انسانوں کی مدد کرنے اور ان کے ساتھ بہتر برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں کی مہمان نوازی کی ہے؛ چنانچہ وفد بنو نجران اور عدی

بن حاتم وغیرہ کی مہمان نوازی کا واقعہ مشہور ہے، اسی طرح آپ ﷺ نے یہودی بچہ کی بیماری پر اس کی عیادت کی ہے، (۱) ان کی مدد فرمائی ہے، (۲) ان کو تحائف دیئے ہیں، (۳) اور ان کے ساتھ اکرام واحترام کا معاملہ کیا ہے، غزوۂ بدر کے قیدیوں کے ساتھ آپ ﷺ نے جو حسن سلوک فرمایا، تمام اہل سیر نے اس کا ذکر کیا ہے؛ اس لئے غیر مسلم بھائیوں کی مدد کرنی چاہئے، اس پر بھی اجر وثواب ہے، البتہ زکوۃ کی رقم صرف مسلمانوں پر خرچ کرنے کا حکم ہے۔

غیر مسلم بھائی کو سلام کا جواب

سوال:- (36) بعض غیر مسلم لوگ مسلمانوں کو

---

(۱) "أن غلاما يهوديا، كان يخدم النبي ﷺ، فمرض فأتاه النبي ﷺ يعوده، فقال: أسلم، فأسلم" عن أنس ﷺ، (صحيح البخاری، حدیث نمبر: ۵۶۵۷، باب عيادة المريض، كتاب المرض)

و قال سعيد بن المسيب عن أبيه: لما حضر أبو طالب جائه النبي ﷺ. (حوالہ سابق)

(۲) "أن عمر بن الخطاب ﷺ قال: يا رسول الله ﷺ! انه كان على اعتكاف يوم في الجاهلية فأمره أن يفي به، قال: و أصاب عمر جاريتين من سبي حنين، فوضعهما في بعض بيوت مكة، قال فمن رسول الله ﷺ على سبي حنين، فجعلوا يسعون في الفكّ" عن نافع، (صحيح البخاری، حدیث نمبر: ۳۱۴۴، باب ماكان النبي ﷺ يعطى المؤلفة قلوبهم و عيونهم من الخمس و نحوه، كتاب فرض الخمس، نیز دیکھئے: صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۱۶۵۶)

(۳) "رأى عمر حلة على رجل تباع، فقال للنبي ﷺ: ابتع هذه الحلة تلبسها يوم الجمعة و إذا جائك الوفد، فقال: انما يلبس هذا من لا خلاق له في الآخرة، فأتى رسول الله ﷺ منها بحلل، فأرسل إلى عمر منها بحلة، فقل عمر كيف ألبسها و قد قلت فيها ما قلت ؟ قال: إني لم أكسكها لتلبسها، تبيعها أو تكسوها، فأرسل بها عمر إلى أخ له من أهل مكة، قبل أن يسلم" عن ابن عمر ﷺ (صحيح البخاری، حديث نمبر: ۲۶۱۹، باب الهدية للمشركين، كتاب الهبة)

''السلام علیکم '' کہتے ہیں، ان غیر مسلموں کو جواب میں
کیا کہنا چاہئے؟ (مرزا الطاف بیگ، کلوا کرتی)

جواب: - ایسے لوگوں کو جواب میں ''وعلیکم '' کہنے پر اکتفا کیا جائے، (۱) فقہاء نے لکھا ہے:

" ولو سلم يهودي أو نصراني أو مجوسي على مسلم فلا بأس بالرد ولكن لا يزيد على قوله : "وعليك " (۲)

اگر اندیشہ ہو کہ مکمل جواب نہ دینے کو وہ محسوس کریں گے اور برا مانیں گے تو '' وعلیکم السلام '' بھی کہنے کی گنجائش ہے، لیکن سلام سے ہدایت مراد لی جائے، کیونکہ ہدایت سے بڑھ کر کوئی سلامتی نہیں، اس طرح یہ ان کے حق میں ہدایت کی دعا ہوگی اور مسلمان پر حق ہے کہ وہ غیر مسلم بھائیوں کے لئے ہدایت کی دعا کریں۔

دوسری قومیں مسلمانوں سے زیادہ باعزت کیوں؟

سوال: - {37} آج عیسائیوں کی آبادی مسلمانوں سے زیادہ ہے اور دوسری قومیں زیادہ عزت کی حالت میں ہیں، ایسا کیوں ہے؟ (مرتضی احمد، جلپلی، حیدرآباد)

جواب: - اوّلاً تو مجھے اس سے اتفاق نہیں کہ عیسائیوں کی آبادی زیادہ ہے، یہ محض نام کی عیسائیت ہے، حقیقی عیسائیت تو آج دنیا سے ناپید ہے اور صفر کے درجے میں ہے، دوسرے

---

(۱) قال رسول الله ﷺ: " إذا سلم عليكم أهل الكتاب فقولوا : " و عليكم " عن أنس بن مالك ﷺ، (صحيح البخاري، حدیث نمبر:۶۲۵۸، باب كيف الرد على أهل الذمة بالسلام، كتاب الاستئذان، نیز دیکھئے: صحيح مسلم، حدیث نمبر:۲۱۶۳)

(۲) الدر المختار على هامش رد :۹/۵۹۱۔

کثرت ''مقبولیت'' کی دلیل نہیں ہوتی، حضرت نوح علیہ السلام نے طویل عرصہ دعوت حق کا کام کیا، لیکن چند ہی لوگوں نے ان کی دعوت قبول کی اور باقی سارے لوگ شرک ہی پر مصر رہے، تو (نعوذ باللہ) یہ ان کی دعوت کے عند اللہ نامقبول ہونے کی دلیل ہے؟

جہاں تک عزت وذلت کی بات ہے تو ہم نے خود ہی اپنی ذلت کا سروسامان کیا ہے، (۱) اللہ تعالیٰ کی کون سی نافرمانی ہے جو آج ہم سے نہیں ہوتی؟ اور سنت اللہ یہی ہے کہ غیر مسلموں کے معاملہ میں تو ''امہال'' یعنی ڈھیل سے بھی کام لیا جاتا ہے، (۲) لیکن اہل ایمان پر دنیا ہی میں مؤاخذہ ہوتا ہے، تاکہ یہ ان کے لئے تنبیہ کا باعث ہوسکے۔

''کافر مسلمان کے دوست نہیں ہوسکتے'' سے مراد

سوال:- {38} قرآن کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ کافر مسلمانوں کے دوست نہیں ہوسکتے؟

(مقصود عالم، صلالہ)

جواب:- قرآن مجید کا منشاء یہ ہے کہ مذہبی حیثیت سے کافر کسی مسلمان کا حقیقی دوست اور سچا خیر خواہ نہیں ہوسکتا، سماجی یا اقتصادی مزاج ومذاق کی ہم آہنگی اور علاقہ وزبان کے اتحاد کی بنیاد پر تو ایک دوسرے کے ساتھ ذاتی دوستی ہوسکتی ہے، لیکن ایک مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان ایمان وکفر کی جو خلیج حائل ہے وہ مذہبی اور فکری سطح پر ایک دوسرے کی دوستی میں ضرور حائل ہوگی، اس لئے مسلمانوں کو اعتقادی اور تہذیبی اعتبار سے غیر مسلموں کی بہت زیادہ قربت سے بچنا چاہئے، ورنہ ان کے لئے نقصان کا اندیشہ ہے، اسی لئے اہل علم نے موالات اور مواسات میں

---

(۱) ﴿ما أصابتكم من مصيبة فبما كسبت ايديكم﴾ (الشورى: ۳۰)

(۲) ﴿و املى لهم ان كيدى متين﴾ (القلم: ۴۵)، " الثانية: نهى الله عز و جل المؤمنين بهذه الآية أن يتخذوا من الكفار و اليهود و أهل الهواء دخلا و لجاء يفاء وضونهم في الآراء، و يستندون إليهم أرائهم " (القرطبي: ۴/۱۷۹)

فرق کیا ہے، غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک ''مواسات'' ہے اور یہ مطلوب ہے اور غیر مسلموں سے ایسا تعلق کہ آدمی ان کا اثر قبول کرنے لگے ''موالات'' ہے، اور یہ جائز نہیں۔ (۱)

عیسائی دوست کی دعوت پر چرچ جانا

سوال:- {39} کیا کسی عیسائی کی دعوت پر چرچ میں جانے کی اجازت ہے، جیسے بچے کی خوشی میں؟ (نا معلوم)

جواب:- غیر مسلم کی عبادت گاہوں میں اس طرح داخل ہونا جائز نہیں کہ شعائر کفر کا احترام مقصود ہو، یا نیت تو ایسی نہ ہو، لیکن موقعہ تہوار وغیرہ کا ہو، جس میں لوگ عبادت اور تعظیم غیر اللہ کی نیت سے جایا کرتے ہوں، البتہ محض کسی عمارت کو دیکھنے، یا وہاں کسی سے ملاقات کرنے یا اسی طرح کی کسی اور ضرورت کے لئے جائے تو اس کی گنجائش ہے، چنانچہ حضرت عمر ﷺ کا فتح بیت المقدس کے بعد گرجا گھروں میں جانا اور نماز ادا کرنا ثابت ہے، (۲) اسی طرح بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ سے حبش کے بعض گرجا گھروں کے احوال بیان کئے تھے، بظاہر ان حضرات نے گرجا کا اندرونی ماحول دیکھنے کے بعد ہی ان احوال کو بیان کیا ہوگا۔

سارے جہاں سے اچھا......

سوال:- {40} علامہ اقبال کے مشہور ترانہ ہندی کا

(۱) ''نهى الله عز وجل المؤمنين بهذه الآية أن يتخذوا من الكفار و اليهود و أهل الهواء دخلا و لجاء يفاوضونهم في الآراء و يستندون إليهم أمورهم'' (القرطبي : ۱۷۹/۴) محشی۔

(۲) ''فجئت ديرا الراهب ، فجلست عنده من العشي ، فأشرف علي ، فنزل و أدخلني الدير ، فأطعمني و سقاني ، و أتحفني ، و جعل يحقق النظر في وسألني عن أمري'' (البداية و النهاية: ۵۹/۷، ط: مكتبة المعارف ، بيروت)

پہلا مصرع ہے" سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا"
بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ مصرع اسلامی تصور کے خلاف
ہے اور "وندے ماترم" سے کچھ کم نہیں ،شرعی نقطۂ نظر واضح
فرمائیں۔ (محمد حامد، گولکنڈہ)

جواب:- کسی کلام کا معنی و مقصود متعین کرتے ہوئے ضروری ہے کہ صاحب کلام کی فکر اور اس کے خیالات کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ اگر ایک شخص کا مؤمن اور موحد ہونا معلوم ہو اور وہ کوئی ایسی بات کہے جس کی دو تشریحات کی جاسکتی ہوں، ایک عقیدۂ توحید سے مطابقت رکھتی ہو، اور دوسری مشرکانہ فکر سے، تو ظاہر ہے کہ اس کلام کی تشریح میں پہلی صورت کو ملحوظ رکھا جائے گا اور یہی بات کسی مشرک کی زبان سے نکلے، تو اس کلام کو مشرکانہ تصور کیا جائے گا۔

علامہ اقبال نہایت ہی قابل اور راسخ العقیدہ مسلمان تھے، قرآن و حدیث کے ایک ایک حرف پر ایمان رکھتے تھے، اور اسلام کے سوا مغرب و مشرق کی ہر فکر کے ناقد تھے، عہد صحابہ ؓ کے بعد سوائے مولانا رومؒ کے شاید ہی کوئی شاعر ہو جس کا ہر شعر علامہ اقبال کی طرح اسلامی فکر کا نقیب ہو، اور جس کے کلام میں قرآن و حدیث کی اصطلاحات اس کثرت سے استعمال ہوئی ہوں، اس لئے اقبال کے اس مصرع کا یہ مفہوم متعین کرنا کہ وہ ہندوستان کی سرزمین کو نعوذ باللہ مکہ و مدینہ سے بھی زیادہ افضل اور مبارک سمجھتے تھے، بڑا ظلم ہوگا، کسی جگہ کا افضل ہونا اور اچھا ہونا دونوں میں فرق ہے، افضل کا لفظ عام طور پر دینی اور روحانی فضیلت کے لئے بولا جاتا ہے، اور اچھا ہونا مادی اسباب و وجوہ سے بھی ہوتا ہے، جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ ہندوستان موسم کے اعتدال، کھیتی باڑی کے لئے موزونیت اور ہر جگہ میٹھے پانی کی دستیابی کے اعتبار سے بہ مقابلہ جزیرۃ العرب کے زیادہ اچھا ہے، تو اس میں کوئی قباحت نہیں، اور اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ نعوذ باللہ ہندوستان کی زمین کو حرمین شریفین سے بھی زیادہ افضل سمجھتا ہے، علامہ اقبال کا بھی یقیناً یہی مقصود ہوگا، ورنہ اگر روحانی فضیلت کے اعتبار سے کوئی ہندوستان کو ان مقامات مبارکہ

پر افضل و برتر سمجھے تو اس کے بارے میں کفر کا اندیشہ ہے۔

جہاں تک ''وندے ماترم'' کی بات ہے تو یہ پوری نظم مشرکانہ نظریات وتعبیرات سے پُر ہے، اس میں صراحتاً زمین کو معبود کہا گیا ہے، اور خود اس نظم کا کہنے والا علانیہ کافر و مشرک تھا، اس لئے وندے ماترم نہ پڑھنا جائز ہے، اور نہ کوئی مسلمان اس طرح کی نظموں کے لزوم کو قبول کرسکتا ہے، اور ایک ایسی مشرکانہ نظم کو ترانۂ اقبال کے درجہ میں رکھنا نہایت ہی زیادتی، فکری افلاس اور علمی خیانت کی بات ہے۔

''وطن کی محبت ایمان سے ہے'' کی تحقیق

سوال:- {41} عام طور سے ایک حدیث نقل کی جاتی ہے کہ وطن کی محبت ایمان میں سے ہے، اس حدیث سے ان لوگوں کی فکر کو تقویت پہنچتی ہے، جو قومیت کو مذہب سے بھی زیادہ اہم سمجھتے ہیں، یہ حدیث کس درجہ کی ہے؟ اور اگر واقعی حدیث ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ براۓ مہربانی اس کی وضاحت کریں۔　　(محمد نصیر عالم سبیلی، جالے، دربھنگہ)

جواب:- یہ ایک بے اصل روایت ہے، اکثر علماء نے اس کو موضوع یعنی من گھڑت روایت قرار دیا ہے، ملا علی قاریؒ نے اپنی کتاب ''الاسرار المرفوعة ''(۱) علامہ عجلونی نے ''کشف الخفاء ''(۲) علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب ''الدر المنثور ''(۳) اور علامہ طاہر پٹنی نے ''تذکرة الموضوعات ''(۴) میں اسی حیثیت سے اس روایت کا ذکر کیا ہے، مشہور

(۱) الأسرار المرفوعة :۱۸۰۔
(۲) کشف الخفا :۱/۴۳۰۔
(۳) الدر المنثور :۷۴۔
(۴) تذکرة الموضوعات :۱۱۔

محدث علامہ سخاویؒ نے اس سے لاعلمی ظاہر کی ہے اور لکھا ہے کہ "لم اقف علیہ "(۱) اس لئے یہ کوئی حدیث نہیں، بلکہ ایک بے اصل اور غیر مستند روایت ہے، حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں محبت ونفرت اور نصرت وتعلق کی تمام تر اساس اخوت ایمانی ہے، اسلامی وحدت اور اخوت ایمانی نے یورپ کو حسد میں مبتلا کر دیا اور انہوں نے محسوس کیا کہ جب تک مسلمانوں کا شیرازہ بکھرے گا نہیں، ان کو زیر کرنا ممکن نہ ہوگا، اسی لئے انہوں نے قومیت اور وطنیت کی فکر کو فروغ دیا اور خاص کر عالم اسلام میں اس کو خوب پھیلایا اور عام کیا اور بالآخر عالم اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے چھوڑا، وطن سے محبت ایک فطری چیز ہے، لیکن نہ یہ جزو ایمان ہے اور نہ اخوتِ اسلامی سے زیادہ قابل لحاظ، موجودہ عہد میں تو علاقائی، لسانی اور نسبی تعصب ایک فتنۂ کبری ہے، جس نے مسلمانوں کو ایسا نقصان پہنچایا ہے کہ شاید ہی کسی اور چیز نے اس درجہ نقصان پہنچایا ہو، اس لئے اس طرح کی فکر کو کمزور کرنے اور اس کا حوصلہ توڑنے کی ضرورت ہے۔ ایمان وکفر کی تقسیم اللہ کی طرف سے ہے اور جغرافیائی حد بندیاں ہمارے ہی جیسے انسانوں کی طرف سے، تو کیا انسانوں کے قائم کئے ہوئے دائرے اس طرح اہم ہو سکتے ہیں جس طرح اللہ کی قائم کی ہوئی حدود؟

اسلام اور جمہوریت

سوال:- (42) جمہوریت کو اسلام کس نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے؟ بعض حضرات جمہوریت کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور بعض حضرات کا خیال ہے کہ اسلام کا نظام جمہوریت سے ہم آہنگ نہیں ہے، ہندوستان میں جو جمہوری نظام قائم ہے، بہت سے علماء نے اس کی تائید کی ہے اور اس کی مجالس قانون ساز کے ممبر بھی رہے ہیں۔ (فرحت اللہ، پورنیہ)

(۱) المقاصد الحسنۃ: ص:۲۹۸۔

جواب:- جمہوریت سے مختلف اصول وروایات متعلق ہیں ۔ بنیادی طور پر جمہوریت عوام پر عوامی نمائندوں کے ذریعہ عوام کی حکومت کا نام ہے، حکمراں عوام کے انتخاب سے مقرر ہوتے ہیں، اور وہ عوام کے سامنے اپنے افعال کے بارے میں جواب دہ بھی ہوتے ہیں، اس حد تک کہا جاسکتا ہے کہ اسلام جمہوری نظام حکمرانی کے قریب ہے، اسلام خاندانی بادشاہت کا قائل نہیں، خلیفہ کا انتخاب عام مسلمانوں کی رائے سے ہوتا ہے، اور وہ اپنی عوام کے سامنے جواب دہ بھی ہوتا ہے، لیکن موجودہ جمہوریت اور اسلام کے تصور حکمرانی میں دو اساسی فرق ہیں۔ جمہوریت میں عوام کو ہر طرح کی قانون سازی کا حق ہوتا ہے، گویا تحلیل وتحریم کی کلید ان لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے، جن کو عوام نے منتخب کیا ہے، اسلام کی نظر میں اصل سرچشمۂ قانون کتاب اللہ اور سنت رسول ہے، اور اس کی تشریح کا حق ان لوگوں کو حاصل ہے، جو براہ راست قرآن و حدیث پر نظر رکھتے ہوں، البتہ مجلس شوریٰ کو انتظامی مسائل میں قانون سازی اور مشورہ کا حق حاصل ہوتا ہے، یہ نہایت دوررس نظریاتی اختلاف ہے۔

دوسرے جمہوریت میں عددی اکثریت کا حاصل کر لینا حکمراں اور حکمرانی کا حصہ بننے کے لئے کافی ہے، اس کے لئے کوئی لیاقت واہلیت ضروری نہیں، ہمارے ملک میں پارلیمنٹ اور اسمبلی کے متعدد ایسے ناخواندہ ارکان رہے ہیں، جو اپنے دستخط بھی خود نہیں کر سکتے اور نشان ابہام سے کام چلاتے رہے ہیں، اور اس وقت ملک کی متعدد مجالس قانون ساز میں ایک تہائی سے زیادہ ایسے ارکان موجود ہیں جو پولس کے نامزد سنگین مجرم ہیں، اور بعضوں پر ایک درجن سے زیادہ قتل کے مقدمات ہیں، لیکن جو پولس کل ان کا تعاقب کرتی تھی، آج ان کی حفاظت کے لئے آگے پیچھے ہوتی ہے، اسلام اس کا قائل نہیں، اسلام میں ایسی اعلیٰ ذمہ داریوں کے لئے ایک مقررہ معیار ہے، اور رائے بھی اصحاب رائے کی معتبر ہے، اس کو مختصر طور پر یوں کہا جاسکتا ہے کہ اسلام میں معیار کے ساتھ مقدار مطلوب ہے اور موجودہ جمہوریت معیار پر مقدار کی فتح سے عبارت ہے۔

تاہم ایک ایسا ملک جہاں مختلف قومیں اور مختلف مذاہب کے ماننے والے برابر کی سطح پر

رہتے ہیں، جمہوریت ایک نعمت ہے، اور ان حالات میں اس سے بہتر کوئی نظام حکومت نہیں ہو سکتا۔

''رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں مسلمان، یہودی اور مشرکین تینوں اقوام تھیں، اور آپ ﷺ نے ان میں یہی معاہدہ کرایا کہ یہ سب بقائے باہم کے اصول پر مدینہ میں رہیں گے، ہر ایک کو اپنے مذہب پر چلنے کی آزادی ہوگی، اور مدینے پر کوئی حملہ آور ہو تو سب مل کر دفاع کریں گے'' (۱)

ہندوستان اور ان جیسے ممالک میں دراصل اسی اصول پر ہم باہم مل جل کر رہ رہے ہیں۔

کیا فلم اسٹار کافر ہیں؟

سوال:- {43} مسلمان فلمی اسٹار فلموں میں جانے کے بعد مسلمان رہتے ہیں، یا ان کا نام کافروں میں شامل ہو جاتا ہے؟　　　(طلعت فاطمہ، گلبرگہ)

جواب:- فلموں میں اداکاری سخت گناہ ہے، بے حیائی کے مناظر، غیر اخلاقی مکالمات، اداکار اور اداکارہ کا دوسرے مرد اور عورت کے ساتھ فحش کردار، عورتوں کا پردۂ سیمیں پر آنا اور ہوسناک نگاہوں کی غذا بننا، ایک سے ایک گناہ ہیں، جو عند اللہ سخت پکڑ کا باعث ہیں، لیکن علاوہ ان باتوں کے سب سے اندیشہ ناک پہلو یہ ہے کہ یہ صرف برائیوں کا ارتکاب نہیں بلکہ برائیوں کی دعوت ہے، یہ صرف گناہ نہیں، بلکہ لوگوں میں گناہ کی تبلیغ ہے اور یہ صرف بے شرمی نہیں، بلکہ بے شرمی کی ندائے عام ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ انسان کی جو نیکی دوسروں پر اثر انداز ہو تو اس کا دائرۂ اثر جتنا وسیع ہو، انسان اسی قدر اجر کا مستحق ہے، اور اسی طرح اگر کوئی شخص برائی کا داعی ہو، تو

(۱) البدایۃ و النہایۃ: ۳/۲۲۵-۲۲۴۔

اس کی اس قبیح دعوت کا اثر جتنا وسیع ہوگا، وہ اسی نسبت سے گناہگار بھی ہوگا، اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ سخت گناہ ہے، اور کسی مسلمان کے لئے اس حمام میں جہاں بے لباس ہی داخل ہوا جا سکتا ہے، اترنا نا قابل تصور ہے، تاہم جب تک انسان اپنی زبان سے کوئی کفریہ کلمہ نہ کہے جیسے خدا اور رسول کا انکار، دین کا تمسخر، (۱) وغیرہ یا کوئی ایسا عمل نہ کرے جو صریحاً مشرکانہ ہو، جیسے غیر اللہ کے سامنے اپنی جبین بندگی خم کرنا، خدا کے سوا کسی اور کے نام سے جانور ذبح کرنا وغیرہ، اس وقت تک وہ دائرۂ اسلام میں ہی باقی رہتا ہے، کافر نہیں ہو جاتا، اس لئے جب تک قصداً یا مزاحاً عام حالات میں یا اداکاری کے درمیان ان سے کوئی کفریہ قول یا فعل صادر نہ ہو، اس وقت تک وہ مسلمان ہی ہیں، اور بہر حال اسلامی اخوت کے رشتہ سے ہمارے بھائی ہیں، دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت سے سرفراز فرمائے، اور صحیح راستہ پر لائے، وماذلك على الله بعزيز ۔

اگر قرآن مجید کو چپل لگ جائے؟

سوال:- {44} ایک لڑکا ماں کے پاس قرآن مجید پڑھ رہا تھا، ماں نے بچہ کو ڈانٹا بچے نے غصہ میں ماں پر چپل پھینکی، جو قرآن مجید پر جا کر گری، بچے کی عمر آٹھ سال ہے، اس صورت میں کیا کفارہ واجب ہوگا؟ (شیخ افسر، تالاب کٹہ)

جواب:- بچے چونکہ نا سمجھ ہوتے ہیں، اس لئے ان کی غلطیاں آخرت کے اجر وثواب کے اعتبار سے معاف ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین اشخاص سے قلم اٹھا لیا گیا ہے، (۲) پھر ان میں سے ایک بچے کا ذکر فرمایا، تا آنکہ وہ بالغ ہو جائے، اس لئے اس پر

(۱) " إن كان على وجه الاستخفاف يكفر و إلا لا " (الفتاوى الهندية:۵/۳۲۲)

(۲) " أن رسول الله ﷺ قال: رفع القلم عن ثلاثة : عن النائم حتى يستيقظ ، و عن المبتلىٰ حتى يبرأ ، وعن الصبي حتى يكبر " عن عائشة ،(سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۴۳۹۸، باب في المجنون يسرق أو يصيب حدا ، كتاب الحدود)

کوئی کفارہ وغیرہ واجب نہیں، اگر کسی بالغ آدمی سے بھی غیر ارادی طور پر قرآن مجید کو چپل لگ جائے، (نعوذ باللہ) قرآن مجید کی اہانت مقصود نہ ہو، اور بالارادہ ایسی حرکت نہ کی گئی ہو، تو ایسا شخص گنہگار نہیں، اگر کوئی بالغ شخص اہانت کی نیت سے قرآن کے ساتھ یہ یا اس طرح کی کوئی اور بیہودہ حرکت کرے تو دائرۂ ایمان سے نکل جائے گا۔

"... إن كان على وجه الإستخفاف يكفر وإلا فلا" (۱)

خلافِ شرع بات پر سکوت

سوال:- {45} اگر احکام الٰہی اور حضور ﷺ کے فرمان کے خلاف عمل ہو رہا ہے، تو کیا آپسی اختلافات کے خیال سے خاموش رہنا چاہئے؟ (سید شرف الدین، کنداکرتی)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

"تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے، تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو قلب سے برا محسوس کرے اور یہ ایمان کا سب سے کم تر درجہ ہے" (۲)

اس لیے برائی کو دیکھ کر قدرت کے باوجود اس پر خاموشی اختیار کرنا قطعاً درست نہیں، شرعاً برائی سے روکنا واجب ہے، اور اس پر بلا وجہ خاموشی اختیار کر لینا درست نہیں، البتہ تنہائی میں حکمت و مصلحت کے ساتھ اصلاح کے جذبہ سے برائی پر ٹوکنا چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ یہ

(۱) الفتاوی الهندية: ۵/۳۲۲۔

(۲) صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۱۷۷۰۔

بات اس شخص کو تنہائی میں اور نرم لب ولہجہ میں کہی جائے تاکہ اسے اپنی توہین کا احساس نہ ہو، کیوں کہ مقصود اصلاح ہے نہ کہ توہین۔

کیا توبہ سے حقوق اللہ اور حقوق العباد، دونوں معاف ہوجاتے ہیں؟

سوال:- {46} کیا توبہ کرنے سے حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں معاف ہوجاتے ہیں؟ یہ بھی بتائے کہ توبہ کس طرح کی جائے؟　(محمد واصل، مرادنگر)

جواب:- جو گناہ حقوق اللہ سے متعلق ہیں، اگر شریعت نے ان کے لیے کوئی کفارہ متعین کیا ہو، تو وہی کفارہ ادا کرنا چاہئے، اور اپنی کوتاہی کے لیے اللہ تعالیٰ سے عفوخواہ بھی ہونا چاہئے، اور اگر اس کے لیے کوئی مالی یا غیر مالی کفارہ مقرر نہیں ہے تو تین باتیں ضروری ہے، گناہ پر نادم اور شرمسار ہو، اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے مغفرت کا طلب گار ہو اور آئندہ اس سے بچے رہنے کا پختہ ارادہ ہو، تو امید ہے کہ اللہ اپنی شان کریمی سے معاف فرمادیں گے ـــــ حقوق العباد کا معاملہ زیادہ سخت ہے، جب تک بندے کو اس کا حق ادا نہ کردیا جائے، یا وہ بہ طیب خاطر اپنا حق معاف نہ کردے، اس کا گناہ معاف نہیں ہوگا۔ (۱) شہادت سے بڑھ کر کیا عمل ہوگا، اور شہید سے بڑھ کر کس کی قربانی ہوگی؟ لیکن اگر شہید کے ذمہ میں بھی کسی کا دین باقی ہو، تو حدیث میں آیا ہے کہ وہ دین معاف نہیں ہوگا۔ (۲) اس سے حقوق العباد کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

---

(۱) جیسا کہ مفلس سے متعلق حدیث میں اس کا اشارہ ملتا ہے، دیکھئے: صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۵۸۱، عن أبي هريرة ﷺ، كتاب البر و الصلة و الآداب) محشی۔

(۲) " قال رسول الله ﷺ القتل في سبيل الله يكفر خطيئة، فقال جبريل عليه السلام: إلا الدين، فقال رسول الله ﷺ: إلا الدين " عن أنس ﷺ، (صحيح مسلم، حديث نمبر: ۱۶۴۰)

عیسائی مشن میں کیا خوبی ہے؟

سوال:- {47} عیسائی مشن میں کیا خوبی ہے کہ آدمی ان کے اخلاق سے متاثر ہوتا ہے؟ (اخلاق الحسن، چمپاپیٹ)

جواب:- عیسائی مشن کی خوبی یہی اخلاق اور خدمت خلق کا کام ہے، جیسے اللہ نے اشیاء میں خواص رکھے ہیں، آگ جلاتی ہے، برف ٹھنڈا کرتی ہے، پانی کا کام پیاس بجھانا ہے اور زہر میں ہلاکت خیزی کی صلاحیت ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کے افعال میں بھی خصوصیتیں رکھی ہیں، خوش خلقی اور حسن اخلاق میں دلوں کو موہ لینے کی غیر معمولی صلاحیت ہے، اس میں مومن وکافر اور اچھے برے کا فرق نہیں، اسلام کے پھیلنے کا اصل سبب یہی تھا، حضور ﷺ حراء سے قرآن کے ساتھ یہی اخلاق کی قوت لے کر آئے تھے، اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ نہ ہتھیار کی طاقت تھی اور نہ افراد کی، اسی چیز نے مسلمانوں کو ایک صدی کے اندر اندر دنیا کے کونے کونے تک پہنچا دیا اور جہاں گئے ابر رحمت بن کر چھا گئے، عیسائی دنیا نے خاص کر صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کے اخلاقی تفوق کو محسوس کیا اور اس کے آثار ونتائج کو بھی سر کی آنکھوں سے دیکھا اور پھر اس کو اپنے لئے اسوہ بنایا، یہی چیز ہے کہ جس نے آج عیسائی تبلیغی اداروں کو کامیابی سے ہمکنار کیا ہے۔

اس کے علاوہ عیسائیت کے پھیلنے میں اس بات کو بھی دخل ہے کہ عیسائیت اپنی موجودہ صورت میں موم کی ناک ہے، آپ اسے جس طرح چاہیں موڑ دیں، اگر ایک ہندو عیسائی بنتا ہے تو صرف اتنا ہی ہوتا ہیکہ دیوتا تبدیل ہوجاتا ہے، باقی ان کی معاشرت اور کلچر میں کوئی فرق نہیں آتا، پھر معاشی تحریص وترغیب الگ ہوتی ہے، اس کی وجہ سے ''برائے نام تبدیلی مذہب'' لوگوں کے لئے آسان ہوتی ہے، اسلام ایک مستقل تہذیب اور نظام حیات کا مالک ہے اور وہ انسان کی زندگی کو صبح سے شام تک بدل کر رکھ دیتا ہے، اس لئے بلند ہمتی کے بغیر اس کوچہ میں قدم رکھنا ممکن نہیں۔

اگر ''اللہ'' نام کا جزء ہو؟

سوال:- {48} کلینڈر پر پیدائش یا وفات کے بارے میں جن اصحاب کا تذکرہ ہوتا ہے ان میں بعض دفعہ اللہ کا لفظ ہوتا ہے، جیسے حبیب اللہ، عبداللہ، تو کیا اس کلینڈر کو ردّی میں ڈال سکتے ہیں؟ یا لفظِ اللہ کو نکال کر ردّی میں ڈالا جائے؟

(عبدالقادر، سید نگر)

جواب:- نام جو بھی ہو وہ قابلِ احترام ہے، خاص کر جس نام کا جز ''اللہ'' ہو، بلکہ فقہاء نے تو لکھا ہے کہ کسی چیز پر فرعون اور ابو جہل کے الفاظ لکھ کر اس کو تیر وغیرہ کا نشانہ بنانا بھی مکروہ ہے، کیوں کہ فرعون اور ابو جہل کی ذات سے قطع نظر یہ حروف بجائے خود قابلِ احترام ہیں:

"إذا كتب اسم فرعون أو كتب أبو جهل على غرض يكره أي يرموا إليه ، لأن لتلك الحروف حرمة" (۱)

اس لیے کلینڈر سے قابلِ احترام حصوں کو کاٹ کر دفن کر دیں، ایک ایک لفظ کو کاٹنا تو دشوار ہے، لیکن نیچے سے اوپر تک ایک کالم کو نکال دینا چنداں دشوار نہیں۔

نمسکار کہنے کا حکم

سوال:- {49} اگر غیر مسلم اپنے طریقے پر سلام کرے، جیسے نمسکار کہے، تو کیا اسی لفظ سے جواب دیا جا سکتا ہے؟ اسی طرح اپنی طرف سے غیر مسلم کو نمسکار کہنے کا کیا حکم ہے؟ (خاں فیروز خاں، نظام آباد)

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۳۲۳/۵۔

جواب:- اگر وہ سلام کے لیے کوئی ایسا لفظ استعمال کریں جس میں مشرکانہ معنی نہ ہوں، تو جواب میں ان ہی کو دہرا دینا بہتر ہے اور ان کو ملاقات کے موقع پر اس لفظ سے مخاطب کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ بعض علاقوں میں ہندو بھائی کو آداب کا جواب آداب سے دینا یا ملاقات کے موقع پر ان کو آداب کہنا درست ہے، نمسکار میرے علم کے مطابق مشرکانہ معنی پر مشتمل ہے، اس لیے نمسکار کہنا درست نہیں، حدیث میں غیر مسلموں کو سلام کا جواب '' وعلیکم '' کہنے کا ذکر ملتا ہے،(۱) اس لیے فقہاء نے اس حد تک ان کے سلام کا جواب دینے کی بات کہی ہے۔(۲)

غیر مسلم کو کافر کہنا

سوال:- {50} میرے بعض غیر مسلم دوست ہیں، ان کو یہ بات ناگوار گزرتی ہے کہ انہیں کافر کہا جائے، ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ (صباح الدین، ممبئی)

جواب:- کافر کے معنی اسلام کو نہ ماننے والے کے ہیں، دوسرے لفظوں میں یہ غیر مسلم کے ہم معنی ہے اور جو شخص مسلمان نہ ہو اگر اسے غیر مسلم کہا جائے تو اس میں برا ماننے کی کوئی بات نہیں، اس میں نہ اس کی تحقیر ہے نہ ہی توہین، بلکہ ایک حقیقت کا اظہار ہے، جیسے کوئی شخص ہم کو یا آپ کو غیر ہندو کہے تو یقیناً ہمیں اس سے ناگواری نہیں ہوگی، کیوں کہ یہ حقیقت اور واقعہ کے مطابق ہے، تاہم اگر انہیں اس سے ناگواری ہو تو چوں کہ کسی بھی انسان کو ایذاء پہنچانا مناسب نہیں، اس لیے ان کو اس لفظ سے مخاطب نہیں کرنا چاہئے، فقہاء نے لکھا ہے کہ '' اگر کسی '' ذمی '' (اسلامی ملک میں آباد غیر مسلم) کو '' اے کافر! '' کہنا گراں گزرتا ہو تو نہیں کہنا چاہئے اور اگر کہے

---

(۱) " حدثنا أنس بن مالك ﷺ قال : قال النبي ﷺ : إذا سلم عليكم أهل الكتاب فقولوا و عليكم " (صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۶۲۵۸، باب كيف الرد على أهل الذمة بالسلام، كتاب الإستئذان) محشی۔

(۲) دیکھئے: الفتاوى الهندية: ۳۲۵/۵۔

گا تو گنہگار ہوگا۔ "و لو قال لذمي یا کافر ! یأثم إن شق علیه "(۱)

تعویذ اور نقوش کا حکم

سوال:- (51) حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مترجم قرآن مجید کے اکثر نسخوں میں نقش تعویذات درج ہیں، کیا ایسا عمل جائز ہے؟ علماء شریعت حقانی اس کو شرک بتلاتے ہیں۔ (محمد نصیر عالم سبیلی ، جالے ، دربھنگہ ، بہار)

جواب:- تعویذ میں اگر کوئی مشرکانہ لفظ یا مشرکانہ عقیدہ شامل نہ ہو جائے اور یہ بات مستحضر ہو کہ اصل شفاء وصحت اللہ ہی کے ذریعہ ہے تو جائز اور مباح ہے،(۲) یہی حکم ان نقوش کا بھی ہونا چاہئے۔

خلافِ شرع کام کرنے والوں سے قطع تعلق

سوال:- {52} جگتیال سے ۲۵ کلومیٹر پر ایک دیہات بیراپور ہے وہاں پر ۳۵ مسلمانوں کے مکان ہیں اس میں دو گھر ایسے ہیں کہ منت مراد کے لئے پوجا میں شریک رہتے ہیں سیندھی، مرغی وغیرہ لے جا کر مندر کے سامنے کاٹتے ہیں، وہاں کے مسلم کمیٹی کے لوگ بہت منع کئے کہ ہم مسلمانوں کو ایسے ویسے کام نہیں کرنا چاہئے ایسا کرنا حرام ہے یہ غیروں کا کام ہے کہتے رہے، مگر وہ تمام باتیں غیروں میں جا کر بتاتے

---

(۱) الأشباہ والنظائر :۲/۲۵۷۔

(۲) "ولا بأس بتعلیق التعوید و لکن ینزعه عند الخلاء و القربان "(الفتاوی الهندیة:۵/۳۵۶،في التداوي)

ہیں جس سے ڈر ہے کہ وہاں ہندو مسلم دشمنی کا امکان ہے،
آپ بتائیے کہ ان سے قطع تعلق کرنا یا ربط وضبط رکھنا چاہئے،
وہ مسجد کے قریب میں ان کے دو گھر ہیں نماز کے بھی پابند نہیں
ہیں براہ کرم علماء سے دریافت کر کے فتوی دیں اور بہت جلد
کیونکہ اشد ضروری ہے۔ (ڈاکٹر سید غوث شمو، جگتیال)

جوابـ:- جو شخص غیروں کے مذہبی رسوم ورواج کو اپناتا ہے اور اس میں شرکت کرتا ہے اس پر تجدید ایمان وتجدید نکاح لازم ہے، بہ شفقت وترغیب اُس کو افہام وتفہیم سے راغب کیا جائے، لیکن اگر کسی فتنہ کا اندیشہ ہو تو خاموشی بہتر معلوم ہوتی ہے۔(۱)

دیویوں اور دیوتاؤں کی تصویروں کے کیلنڈر

سوال:- {53} غیر مسلم تاجرین بعض دفعہ ایسے کیلنڈر
چھاپتے ہیں، جس پر مکہ و مدینہ کے ساتھ ساتھ دیوی اور
دیوتاؤں کی تصویریں بھی ہوتی ہیں، وہ اس کو ہندوؤں اور
مسلمانوں دونوں کی رعایت سے شائع کرتے ہیں کیا ایسے
کیلنڈر گھر میں اور مسجد میں لگائے جاسکتے ہیں؟
(محمد فہیم عظمی، نظام آباد)

جوابـ:- جس کیلنڈر پر مشرکانہ تصویریں ہوں، ان کو گھر، دکان، مسجد کہیں بھی آویزاں کرنا جائز نہیں، کیوں کہ یہ شرک کا احترام ہے، غیر مسلم بھائیوں کو محبت سے سمجھانا چاہئے کہ بہ شمول ہندو مذہب کے تمام مذاہب نے ایک خدا کا تصور دیا ہے، اس لیے ایسی تصویریں ہمارے عقیدہ کے خلاف ہیں، یوں ہم آپ کے بزرگوں کو برا بھلا نہیں کہتے اور گمان رکھتے ہیں کہ انہوں نے بھی اپنے عہد میں ایک خدا کی ہی دعوت دی ہوگی۔

(۱) مستفاد فتاوی عبدالحی۔

تکفیر میں احتیاط

سوال:- {54} ۱۰ر جنوری کے مذہبی ایڈیشن میں ایک سوال کے جواب میں لکھا گیا ہے کہ: "اہل حدیث کے پیچھے احناف کی نماز اور احناف کے پیچھے اہلِ حدیث غیر مقلدین کی نماز ہو جائے گی اور اس کی دلیل یہ دی گئی ہے کہ صحابہ ؓ کرام میں بھی اختلافِ عمل کے باوجود صحابہ ؓ ایک دوسرے کی اقتدا کرتے تھے۔ ہمیں یہ پوچھنا ہے کہ صحابہ ؓ میں صرف اختلافِ عمل تھا، ایک دوسرے کی تکفیر و تکذیب نہیں کرتے تھے اور یہ طریقہ آج بھی مقلدین میں رائج ہیں، امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ میں اختلافِ عمل ہے، لیکن ایک دوسرے کی تکذیب نہ ہونے کی وجہ سے سب برحق ہیں، لیکن غیر مقلدین تقلید کو شرک قرار دیتے ہیں اور مقلدین کو مشرک کہتے ہیں، اگر امام مقلد ہو اور غیر مقلدین کے فتوی کی روشنی میں وہ مشرک ٹھہرے تو اس کے باوجود اس مقلد امام کے پیچھے نماز ادا کر لینا گویا کسی مشرک کے پیچھے نماز ادا کرنا ہو، تو کیا اہل حدیث کے لئے کسی مشرک کے پیچھے نماز ادا کرنا جائز ہے؟ اور بقولِ احناف تقلیدِ شخصی واجب ہے، لہذا تقلیدِ واجب کو مشرک قرار دینے والا خود کافر ہے، گویا احناف کے نزدیک غیر مقلدین اپنے فتوی شرک کی وجہ سے کافر ٹھہرے، اگر امام اہل حدیث ہو، جو تقلید کو شرک کہنے کی وجہ سے احناف کے نزدیک کافر قرار پاتا ہو، اس کے باوجود احناف اس کے پیچھے نماز ادا

کریں، تو کیا اپنے فتوی کی روشنی میں کافر کے پیچھے نماز ادا
کرلینا درست ہوجائے گا؟ (ذاکر حسین، القادری المصباحی)

جواب:- اکابر علماءِ اہلِ حدیث، ائمہ اربعہ کے مقلدین کو اہلِ سنت والجماعت اور نجات یافتہ فرقوں میں شمار کرتے رہے ہیں اور انہوں نے تقلید کو شرک نہیں کہا ہے، ہندستانی علماء حدیث میں نواب صدیق حسن صاحب کا جو پایۂ علمی تھا، وہ سب کو معلوم ہے، انہوں نے حنفیہ، مالکیہ، شوافع، حنابلہ اور جماعتِ اہلِ حدیث، ان پانچوں کے بارے میں کہا ہے کہ یہی اس زمانے کے اہلِ سنت والجماعت میں ہیں۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی مرحوم جو عام طور پر موجودہ دور کے سلفی الفکر علماء کے مقتدا ہیں، انہوں نے اپنے بارے میں لکھا ہے کہ: میں امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب پر ہوں، فرماتے ہیں:

"فنحن ولله الحمد متّبعون لا مبتدعون على مذهب الإمام أحمد بن حنبل."(۱)

''ہم بحمد اللہ امام احمدؒ کے پیرو ہیں، بدعت کرنے والے نہیں''

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

"عقيدتي وديني الذی أدين به هو مذهب أهل السنة والجماعة الذی عليه أئمه المسلمين مثل الأئمة الأربعة واتباعهم" (۲)

''میرا عقیدہ اور میرا دین جس پر میں عامل ہوں، وہی ہے جو اہلِ سنت والجماعت کا مذہب ہے، جس پر مسلمانوں کے

(۱) الدرر السنية: ص:۵۷۱

(۲) الدرر السنية: ۱/۷۹۔

ائمہ، جیسے ائمہ اربعہ اوران کے مقلدین ہیں''

شیخ کے صاحب زادے عبداللہ بن محمدؒ نے صاف لکھا ہے:

"و نحن ایضاً فی الفروع علی مذھب الامام احمد بن حنبل ولا ننکر علی من قلدّ أحد الائمة الاربعة "(۱)

''ہم فروعی مسئلہ میں امام احمد بن حنبل کے مقلد ہیں اور جو لوگ ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید کرتے ہیں، ہم ان پر نکیر نہیں کرتے۔''

اس سے ظاہر ہے کہ غیر مقلد علماء نے مقلدین کی تکفیر نہیں کی ہے، کیوں کہ تکفیر کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ علماءِ اصول نے تقلید کی تعریف یہی کی ہے کہ جس شخص کی رائے بذاتِ خود حجت نہیں اس کے قول پر اس حسن ظن کے ساتھ عمل کرنا کہ اس نے اللہ اور رسول ﷺ کے منشاء کو صحیح طور پر پایا ہوگا، یہی تقلید ہے، گویا تقلید کرنے والا اصل میں قرآن وحدیث کے منشاء پر عمل کرتا ہے، لیکن جیسے ایک شخص حدیث کی صحت وضعف کے سلسلہ میں بخاریؒ و مسلمؒ پر اعتماد کرتا ہے، اسی طرح کسی امام کا مقلد قرآن وحدیث کے معنی کے فہم کے سلسلہ میں اس امام کے اجتہاد پر عمل کرتا ہے اور وہ اس بات پر بھی یقین رکھتا ہے کہ بذاتِ خود اس امام کی بات دین میں حجت نہیں ہے۔ ظاہر ہے اس کو شرک قرار دینے کے کوئی معنی نہیں۔

جہاں تک حنفیہ کی بات ہے تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ تکفیر کے معاملے میں تمام فقہاء سے زیادہ محتاط تھے۔ یہی رخ ہمیشہ فقہاءِ حنفیہ رحمہم اللہ نے رکھا ہے۔ میرے خیال میں کسی قابل ذکر حنفی عالم نے غیر مقلدین کو محض غیر مقلد ہونے کی وجہ سے کافر قرار نہیں دیا ہے، اس سلسلہ میں سلفِ صالحین کے یہاں جو احتیاط تھی، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ خوارج حضرت

(۱) الدرر السنية :۱/۹۷۔

علی ؓ اور حضرت معاویہ ؓ اور دونوں کے رفقاء گویا اس عہد کے قریب قریب تمام ہی صحابہ ؓ کو کافر کہتے تھے اور آمادۂ فساد رہتے تھے، لیکن حضرت علی ؓ نے جب ان سے جہاد کیا تو فرمایا: ہم ان کی تکفیر تو نہیں کریں گے، لیکن اگر انہوں نے بغاوت کی تو ان سے جہاد کریں گے، پھر جہاد میں فتح یاب ہونے کے بعد آپ ؓ نے ان کو غلام اور باندی نہیں بنایا، کیونکہ آپ ؓ نے ان کو کافروں کے حکم میں نہیں رکھا تھا۔ یہی احتیاط ہے، جو سلفِ صالحین اور فقہاءِ مجتہدین کا طریقہ رہا ہے۔

ہمیشہ سے اہل حدیث اشخاص کے درمیان نکاح کا تعلق رہا ہے، لوگ ایک دوسرے کا ذبیحہ کھاتے رہے ہیں اور دونوں طبقوں کے ذمہ دار علماء ایک دوسرے کے پیچھے نماز ادا کرتے رہے ہیں، اس تعامل سے بھی ظاہر ہے کہ وہ ایک دوسرے کو کافر نہیں سمجھتے، موجودہ حالات میں جب کہ امت مسلمہ اور عالم اسلام کے خلاف پوری دنیائے کفر کمر بستہ ہوگئی ہے اور خود ہمارے ملک ہندستان میں فرقہ پرست طاقتیں مسلمانوں کی شناخت مٹانے پر تلی ہوئی ہیں، ہمیں ضرور ایسی شدت پسندی سے بچنا چاہئے اور مل جل کر ان حالات سے نمٹنا چاہئے، ورنہ ان باہمی اختلافات سے ہمیں نا قابل تصور نقصان پہونچے گا۔ وباللہ التوفیق۔

لفظ "اللہ" سننے پر تعظیمی فقرہ کہنا

سوال:- {55} محمد رسول اللہ ﷺ کا نام سننے پر جس طرح درود واجب ہوتی ہے، کیا اللہ تعالیٰ کا نام سننے پر بھی کچھ کہنا چاہئے؟ (سجاد احمد، بزارگھاٹ)

جواب:- اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لیا جائے یا سنا جائے تو کوئی تعظیمی فقرہ کہنا واجب ہے، مثلاً: تعالیٰ، سبحان اللہ، سبحانہ تعالیٰ وغیرہ:

"رجل سمع رجلا یذکر اسما من اسماء اللّٰہ

تعالیٰ یجب علیه أن یعظمه و یقول سبحان الله و ما أشبه ذلك " (۱)

استغفار اور کبائر

سوال:- {56} کیا استغفار پڑھنے سے ہر چھوٹے بڑے گناہ معاف ہو جاتے ہیں؟ (مشکور احمد، سید علی گوڑہ)

جواب:- ''استغفار'' کے معنی اللہ سے مغفرت و بخشش کی دعا کرنے کے ہیں اور اللہ چاہیں تو بڑے گناہ بھی معاف کر سکتے ہیں اور چھوٹے بھی، اس لیے توبہ و استغفار سے کبائر بھی معاف ہو سکتے ہیں، لیکن بندہ نے جو دعا کی، آقا نے اسے قبول فرمایا یا نہیں اس کا علم نہیں ہو سکتا، اس لیے ہم آپ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ گناہ معاف ہوئے یا نہیں؟ اور معاف ہوئے تو کون سے؟ پس اس لیے استغفار مسلسل کرتے رہنا چاہیے، رسول اللہ ﷺ ایک مجلس میں بعض اوقات ستر بار استغفار فرماتے تھے، بخلاف قضا اور کفارہ کے، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی ایک مقدار متعین ہے، اس متعین مقدار کو ادا کرنے کے بعد حکم الٰہی کی تعمیل ہو جاتی ہے۔

قبروں پر سجدۂ تعظیمی کرنا

سوال:- {57} بعض لوگ تعظیم کے طور پر قبروں پر سجدہ کرتے ہیں، کیا اسلام میں اس کی اجازت ہے، یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں ایسا کوئی عمل رہا ہے؟ غیر مسلم کہتے ہیں کہ ہم فلاں جگہ سجدہ کرتے ہیں اور تم فلاں جگہ، دونوں برابر ہیں۔

(سید عنایت علی، مصری گنج)

جواب:- رسول اللہ ﷺ سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے سجدہ کی اجازت چاہی اور ظاہر ہے کہ

(۱) الفتاوی الخانیة علی هامش الفتاوی الهندیة :۳/۳۲۲۔

انہوں نے یہ اجازت سجدۂ تعظیمی کے لیے ہی مانگی ہوگی، کیوں کہ یہ تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ صحابہ ﷺ نے غیر اللہ کے لیے عبادت کی اجازت چاہی ہو، رسول اللہ ﷺ نے اجازت نہیں دی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کی اجازت دیتا، تو بیویوں کو اجازت دیتا کہ شوہروں کو سجدہ کریں،(۱) اس لیے قبروں کے سامنے سجدہ کرنا جائز نہیں، سجدۂ عبادت تو کفر ہے ہی، بعض فقہاء نے سجدۂ تعظیم کو بھی کفر قرار دیا ہے؛ لیکن سجدۂ احترام وتحیۃ بھی حرام ہے اور اس پر تمام ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین کا اتفاق ہے،(۲) جن بزرگان دین ؒ کی قبروں کو سجدے کیے جاتے ہیں، ان کی تعلیمات بھی یہی ہیں، بزرگوں سے عقیدت ومحبت کے اظہار کا طریقہ یہ ہے کہ ان کی تعلیمات پر عمل کیا جائے، ان کو شرعی طریقہ پر ایصال ثواب کیا جائے اور ان کے حق میں بلندیٔ درجات کی دعا کی جائے۔

قادر ہونے کے باوجود برائی سے نہ روکنا

سوال:- {58} ''الف'' خاندان کا بڑا آدمی ہے، لوگ اس کی بات مانتے ہیں، وہ جانتا ہے کہ میرے عزیزوں میں فلاں شخص رشوت لیا کرتا ہے، لیکن اسے روکتا نہیں ہے، بلکہ خاموشی اختیار کرتا ہے، حالانکہ اگر وہ روکے تو امید کی جاتی ہے

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۲۱۴۰، عن قیس بن سعد ﷺ۔ محشی۔

(۲) " و کذا ما یفعلونه من تقبیل الأرض بین یدی العلماء و العظماء فحرام، والفاعل والراضی به آثمان؛ لأنه یشبه عبادة الوثن، وهل یکفران ؟ علی وجه العبادة و التعظیم کفر، وان علی وجه التحیة لا، و صار آثما مرتکبا الکبیرة، و فی الشافي : و ذکر الصدر الشهید أنه لا یکفر بهذا السجود : لأنه یرید به التحیة، و قال شمس الأئمة السرخسي : إن کان لغیر الله تعالیٰ علی وجه التعظیم کفر، قال القهستاني : و في الظهیریة : یکف بالسجود مطلقا، الخ " (رد المحتار :۹/۵۵۱، کتاب الحظر و الإباحة) محشی۔

کہ مذکورہ شخص پر اس کا اثر ہوگا، ایسی صورت میں ''الف'' پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ (محمد عثمان، گلبرگہ)

جواب:- اگر کوئی شخص کسی کو برائی میں مبتلا پائے اور اسے اندازہ ہو کہ اگر وہ روکے گا تو لوگ اس کی بات قبول کریں گے، تو ایسی صورت میں اس کے لیے برائی سے روکنا واجب ہے، اور اس پر سکوت اختیار کرنا ناجائز ہے:

" اذا رأى الرجل منكرا بقوم و هو يعلم أنه لو نهاه عنه قبلوا منه فانه لا يسعه أن يسكت " (۱)

کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان پر برائی سے روکنے (نہی عن المنکر) کو واجب قرار دیا ہے، لہٰذا اپنی خاموشی پر گنہگار ہوگا؛ اس کے لیے اپنے اس عزیز کو رشوت خوری سے روکنا شرعاً واجب ہے۔

والدین کے پاؤں چھونا

سوال:- {59} والدین کے پاؤں چھونے کا کیا حکم ہے؟ (محمد اسماعیل، ہریانہ)

جواب:- حدیث میں ہے کہ بعض صحابہ کرام ﷺ نے والدہ کے سامنے احتراماً جھکنے کے بارے میں دریافت کیا، تو آپ ﷺ نے اس کو بھی منع فرمایا، اور ارشاد فرمایا: زبان سے سلام کر دینا کافی ہے۔ (۲)

تو جب جھکنے کی بھی حضور ﷺ نے ممانعت فرمادی تو ظاہر ہے کہ پاؤں چھونے اور قدم بوسی کرنے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے، چنانچہ اس طرح کے ایک مسئلہ میں فقہاء لکھتے ہیں:

---

(۱) فتاوی قاضی خان : ۳/۴۰۶۔

(۲) سنن الترمذي، حدیث نمبر: ۲۷۲۸، باب السلام ۔ نیز الانکار للنووی : ص: ۳۲۱

"وكـذا مـا يـفـعلونه من تقبيل الأرض بين يدى العلماء و العظماء فحرام ، والفاعل والراضى به آثمان : لأنه يشبه عبادة الوثن، وهل يكفران ؟ على وجه العبادة و التعظيم كفر ،وان على وجه التحية لا ، و صار آثما مرتكبا الكبيرة " (۱)

"لوگ جو علماء اور عظیم شخصیتوں کے سامنے زمین کو بوسہ دیتے ہیں، یہ حرام ہے، اس کا ارتکاب کرنے والا بھی گنہگار ہے، اور اس پر راضی رہنے والا بھی، اس لئے کہ یہ تو بت پرستی کے مشابہ ہے، اور کیا یہ دونوں کافر بھی قرار دیئے جائیں گے؟ تو عبادت اور تعظیم کے طریقہ پر ایسا کرنا تو کفر ہے اور بہ طور ملاقات (سلامی) کے کفر تو نہیں، البتہ وہ گنہگار اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شبیہ

سوال:- (60) ہمارے محلہ میں ایک عامل صاحب رہتے ہیں، جو ہمیشہ کالے کپڑے پہنتے ہیں، اور مزید وہ اپنے مکان کے محراب میں حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فرضی تصویر بھی آویزاں کئے ہوئے ہیں، کیا ایسا کرنا اسلامی اصول سے جائز ہے؟ اس بارے میں شرعی احکام کیا ہے؟

(محمد خواجہ میاں، محبوب نگر کالونی، گلبرگہ)

(۱) الدر المختار على هامش رد :۹/۵۵۰۔

جواب :- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص تصویر کشی کرے، اللہ تعالیٰ اس کو اپنے عذاب میں مبتلا کرتے رہیں گے، تا آنکہ وہ اس میں روح پھونک دے، اور ظاہر ہے کہ وہ روح نہیں پھونک سکے گا'' (۱)

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تصویر کشی اسلام کی نگاہ میں کتنا مذموم اور ناپسندیدہ عمل ہے، پھر حضرت علی ﷺ سے منسوب کر کے کسی تصویر کا اتارنا یقیناً حضرت علی ﷺ کی توہین ہے، اس لئے آپ عامل صاحب کو ایسی نامناسب بات سے منع کریں، اور انہیں محبت کے ساتھ سمجھا کر اس سے باز رکھنے کی کوشش کریں، ہمیشہ کالے کپڑے پہننے کا التزام بھی مناسب نہیں، رسول اللہ ﷺ سفید کپڑے زیادہ پسند فرماتے تھے، (۲) بعض فقہاء نے سیاہ کپڑوں کے التزام کو ریاء قرار دیا ہے؛ اس لئے ہمیشہ سیاہ لباس ہی استعمال کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

ارتداد اور تجدید نکاح

سوال:- (61) کیا کلمہ کفر کہنے سے مسلمان اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور شادی شدہ کے ایسا کلمہ کہنے سے کلمۂ توحید پڑھ کر پھر نکاح کی تجدید بھی کرے گا؟ کوئی شخص کلمۂ کفر کہہ دے، مگر اس کو معلوم نہ ہو کہ یہ کلمۂ کفر ہے تو کیا وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا؟ (عبداللہ، ٹولی چوکی)

جواب:- کفر و ایمان کا مسئلہ بڑا نازک ہے، ایمان ایک متعین حقیقت کا نام ہے اور مسلمان ہونے کے لئے کچھ چیزوں کا اقرار اور کچھ چیزوں کا انکار ضروری ہے، ایسا نہیں ہے کہ

---

(۱) الجامع للترمذی: حدیث نمبر: ۱۷۵۱۔

(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۴۰۶۱۔

ایک بار مسلمان ہو جائیں اور پھر جو کچھ بھی بکیں بہر حال مسلمان باقی رہیں، جیسا کہ بعض دوسری اقوام اور دیگر مذاہب کے متبعین کا حال ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ مومن ہونے کے بعد اگر صحت عقل اور رضا کے ساتھ زبان سے کلمۂ کفر ادا کیا جائے تو اس کی وجہ سے انسان مرتد یعنی ایمان سے محروم ہو جاتا ہے۔

"ورکن الردة اجراء كلمة الكفر على اللسان بعد وجود الإيمان "(۱)

اگر کوئی شخص خدانخواستہ مرتد ہو جائے تو دارالکفر میں اس کی بیوی کے تین حیض گذرنے تک اس کے لئے غور وفکر اور توبہ کی مہلت ہے، اگر اس عرصہ میں اس نے توبہ کرلی تو نکاح باقی رہے گا اور اگر اس واقعہ کے بعد تین ماہواری گذر جائے اور توبہ کی توفیق نہ ہو تو نکاح ختم ہو جائے گا، جب توبہ کرے تو دوبارہ نئے مہر کے ساتھ نکاح کرنا ضروری ہوگا۔

اگر خدانخواستہ کلمۂ کفر کسی جبر واکراہ کے بغیر بول گیا تو چاہئے کہ دوبارہ کلمۂ شہادت پڑھے اور جو کفریہ کلمہ پہلے کہا تھا، اس سے براءت کا اظہار کرے اور توبہ کرے۔

"وإسلامه أن يأتي بكلمة الشهادة ويتبرأ من الأديان كلها سوى الإسلام وان تبرأ ممن انتقل عنه كفي "(۲)

اور آئندہ زبان کی احتیاط کو ملحوظ رکھے، کلمۂ کفر سے واقف نہ ہونا معتبر نہیں، کیوں کہ ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ کم سے کم ایمان وکفر کے بارے میں آگہی حاصل کرے کہ ایمان تو مومن کے لئے جان سے بھی زیادہ عزیز تر متاع ہے، اس سے ناواقفیت کیوں کر گوارا کی جاسکتی ہے؟

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۲/۲۵۳۔

(۲) حوالہ سابق

دنیوی فائدہ کے ساتھ سنت کی اتباع

سوال:- {62} اگر کسی شخص نے سائنسی فائدہ کو دیکھ کر سنت پر عمل کیا تو کیا اسے ثواب حاصل ہوگا؟

(اختر پاشا، محبوب نگر)

جواب:- اصل یہ ہے کہ سنت پر سنت ہونے کی حیثیت سے عمل کیا جائے، لیکن اگر دنیوی فائدہ بھی پیش نظر ہو، اور سنت کی پیروی کی بھی نیت کرلے، تب بھی انشاء اللہ ثواب سے خالی نہیں، ویسے حقیقت یہ ہے کہ دین کا کوئی طریقہ اور رسول اللہ ﷺ کی کوئی سنت دنیوی اعتبار سے بھی فائدہ سے خالی نہیں۔

خودکشی کرنے والے کی روح

سوال:- {63} اگر کوئی شخص خودکشی کرلے تو کیا اس کی روح بھٹکتی رہتی ہے، میرے دوستوں کا کہنا ہے کہ خودکشی کرنے والے شخص کی موت کا وقت نہیں آپاتا اس لئے موت کا وقت آنے تک اس کی روح بھٹکتی رہتی ہے۔

(محمد نصیر عالم سبیلی، جالے، دربھنگہ)

جواب:- یہ سمجھنا درست نہیں کہ خودکشی کرنے والے کی روح بھٹکتی رہتی ہے، اچھے لوگوں کی روحیں مقام علیین میں اور برے لوگوں کی روحیں مقام سجین میں پہنچادی جاتی ہیں، نہ کہ اِدھر اُدھر بھٹکتی رہتی ہیں، یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ خودکشی کرنے والے کی موت قبل از وقت ہوجاتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کی موت اس کے مقررہ وقت پر ہی آتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے موت کا وہی وقت متعین ہوتا ہے، ہم لوگوں کا علم چونکہ ناقص ہے؛ اس

لئے ہمیں اپنے اندازے کے حساب سے کوئی موت قبل از وقت محسوس ہوتی ہے؛ لیکن حقیقت میں کوئی بھی موت قبل از وقت نہیں ہوتی۔

گناہ سے بچنے کی تدبیریں

سوال:- {64} میں نے رب العالمین کو حاضر و ناظر جان کر دل میں یہ عہد کیا تھا کہ میں فلمیں نہیں دیکھوں گا؛ لیکن افسوس کہ میں پھر شیطان کے جال میں آ گیا، اور فلمیں دیکھنے لگا، ہر وقت میرا ضمیر ملامت کرتا رہتا ہے، اب میں اہتمام کے ساتھ نمازیں ادا کر رہا ہوں، مگر پھر شیطانی حرکتیں کرنے لگتا ہوں، میرے مسئلہ کا کیا حل ہے اور میں نے جو قسم توڑی ہے، اس کے بدلہ کیا کروں؟ (م،ق، سلیم، محبوب نگر)

جواب:- گناہوں کا ارتکاب افسوس ناک ہے، لیکن اس پر پشیمانی اور شرمندگی کا احساس امید افزا بات ہے، انشاء اللہ، اللہ کی توفیق آپ کے ساتھ ہوگی، اور آپ اس گناہ سے بچ سکیں گے، چند تدبیریں عرض کرتا ہوں، ان کا اہتمام کر کے دیکھیں:

۱۔ نماز کی پوری پابندی کریں، اور ہر نماز کے بعد گناہ سے حفاظت کی دعاء کریں۔

۲۔ جب تک فلم بینی وغیرہ سے مکمل اجتناب کی توفیق نہ ہو جائے، روزانہ دو رکعت نماز توبہ ادا کریں جس میں استغفار بھی کریں، اور آئندہ گناہ سے حفاظت کے لئے اللہ تعالی سے التجا بھی کریں۔

۳۔ کثرت سے استغفار اور ''أعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم'' پڑھا کریں کہ یہ شیطان کے شرور سے حفاظت کے لئے بہت مؤثر کلمہ ہے۔

۴۔ گناہوں سے بچنے کے ارادہ کو پختہ کریں اور اپنے اندر قوت ارادی پیدا کریں، کیونکہ قوت ارادی ہی انسان کو کسی کام پر آمادہ کرتی ہے، یا کسی نامناسب بات سے بچاتی ہے،

اورانسان جب کسی کام کاارادہ کرتا ہے، تب ہی اللہ تعالی کی نصرت شریک حال ہوتی ہے۔

۵۔ اچھے دیندار لوگوں کی صحبت اختیار کریں، اور بے دین لوگوں کی صحبت سے بچیں کہ صحبت اور ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا انسان کے اخلاق و کردار پر گہرا اثر پڑتا ہے۔

۶۔ ان کے علاوہ دینی کتابوں کا مطالعہ کیا کریں ، اس سے ایک طرف برائی کی شناعت آپ کے ذہن میں راسخ ہوتی جائے گی ، دوسرے جب مطالعہ میں دلچسپی پیدا ہو جائے گی ، تو ناجائز تفریح کے اسباب سے ذہن ہٹ جائے گا ، اور تفریح کی اس جائز بلکہ مستحسن صورت کی طرف طبیعت مائل ہو جائے گی۔

۷۔ البتہ ان سب کے ساتھ ساتھ قسم کا کفارہ بھی ادا کردیں، قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دوپہر اور رات کا کھانا کھلائیں، یا ان کے کپڑے بنائیں، اگر اس کی طاقت نہ ہو، تو تین روزے رکھے، (۱) یہ اس صورت میں ہے جب کہ آپ نے زبان سے قسم کے الفاظ کہے ہوں، یا کم سے کم زبان سے اس کام کے نہ کرنے پر عزم مصمم کا اظہار کیا ہو، چنانچہ امام محمدؒ کے نزدیک عزم مصمم کا اظہار بھی قسم کے حکم میں ہے۔

"روی عن محمد أنه إذا قال : إذا آليت كذا و عزمت لا أفعل كذا ، فهو يمين " (۲)

اگر صرف دل میں پختہ ارادہ کیا ہو، اس کو زبان سے دہرایا نہ ہو، تو یہ قسم کے حکم میں نہیں ہے، اور اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

نجات کے لئے ایمان ضروری ہے

سوال:- {65} نیکی ، اچھائی اور بھلائی دنیا میں کئے جانے والے ایسے اعمال ہیں جو انسان کو خوشی اور اطمینان قلب

---

(۱) المائدۃ:۹۸۔

(۲) الفتاوی الهندية :۵۳/۴۔

عطا کرتے ہیں، مسلمان کی حیثیت سے ہمارا عقیدہ ہے کہ ہر وہ
نیکی جو ہم اس دنیا میں کریں گے اس کا ثواب ہمیں آخرت میں
ملے گا، لیکن اچھائی، نیکی کسی کی میراث نہیں، اچھا نیک کام
ایک مسلمان بھی انجام دے سکتا ہے، اور ایک غیر مسلم بھی،
مسلمان چونکہ روز جزاء پر یقین رکھتا ہے، اس لئے اسے تو نیکی
کا ثواب آخرت میں مل جائے گا، مگر غیر مسلم جو نیکیاں کرتے
ہیں، وہ ان کی نجات کا باعث کیوں نہیں ہوں گی؟

(عثمان لاری انجینئر، ٹولی چوکی)

جواب:- آخرت میں نیکیاں انسان کو اسی وقت نجات دلا سکیں گی جب کہ اس کے ساتھ ایمان بھی ہو، چنانچہ اللہ تعالی نے جنت کے لئے عمل صالح کے ساتھ ایمان کو ضروری قرار دیا ہے:

﴿ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ ﴾(۱)

اس مضمون کی اور بھی متعدد آیتیں قرآن میں موجود ہیں، ہاں کفر کے ساتھ نیکیاں دنیا میں فائدہ پہنچا سکتی ہیں، جیسے رزق میں برکت، عمر و صحت میں برکت وغیرہ، اسی طرح بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے آخرت کے عذاب میں تخفیف بھی ہوتی ہے، جیسا کہ حضرت ابو طالب کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کے ساتھ حسن سلوک کی وجہ سے ان کے لئے دوزخ میں سب سے ہلکا عذاب رکھا گیا ہے، (۲) یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ آخر کفار و مشرکین کی نیکیاں کیوں قبول نہیں کی جاتیں؟ اب دیکھئے، اگر ہمارے ملک ہندوستان میں باہر کا

---

(۱) البقرۃ:۲۵۔

(۲) صحیح مسلم:۱/۱۱۵، عن العباس ﷺ بن عبد المطلب۔ محشی۔

کوئی سیاح آئے، تو وہ کتنا ہی نیک چال چلن کا آدمی ہو، اس ملک کا صدر اور وزیر اعظم تو کجا معمولی رکن اسمبلی بھی نہیں بن سکتا، بلکہ وہ ووٹ بھی نہیں دے سکتا، اس لئے کہ اس نے اس ملک کی وفاداری کا طوق اپنے گلے میں ڈالا ہی نہیں ہے، اسی طرح جب تک کوئی شخص خدا پر ایمان نہیں لائے تو اس نے کائنات کے اس مالک سے اپنی وفاداری کا رشتہ ہی استوار نہیں کیا، بلکہ اس کی حیثیت ایک نیک خصلت اور خوش اخلاق باغی کی ہے، اور باغی بہر حال باغی ہی ہوتا ہے، اسی لئے آخرت میں ایمان کے بغیر نجات نہیں ہوسکتی۔

تنزانیہ کے ایک لڑکے سے متعلق ویڈیو کیسٹ

سوال:- {66} ہمارے شہر میں کچھ دنوں سے ایک ویڈیو کیسٹ دکھایا جارہا ہے، جس میں چند سالہ لڑکا قرآن پاک کی تلاوت کرتا اور مذہبی امور میں عوام کی رہنمائی کرتا ہے، اس سے متاثر ہو کر بعض لوگ اسلام بھی قبول کر رہے ہیں، یہ لڑکا تنزانیہ کا رہنے والا ہے، اس کے والدین عیسائی تھے جو اب مسلمان ہو گئے ہیں، کیا اس واقعہ پر یقین کیا جاسکتا ہے؟ کہیں یہ یہودی اور عیسائی سازش کا حصہ تو نہیں؟

(محمد جاوید اقبال، ناندیڑ)

جواب:- اسلام کی حقانیت اور صداقت کی دلیل اس کی تعلیمات ہیں، اس کو اپنی حقانیت کے ثبوت کے لئے کرامات اور محیر العقول واقعات کی ضرورت نہیں، یہی اسلام کا مزاج ہے، میں نے سنا ہے کہ اس کی عمر چار یا پانچ سال بتائی جاتی ہے، چار یا پانچ سال کے بچے کا حافظ ہونا ممکن ہے، اور اس کی مثال زمانہ گذشتہ میں بھی ملتی ہے، بہر حال اس واقعہ کا درست ہونا اللہ کی قدرت سے بعید نہیں، لیکن ایسی باتوں کو زیادہ اہمیت دینا نہ مناسب ہے اور نہ اسلام کے

مزاج کے مطابق، جب کوئی قوم محیر العقول واقعات سے تسکین کی خوگر ہو جاتی ہے، تو اس کی قوت عمل مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے۔

دعا کی وجہ سے تقدیر کا ٹل جانا

سوال:- {67} تقدیر کیا ہے اور کیا دعاء سے تقدیر بدل سکتی ہے؟ (سید مجاہد احمد، ورنگل)

جواب:- تقدیر کے معنی اندازہ کرنے اور مقرر کرنے کے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان کو ارادہ اور اختیار کی قوت عطا فرمائی ہے، لیکن اسے خوب اندازہ ہے کہ کون کیا عمل کرے گا، اور کس کے ساتھ کیا احوال پیش آئیں گے؟ انسان کے اندازے غلط ہو سکتے ہیں، کیونکہ اس کو زیادہ سے زیادہ گزرے ہوئے دنوں اور موجودہ وقت کا یقینی علم ہے، مستقبل کے بارے میں کوئی یقینی علم نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کو ازل سے ابد تک کا یقینی علم ہے، اور علیم وخبیر ہونا اس کی ایک اہم ترین صفت ہے، اس لئے جو کچھ اس کے علم میں ہے اور جو بات اس کے حکم سے نامۂ تقدیر میں ثبت ہو چکی ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، وہ یقینی طور پر اسی طرح پیش آ کر رہے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’ لا یرد القدر إلا الدعاء ‘‘ کہ دعاء ہی تقدیر کو پھیر سکتی ہے، (۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کی تقدیر میں یہ بات لکھی ہے کہ اگر وہ دعاء کریں تو ایسا ہو اور اگر دعاء نہ کریں تو ایسا ہو، حالانکہ وہ جو کرے گا، وہ بات بھی اللہ کے علم میں موجود ہے، اس کو تقدیر معلق کہتے ہیں، اس تقدیر کے مطابق انسان پر پیش آنے والے احوال میں دعاء اثر انداز ہوگی، علماء نے حدیث کا یہی مفہوم بتایا ہے۔

نفسانی وساوس کا شرعی علاج

سوال:- {68} آج کے ماحول میں کئی نوجوان

---

(۱) سنن ابن ماجۃ: ۱/۱۰۔

مریض شدید نفسانی خواہشات میں گرفتار ہو کر وسوسوں کے شکار ہیں، کوئی ایسا طریقہ یا وظیفہ بتایئے جس کے ذریعہ اس سے نجات مل سکے؟ (حکیم محمد عبدالقادر، غازہ بنڈہ)

جواب:- نفسانی خواہشات کے غلبہ اور اس کیفیت سے سکون کا نسخہ وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ نوجوانوں کو جلد نکاح کر لینا چاہئے، یہ سوچ کہ اعلیٰ سے اعلیٰ معیار زندگی حاصل کرنے کے بعد ہی نکاح کیا جائے، نہ صرف اسلامی نقطۂ نظر سے غلط ہے، بلکہ صحت کے اعتبار سے بھی نقصاندہ ہے، اگر کسی شخص کا مالی موقف نہ ہو کہ نکاح کر سکے تو اسے روزہ رکھنے کا اہتمام کرنا چاہئے، کہ اس سے ضبط نفس کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، اور شیطان کے شر سے بچنے کے لئے کثرت سے تعوذ یعنی "أعوذ بالله من الشیطان الرجیم" پڑھا کریں۔(۱)

عملیات میں غیر شرعی عمل

سوال:- {69} میری بڑی بہن کی "جن" کے اثرات کی وجہ سے تین مہینہ سے طبیعت خراب ہے، لوگ ایک عامل صاحب کے پاس لے گئے، ہم نے دیکھا کہ چٹکی بجاتے ہی ایک گولی آتی ہے، وہ اسے دیتے ہیں، اور لیموں سے مریض کے سارے جسم پر ملتے ہیں، کیا ایک غیر مرد کا کسی عورت کو اس طرح ہاتھ لگانا اور لیموں ملنا جائز ہے؟ (x.y.z، دبیر پورہ)

جواب:- جن سے نجات پانے کے لئے آیات قرآنی سے دم کرنا یا دعا کرنا یا کسی چیز کو پڑھ کر یا پھونک کر استعمال کے لئے دینا درست ہے، لیکن یہ بات کہ غیر محرم عورت کو ہاتھ لگایا جائے، یا اس کے جسم پر لیموں وغیرہ کی مالش کی جائے، قطعا جائز نہیں، سخت گناہ ہے، خواتین کو ایسے فریب صفت لوگوں کے پاس جانے سے بچنا چاہئے۔

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: البحر الرائق: ۱۴۰/۳، نیز دیکھئے: رد المحتار: ۶۴/۴۔ محشی۔

''میں مسلمان بھی ہوں اور عیسائی بھی'' کہنا

سوال:- {70} ۱۵؍مئی کے اخبار میں ہے کہ یاسر عرفات صاحب کہہ رہے ہیں کہ میں مسلمان بھی ہوں اور عیسائی بھی، کیا ایسا کہنے والا مسلمان باقی رہے گا؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- کسی مسلمان کے لئے اس طرح کی بات کہنا نامناسب اور ناروا ہے، کیونکہ عرف میں عیسائی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو عیسائی عقائد پر یقین رکھتا ہو، اور یہ عقائد یقیناً عقیدۂ توحید سے متصادم اور اس کے خلاف ہیں، ہاں! اگر کوئی شخص اس معنی میں اپنے آپ کو عیسائی کہتا ہو کہ وہ حضرت عیسی علیہ السلام پر بھی ایمان رکھتا ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ بات درست ہوگی، کیونکہ مسلمان تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں، بہر حال چونکہ اس تعبیر میں دونوں معنوں کا احتمال ہے، جن میں سے ایک انسان کو دائرہ ایمان میں باقی رکھتا ہے، اور دوسرے معنی کے لحاظ سے دائرہ ایمان سے باہر ہو جاتا ہے، اور کفر کا حکم لگانے میں احتیاط ضروری ہے، (۱) اس لئے یہ فقرہ کہنے والے کو کافر تو نہیں کہا جا سکتا، لیکن یہ تعبیر بہر صورت خلاف احتیاط اور نادرست ہے۔

اللہ کے بندے! میری مدد کر

سوال:- {71} میں نے یہ بات سنی ہے کہ اگر کوئی شخص پریشانی میں ہو، یا راستہ بھٹک گیا ہو، تو یوں کہتا کہ: ''اے اللہ کے بندے میری مدد کر'' کیا یہ درست ہے؟

(شیخ عمران، بلال فارم)

(۱) "الكفر شيئ عظيم فلا اجعل المؤمن كافرًا متىٰ وجدت رواية أنه لا يكفر" (رد المحتار:٦/٣٥٨) محشی۔

جواب:- اگر کوئی آدمی موجود ہو تو اس سے مدد مانگنے میں کچھ حرج نہیں، لیکن اگر کوئی شخص موجود نہ ہو، تو اللہ سے مدد کی دعاء کرنی چاہئے، نہ کہ اللہ کے بندوں سے، کیونکہ ہر جگہ موجود ہونا اور ہر ضرورت کو پوری کرنے پر قادر ہونا صرف اللہ ہی کی شان ہے، اللہ کے سوا کسی اور کو یہ قدرت حاصل نہیں، اس لئے اس طرح کا جملہ نہیں کہنا چاہئے؛ بلکہ اس میں کفر کا اندیشہ ہے۔

مسلم عہدیدار اور سرسوتی کی پوجا

سوال:- {72} آج کل دیکھا جارہا ہے کہ اعلیٰ عہدہ پر فائز مسلمان افسروں کے ہاتھوں سرسوتی کی پوجا کرائی جاتی ہے، اور وہاں دیپ جلانے کو کہا جاتا ہے، کیا یہ شرعی لحاظ سے جائز ہے؟ (منیب حنفی، پربھنی)

جواب:- سرسوتی کی پوجا مشرکانہ فعل ہے اور کسی بھی مسلمان کے لئے ایسا کرنا قطعاً درست نہیں، قانوناً بھی کسی مسلمان پر یہ بات لازم نہیں قرار دی جاسکتی، مسلمان عہدیداروں کو چاہئے کہ وہ اس سے انکار کردیں اور غیر مسلم بھائیوں کو سمجھائیں کہ یہ ان کے ایمان وعقیدہ کا مسئلہ ہے، جیسے ہم کسی غیر مسلم کو نماز پڑھنے پر مجبور نہیں کرتے، بلکہ اس کی خواہش بھی نہیں کرتے، اسی طرح ہمارے غیر مسلم بھائیوں کو بھی مسلمان سے ایسا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے۔

غیر مسلم کو نمسکار اور ہاتھ جوڑنا

سوال:- {73} مسلم حضرات غیر مسلم افراد سے ملاقات کے وقت ہاتھ جوڑ کر ''نمستے، نمسکار'' وغیرہ کہتے ہیں، کیا ان کے سامنے ہاتھ جوڑنا اور نمسکار کرنا جائز ہے؟

(منیب حنفی، پربھنی)

جواب:- نمستے اور نمسکار غیر اسلامی اور مشرکانہ عقیدہ پر مبنی تعبیرات ہیں، اس لئے مسلمانوں کے لئے ایسے الفاظ کا کہنا قطعاً درست نہیں، ہاتھ جوڑنا بھی غیر اسلامی طریقہ ہے، زبان سے آداب وغیرہ کہہ دینا درست ہے، بوقتِ ضرورت سلام بھی کیا جاسکتا ہے، لیکن سلام میں کفر و شرک سے سلامتی کا معنی ذہن میں رکھا جائے، تو بہتر ہے:

"ویسلم المسلم علی أهل الذمة لو له حاجة إلیه"(۱)

پوجا کے پتھر پر ناریل پھوڑنا

سوال:- {74} ہمارے محلہ میں سمینٹ روڈ بنانے کی افتتاحی تقریب منعقد ہوئی، علاقے کے کارپوریٹر محلے کے معزز و بزرگ افراد اور مسجد کے پیش امام و قاضی صاحب بھی آئے تھے، روڈ پر ایک مقام پر ایک پوجا کا پتھر رکھ کر اس کے اطراف کُم کُم ڈالا گیا، مٹھائی اور چند ناریل رکھے گئے تھے، ہمارے کارپوریٹر صاحب نے ایک ناریل اٹھا کر اسے پوجا کے پتھر پر مار کر توڑا، یہ افتتاحی رسم کی انجام دہی ہوئی، اس کے بعد صدر محلّہ دوسرے معززین کے ساتھ ہماری مسجد کے پیش امام اور قاضی صاحب نے بھی اسی جوش و جذبہ سے ناریل اسی پوجا کے پتھر پر مار کر توڑا، پھر مٹھائی تقسیم ہوئی، وغیرہ وغیرہ —— اس طرح کا یہ عمل تمام معززین و مسجد کے پیش امام و قاضی صاحب کا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس شرک و گناہ کے مرتکبین کو کیا کرنا چاہئے، اور ہم لوگ اس الجھن میں ہیں کہ کیا اب مسجد کے پیش امام و قاضی صاحب کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟ (ایچ، اے، نواب، حمایت نگر)

(۱) الدر المختار علی هامش الرد: ۹/۵۹۰۔

جواب:- پوجا کا پتھر رکھنا، کُم کُم لگانا اور ناریل پھوڑنا صریحا مشرکانہ فعل ہے، اگر امام صاحب اور قاضی صاحب اور دوسرے مسلمانوں نے یہ سب کچھ کیا ہے تو بہت ہی افسوسناک اور شرمناک بات ہے، ان سے توبہ کرانی چاہئے۔ اس کے بعد ان کے پیچھے نماز ادا کی جاسکتی ہے، کسی بھی مسلمان کے لئے اس طرح کے افعال کرنا قطعا درست نہیں، اگر اِس کا حکم جانتے بوجھتے ایسا کرے تو دائرۂ اسلام میں باقی نہیں رہے گا، اسلام نے ایسی رواداری کو جائز نہیں رکھا ہے، ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہندو بھائیوں کے پوجاپاٹ میں خلل ڈالیں، یا ان سے کوئی ایسی بات کہیں، یا ایسی حرکت کریں جن سے ان کی دل آزاری ہوتی ہو، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ مسلمان خود مشرکانہ افعال کرنے لگیں، یہ اسی طرح نامعقول ہے جیسے یہ کہ مسلمان کسی غیر مسلم سے نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کا تقاضا کریں۔

ٹاکز کے اشتہار کے ساتھ خانۂ کعبہ وغیرہ کی تصویر

سوال:- {75} میرا اسکرین پریس ہے، زید میرے پاس نظام الاوقات چھپوانے کے لئے آئے تھے، اور اس کارڈ کو پسند کیا تھا، جس پر خانۂ کعبہ اور مدینہ منورہ کا نقش ہے، اسی کارد کے اوپر فلمی ٹاکز کا نام ڈالنا تھا، تو کیا اس کارڈ پر فلمی ٹاکز کا نام ڈال سکتے ہیں؟ (محمد یوسف اشاعتی، بیدر)

جواب:- فلمی ٹاکز کا اشتہار چھاپنا گناہ اور برائی کے کاموں میں معاون ہونا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿ لَاتَعَاوَنُوا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ (۱) کے تحت ناجائز اور حرام ہے، اگر اس کارڈ پر خانۂ کعبہ، مدینہ منورہ اور نماز کے اوقات درج نہیں ہوتے، تب بھی ان کا چھاپنا گناہ ہوتا ہے، اور ان چیزوں کے ساتھ فلمی ٹاکز کا اشتہار تو نہ صرف گناہ میں تعاون ہے،

---

(۱) المائدۃ :۲۔ محشی۔

بلکہ ان دینی عبادتوں کے ساتھ تمسخر اور استہزاء بھی ہے، اس میں کفر کا اندیشہ ہے، اس لئے اس سے خوب احتیاط کرنی چاہئے۔

بیعت وتصوف

سوال:- (76) آج کل پیری مریدی بہت تیزی سے پھیل رہی ہے، یہ کہاں تک صحیح ہے؟ کسی کا کہنا ہے کہ یہ عمل حضور ﷺ کے دور سے ہی جاری ہے، اور کسی کا کہنا یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اسے کر کے دکھایا ہے، تبلیغی جماعت میں بھی ہم یہ چیز دیکھتے ہیں، براہِ کرام اپنے اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں؟

(انور رشید انصاری، ایس، آئی، او بھدوئی سرکل درانسی)

جواب:- بیعت جو سلاسل تصوف میں ہوتی ہے، اس کا حاصل محض اتنا ہے کہ ایک شخص اپنی تربیت واصلاح کے لئے خود کو دوسرے کے حوالہ کرتا ہے، اور اس کے ہاتھ پر گناہوں سے اجتناب اور فرائض وواجبات پر مواظبت کا عہد کرتا ہے، یہ اپنی اصل اور روح کے لحاظ سے امر بالمعروف ہی کی ایک صورت ہے، آپ ﷺ بھی عمل صالح کی بیعت فرمایا کرتے تھے۔ (۱) سلفِ صالحین میں شریعت کے احکام کے مطابق اعمال واخلاق کی اصلاح وتربیت کی یہی سیدھی سادی صورت تھی جس کو بعض لوگوں نے ''تصوف'' کا نام دیا ہے۔

اس لئے خود بیعت کے جائز ودرست ہونے میں کلام نہیں، البتہ بعد کو بعض مبتدعین نے تصوف کے چشمۂ صافی میں اتنی آمیزش پیدا کردی کہ نوبت یہاں تک آپہونچی کہ بعض صوفیاءِ زور نے اس کو شریعت سے بھی آزاد کرالیا، حالانکہ ایسے نام نہاد صوفیا کی کثرت ہوگئی ہے، لیکن مشائخ حقانی اور علماءِ ربانی بھی موجود ہیں، اور ان سے اصلاحی تعلق رکھنے میں حرج نہیں۔ وباللہ التوفیق۔

---

(۱) کنز العمال میں مختلف کتب حدیث کے حوالہ سے بیعت کے سلسلہ میں مجموعی اعتبار سے ۳۴ حدیثیں آئی ہیں، دیکھئے: حدیث نمبر: ۱۴۴۶ تا ۱۴۷۹۔

عقائد کا بیان

کیا خدا زبان کا محتاج ہے؟

سوال:- {77} میرے ایک ہندو دوست نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ اگر قرآن اللہ کا کلام ہے، تو اللہ کی زبان بھی ہونی چاہئے، تب یہ کلام اسی کی زبان سے جاری ہوا ہے، جب کہ عقیدۂ توحید تو یہ ہے کہ اللہ جسم سے پاک ہے، قرآن کی آیات کے حوالوں سے اس ہندو کی تشفی نہیں ہوگی، منطقی، یا عقلی نقلی مثالوں سے سمجھائیں، تب اس کی سمجھ میں آجائے گا؟

(یوسف الدین احمد انجینئر، بی بی بازار)

جواب:- اس سلسلہ میں دو باتیں ذہن میں رکھنی چاہئیں، اول یہ کہ جو چیز بنائی گئی ہو اس پر بنانے والے کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، غور کیجئے کہ انسان نے سائیکل سے لے کر ہوائی جہاز تک بنایا ہے، یہ تمام مصنوعات وہ ہیں جو اپنے چلنے میں مشین اور کسی نہ کسی محرک آلہ کی محتاج ہے، یہ خود اپنے ارادہ سے نہیں چل سکتیں، لیکن انسان اپنے ارادہ سے آپ چلتا ہے، اس طرح

کے بہت سے مسائل ہیں کہ انسان جیسے حقیر وجود نے جن چیزوں کو بنایا ہے، ان کے اور انسان کے درمیان غیر معمولی فرق ہے، تو اس سے اندازہ کرنا چاہئے کہ اتنی وسیع اور حیرت انگیز کائنات بنانے والے کو انسان پر کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے؛ کہ چونکہ انسان دیکھنے میں آنکھ کا اور بولنے میں زبان کا محتاج ہے، تو خدا کو بھی زبان اور آنکھ وغیرہ کا محتاج ہونا چاہئے۔

دوسرے یہ سمجھنا بھی صحیح نہیں کہ الفاظ کی ادائیگی کے لئے زبان ہی ضروری ہے، غور کیجئے کہ انسان نے اپنے ہاتھوں ٹیپ ریکارڈ بنایا ہے، یہ ٹیپ ریکارڈ کلام کو محفوظ کرتا ہے، اور پھر بوقت ضرورت وہی کلام ہم کو آپ کو سناتا ہے، حالانکہ زبان کی وہ خاص صورت جو ہمارے اور آپ کے ذہن میں ہے، وہ اس ٹیپ ریکارڈ میں موجود نہیں —— بہر حال ایک محتاج کو دوسرے محتاج پر اور مخلوق کو تو دوسری مخلوق پر قیاس کرنے کی ایک حد تک گنجائش ہے، گو یہ بھی لازم نہیں، لیکن خالق کو مخلوق اور قادر مطلق کو محتاج محض پر قیاس کرنا عقل و فطرت کے تقاضوں کے خلاف ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ ایک نومولود بچے کی صلاحیت پر کسی صحت مند جوان عمر کی صلاحیت و طاقت کو قیاس کیا جائے۔ واللہ ھو الھادی إلی الحق۔

اللہ تعالی کے لئے لفظ ''خدا''

سوال:- {78} آج کے مصنف میں ارشاد نبوی میں لفظ ''خدا'' دو جگہ آیا ہے، یہ لفظ عربی کے کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ سورۂ اعراف، آیت نمبر: ۱۷۹-۱۸۰ میں قرآن کہتا ہے کہ سوائے اسماء حسنی یعنی ۹۹ اسماء کے کسی عجمی زبان میں اللہ کو پکارنا فاسد ہے، اللہ کی جگہ اللہ ہی استعمال ہونا چاہیے۔

(ضمیر احمد، حیدرآباد)

جواب:- سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۸۰ اسماء باری تعالی سے متعلق ہے، اللہ تعالی کا

ارشاد ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوْا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَائِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾(۱)

''اور اللہ کے لئے اچھے اچھے نام ہیں، ان ناموں سے اللہ کو پکارو اور جو لوگ اللہ کے ناموں میں کجروی کرتے ہیں، انہیں چھوڑ دو، عنقریب ان کو ان کے عمل کا بدلہ ملے گا''

یہ آیت ایک خاص موقعہ پر نازل ہوئی ہے:

''ایک مسلمان اپنی نماز میں یا رحمٰن یا رحیم کہہ رہے تھے، مشرکین مکہ نے طنز کیا کہ محمد ﷺ کا دعویٰ تو یہ ہے کہ ایک ہی رب کی عبادت کرتا ہوں، لیکن پھر یہ دو دو رب کو کیوں پکارتے ہیں؟ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس نامعقول بات کا جواب ارشاد فرمایا ہے کہ یہ سب ایک اللہ ہی کے نام ہیں، اگر نام کئی ہوں، تو صاحب نام کا متعدد ہونا لازم نہیں''(۲)

قرآن نے اسماء حسنیٰ کے نام سے اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کا ذکر نہیں کیا ہے، البتہ

---

(۱) الاعراف :۱۸۰۔

(۲) "قال مقاتل وغيره من المفسرين : "نزلت هذه الآية في رجل من المسلمين ، كان يقول في صلاته : يا رحمن ، يا رحيم ، فقال رجل من مشركي مكة : أليس يزعم محمد و أصحابه أنهم يعبدون ربا واحدا ، فما بال هذا يدعو ربين اثنين ؟ فأنزل الله سبحانه وتعالىٰ " و لله الأسماء الحسنىٰ فادعوه بها "(التفسير القرطبي: ۷/۳۲۵،دار احياء التراث العربي ، بيروت۔محشی۔

ترمذی اور بعض اور کتب حدیث میں ننانوے اسماء حسنیٰ کا ذکر آیا ہے،(۱) لیکن کیا ان ناموں کے علاوہ دوسرے نام نہیں لئے جاسکتے ؟ اس میں اہل علم کا اختلاف ہے، اکثر سلف صالحین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے لئے یہی نام مخصوص نہیں، امام غزالیؒ، امام الحرمینؒ، امام نوویؒ، علامہ ابن عربیؒ، مفسر آلوسیؒ وغیرہ کا یہی نقطۂ نظر ہے،(۲) البتہ قرآن وحدیث میں جو نام مذکور نہیں، ان کے بارے میں اندیشہ ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ کی شان کی پوری پوری رعایت نہ ہو، اس لئے اہل علم نے دوسرے ناموں سے احتیاط کا حکم دیا ہے۔

''خدا'' کا لفظ اپنے معنی کے لحاظ سے اللہ کے بارے میں اسلامی تصور سے ہم آہنگ ہے، ''خدا'' کے معنی ایسی ذات کے ہیں جو اپنے وجود میں دوسرے کا محتاج نہ ہو، اور جو کسی اور سے پیدا نہ ہوا ہو، ظاہر ہے اللہ کے بارے میں ہم جو عقیدہ رکھتے ہیں، یہ اس کے مطابق ہے، یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین کے زمانہ سے اللہ کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا آیا ہے، شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ نے بھی اللہ کے لئے ''خدا'' کے لفظ کو درست قرار دیا ہے۔(۳) اس لئے اللہ کو ''خدا'' کہنے میں کچھ حرج نہیں، البتہ باری تعالیٰ کا اصل نام اور ذاتی علم ''اللہ'' ہے۔ اور یہی نام قرآن وحدیث میں ہر جگہ استعمال ہوا ہے، اس لئے خدا کے بجائے ''اللہ'' کہنا زیادہ بہتر ہے، واللہ اعلم۔

---

(۱) " عن النبي ﷺ قال: إن لله تسعة و تسعين اسماءً مائة غير واحد من احصاها دخل الجنة " عن أبي هريرة ؓ، (الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۳۵۰۶، باب إن لله تسعة و تسعين اسماء، كتاب الدعوات ۔محشی۔

(۲) " قال : ثم ليعلم أن الأسماء الحسنى غير منحرة في تسعة و تسعين ألخ " ثم قال : " و ذكر الإمام أبو بكر بن العربي أحد أئمة المالكية فى كتابه الأحوذي في شرح للترمذي أن بعضهم جمع من الكتاب و السنة من أسماء الله ألف اسم " فالله اعلم " (تفسير ابن كثير:۲/۲۶۹، ط:دار إحياء التراث العربي)

(۳) اليواقيت و اللالى:۱/۷۲۔

اللہ اور رسول کے نام میں ترتیب

سوال:- {79} مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری کی کتاب ''مرنے کے بعد کیا ہوگا؟'' میں ہر جگہ ''رسول خدا تعالیٰ'' لکھا ہوا ہے، حالانکہ کتاب کے صفحہ: ۱۷ پر لکھا ہوا ہے کہ ''پہلے اللہ کا نام اور پھر رسول کا نام آنا چاہئے، یہ مولانا پر نکتہ چینی نہیں ہے بلکہ تحقیق مقصود ہے۔ (واجد علی خان، بھینسہ)

جواب:- یہ بات درست ہے کہ جب اللہ کا اور رسول اللہ ﷺ کا مستقل ذکر مقصود ہو تو پہلے اللہ کا اور پھر رسول کا نام لیا جائے، تقاضۂ ادب یہی ہے، قرآن مجید میں بھی جہاں کہیں اس طرح ذکر آیا ہے تو یہی ترتیب رکھی گئی ہے، جیسے فرمایا گیا: ''اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو'' ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾(۱) لیکن جہاں صرف رسول اللہ ﷺ کا ذکر مقصود ہے جیسے یوں کہا جائے: رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا، تو وہاں عربی اور فارسی قاعدہ کے لحاظ سے رسول ﷺ کا لفظ پہلے ہونا ضروری ہوتا ہے، کیونکہ یہاں مقصود رسول ﷺ کا ذکر کرنا ہے، رسول ﷺ کی محض اللہ سے نسبت ظاہر کرنے کے لئے ''اللہ'' کا ذکر کیا جاتا ہے، اور عربی اور فارسی زبان میں قاعدہ ہے کہ جس کی نسبت کی جائے اس کا ذکر پہلے آتا ہے، اور جس سے نسبت کی جائے اس کا ذکر بعد میں، اس لئے عربی میں رسول اللہ ﷺ اور رسول خدا ﷺ کے الفاظ کہے جائیں گے، کیونکہ یہاں اللہ کا نام نامی صرف اظہار نسبت کے لئے آیا ہے، اس میں کوئی بے ادبی نہیں۔

اہل سنت والجماعۃ کے خلاف عقیدہ رکھنا

سوال:- {80} کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ

(۱) النساء: ۵۹۔ مرتب۔

میں کہ ایک شخص عقایدِ اہلِ سنت و جماعت کے خلاف عقائد رکھتا ہے، مصلیان مسجد کو درود وسلام اور لفظ ''یا'' کے ذریعہ استعانت سے منع کرتا ہے، کیا ایسے شخص کو امام بنایا جائے؟

الافتاء:- اہلِ سنت و جماعت کے خلاف عقائد رکھنے والے کو امام نہ بنایا جائے، اس کی اقتداء مکروہ ہے، جیسا کہ ردالمحتار جلد اول ص:۳۹۳ رمیں ہے:''وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه بأن في تقديمه للإمامة تعظيمه وقد وجب عليهم اهانته شرعاً''الجمله فقط۔

(مفتی جامعہ نظامیہ)

جواب:- استفتاء اور فتوی (حوالہ نمبر اس ونہم ۴۸۱) مصدرہ از دارالافتاء جامعہ نظامیہ حیدرآباد کے مطالعہ کا موقع ملا، حقیقت یہ ہے کہ یہ استفتاء بھی مبہم ہے اور فتوی بھی، پہلے تو اس پر بحث ہونی چاہئے تھی کہ اہلِ سنت والجماعۃ کے عقائد کیا ہیں؟ پھر یہ کہ درود وسلام کی کونسی صورت مشروع ہے، اور کونسی نہیں؟ تیسرے ''یا'' کے ذریعہ غیر اللہ سے استعانت کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ کیا ایسا کرنا عقائد اہل سنت والجماعت کی رو سے درست ہے اور کیا توحید فی الصفات میں یہ داخل نہیں ہے کہ مستعان تنہا خدا ہی کو سمجھا جائے؟ پھر اس کے بعد ہی یہ بات فیصل ہوسکتی ہے کہ امام صاحب کی طرف اہل سنت کی مخالفت کی جو نسبت کی گئی ہے، کیا وہ درست بھی ہے؟

اہلِ سنت والجماعت کے عقائد کیا کیا ہیں؟ اس میں تفصیل ہے، تاہم اس سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ ''سنت'' سے مراد سنتِ نبوی ﷺ اور جماعت سے مراد جماعتِ صحابہ ﷺ ہے، اس طرح جن امور کی اصل سنتِ رسول ﷺ اور آثارِ صحابہ ﷺ میں موجود ہو، ان کو تسلیم کرنے پر اہلِ سنت والجماعت میں ہونے کا مدار وانحصار ہے، جو لوگ ایسے امور کو دین کا جزو بنالیں جن کی

اصل کتاب وسنت اور آثارِ صحابہ ﷺ میں موجود نہ ہو، وہ درحقیقت اہلِ سنت والجماعت میں نہیں ہیں، ایک حدیث شریف میں اسی اصول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

"علیکم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها و عضوا علیها بالنواجذ وإیاکم و محدثات الأمور فإن کل محدثة بدعة ، و کل بدعة ضلالة "(۱)

اب جن عقائد کو سنی ہونے کے لئے ضروری سمجھا جاتا ہے، ضروری ہے کہ پہلے دین کے ان تینوں بنیادی مصادر سے قوی اور مستند طریقہ پر ان کا ثبوت ہو، یا عقائد اہل سنت کے مشہور و مستند شارحین جیسے امام غزالیؒ، ابن تیمیہؒ، ملا علی قاریؒ وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہو۔

رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام بھیجنا بے شک ہر مسلمان پر آپ ﷺ کا حق ہے، اور کوئی صاحب ایمان اس سے روک نہیں سکتا، تاہم ضروری ہے کہ صلوۃ وسلام کے لئے بھی وہی صورت اختیار کی جائے، جو کتاب وسنت اور اسوۂ صحابہ ﷺ سے ثابت ہو، اس کے لئے کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس کا ثبوت ان طریقوں سے نہ ہو، یقیناً بدعت اور قابلِ ممانعت ہے، اور ان سے روکنے والے نہیں، بلکہ ان کے کرنے والے مستحق مذمت ہیں، فقہاءؒ نے لکھا ہے کہ کسی نیک کام کے لئے ایسا وقت متعین کر لینا، یا اس کو اہمیت دینا جس کا ثبوت نہ ہو، یا ایسی کیفیت جو ثابت نہ ہو اس کو بدعت بنا دیتا ہے، مثلاً: ایک کام کے لئے قیام کا اہتمام ثابت نہ ہو اور اس کے لئے خصوصیت سے قیام کیا جائے، یہ بدعت ہے، اسی طرح کوئی کام انفرادی طور پر کرنے کا ہے، لیکن لوگ اس کو اجتماعی طور پر کرنے لگیں، یہ بدعت ہے، کتب فقہ میں اس سلسلہ میں بہت سی صراحتیں موجود ہیں، امام ابواسحاق شاطبیؒ لکھتے ہیں:

" ومنها أي البدعة التزام الکیفیات والهیئات

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۴۶۰۷، باب في لزوم السنة ، کتاب السنة ۔ محشی۔

المعينة كالذكر بهيئة الإجتماع على صوت
واحد ... ومنها التزامه العبادات العينية في
اوقات معينة لم يوجد لها ذلك التعيين في
الشريعة "(۱)

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''عالمگیری'' میں ہے:

" قراء ة الكافرون إلى الآخر مع الجمع مكروهة :
لأنها بدعة لم ينقل عن الصحابة و التابعين "(۲)

اس لئے اگر امام مذکور نے کسی خاص نماز کے بعد اجتماعی طور پر کھڑے ہوکر خاص ہیئت کے ساتھ سلام پڑھنے سے منع کیا ہو تو ایسا کرنا بالکل درست ہے، اور'' نهي عن المنكر '' کے دائرہ میں ہے۔

استعانت صرف اللہ تعالی ہی سے جائز ہے سورۂ فاتحہ میں حصر کے ساتھ کہا گیا ہے، ﴿إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ غیر اللہ سے استعانت جائز نہیں، مشہور محدث علامہ پٹنی'' لکھتے ہیں کہ

" فإن منهم من قعد بزيارة قبور الأنبياء
والعلماء أن يصلي عند قبورهم ويدعو عند ها
وليسألهم الحوائج ، وهذا لا يجوز عند أحد
من علماء المسلمين ، فإن العبادة وطلب
الحوائج والاستعانة منه وحده "(۳)

مولانا ثناء اللہ پانی پتیؒ مشہور صوفی اور بزرگ حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ سے نقل کرتے

---

(۱) الاعتصام : ۲۹/۱۔
(۲) فتاوی عالمگیری:۹۱/۴۔
(۳) مجمع بحار الانوار:۴۲/۲۔

ہیں: ''چنانچہ کسے بطور وظیفہ یا محمد یا محمد تفتہ یا باشد سدانہ باشد''(۱) غیر اللہ سے استعانت تو کیا اللہ تعالیٰ سے دعاء کے درمیان کسی کے حق وحرمت کا حوالہ دینا بھی مکروہ اور ناجائز ہے، علامہ مرغینانیؒ لکھتے ہیں:

"ویکره أن یقول الرجل في دعائه بحق فلان أوبحق أنبیائك ورسلك " (۲)

استعانت کی بنیاد اس بات پر ہے کہ انسان مُستعان کو متصرف ومختار سمجھے اور فقہاء نے لکھا ہے کہ غیر اللہ کو متصرف سمجھنا کفر ہے:

" ومنها إن ظن أن المیت یتصرف في الأمور دون الله تعالی و اعتقاده ذلك کفر " (۳)

اب اگر سوال میں استعانت سے استعانت بغیر اللہ مراد ہے، تو ظاہر ہے کہ کفر یا کم از کم قریب بہ کفر ہے، اور امام کا اس سے روکنا واجب اور شرعی فریضہ ہے؛ اس لئے اگر درود وسلام کے مذکورہ بالا طریقہ اور استعانت بغیر اللہ سے امام صاحب نے منع کیا ہو، تو یہ اہلِ سنت والجماعۃ کے مسلک کے عین مطابق ہے، اور اس کا یہ عمل ہرگز موجب فسق نہیں، بلکہ عین تقاضاء دین ہے؛ لہٰذا امام مذکور کی امامت مکروہ نہیں، بلکہ" سعی إلی الخیر " اور" نهی عن المنکر " ہونے کی وجہ سے مستحسن اور بہتر ہے۔ هذا ما عندي والله أعلم بالصواب۔

نجومی کو ہاتھ دکھانا

سوال:- {81} مستقبل کی نشاندہی کے لئے نجومی کو

---

(۱) ارشاد الطالبین : ص:۱۹۔

(۲) الهدایه:۴/۴۷۵، کتاب الکراهیة ۔

(۳) البحر الرائق : ۲/۵۲۰، فصل في النذر ۔محشی۔

ہاتھ دکھایا جاسکتا ہے؟ (حشمت آرا قدیر، سلاخ پور)

جواب:- صرف اللہ ہی کی ذات ہے جو غیب کی باتوں اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات سے واقف ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''غیب کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں اللہ کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا'' ﴿ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ ﴾(۱) نجومی اور جیوتش سے قسمت کا حال معلوم کرنا، غیب کے علم میں اس کو خدا کا شریک ٹھہرانا ہے، اس لئے یہ قطعاً جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو ایسے لوگوں کے پاس آئے، اس کی چالیس دن کی نماز مقبول نہیں ہوگی''(۲) حضرت معاویہ بن حکم ؓ سے مروی ہے کہ

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ زمانہ جاہلیت
میں ہم لوگ کاہنوں کے پاس جایا کرتے تھے، تو آپ ﷺ
نے ارشاد فرمایا کہ'' کاہنوں کے پاس مت جاؤ''(۳)

اس نکتہ کو بھی اپنے ذہن میں رکھنا چاہئے کہ انسان کے مستقبل کو اس کی نگاہوں سے اوجھل رکھنا بھی اللہ کی بہت بڑی رحمت ہے، اگر انسان کو موت آنے سے پہلے موت کا وقت معلوم ہو جائے اور مصیبتوں اور آزمائشوں سے دو چار ہونے سے پہلے آنے والی مصیبتوں سے مطلع کر دیا جائے، تو یہ بجائے خود اس مصیبت سے بڑھ کر مصیبت اور موت سے زیادہ باعث اذیت ہو کر رہ جائے گا، اس لئے ان کی کھوج اور تجسس اپنے آپ کو پریشانی میں ڈالنا ہے۔

---

(۱) الأنعام :۵۹۔

(۲) "عن النبي ﷺ قال:من أتى عرافا فسئله عن شيئ ، لم تقبل له صلاة أربعين ليلة ، عن صفية عن بعض ازواج النبي ﷺ" (صحيح مسلم ،حدیث نمبر:۲۲۳۰، باب تحريم الكهانة واتيان الكهان ، كتاب السلام)محشی۔

(۳) صحيح مسلم:۲/۲۳۲،باب تحريم الكهانة۔

ہاتھ کی لکیریں

سوال:- {82} کیا یہ سچ ہے کہ ہاتھ میں جتنی لکیریں ہوں اتنی پریشانیاں ہوتی ہیں، کم ہو، تو کوئی پریشانی نہیں ہوتی، بعض لوگ لکیروں کو دیکھ کر قسمت کا حال بتاتے ہیں، کیا ان کا کہنا سچ ہے؟ (لبنی، سدی پیٹ)

جواب:- اللہ تعالی نے ہر انسان کی تقدیر لکھ دی ہے اور لکھ کر فرشتوں کے حوالہ بھی کی ہے، یہ قسمت انسان کے ہاتھ یا جسم پر نہیں لکھی جاتی ہے؛ اس لئے لکیروں سے قسمت کا حال معلوم کرنا اور اس پر اعتماد کرنا سخت گناہ اور ناپسندیدہ ہے، نہ شرعا ایسا کرنا درست ہے، (۱) اور نہ طبی اور سائنسی اعتبار سے ان لکیروں کا انسانی احوال سے کچھ تعلق ہے، جیسے اللہ تعالی نے چہرے مہرے، رنگ وروپ، آواز اور چال ڈھال کے اعتبار سے ہر شخص کو دوسرے سے ممتاز اور مشخص رکھا ہے، اسی طرح انگوٹھے اور انگلیوں پر پائی جانے والی باریک لکیریں اور ہتھیلیوں میں موجود نمایاں لکیریں بھی ایک دوسرے سے ممتاز اور جداگانہ رکھی گئی ہیں، اس سے ہر شخص کی شناخت اور اس کا تشخص متعلق ہے، نہ کہ اس کی تقدیر اور اس کی زندگی کے احوال وواقعات۔

غیر مسلموں کی مغفرت

سوال:- {83} ان غیر مسلم دانشوروں یا سائنس دانوں کے بارے میں آخرت میں کیا فیصلہ کیا جائے گا، جنہوں نے انسانوں کے فائدے اور سہولت کے لئے مختلف کارآمد چیزیں ایجاد کیں؟ (ابو بلال رابغ، سعودی عرب)

---

(۱) "عن النبي ﷺ قال: من أتى عرّافا فسأله عن شيئ لم تقبل له صلاة أربعين ليلة عن صفية" صحيح مسلم، حدیث نمبر :۵۸۲۱، باب تحريم الكهانة و اتيان الكهان۔ محشی۔

جواب:- کفار کو ان کی نیکیوں کا ثواب پہونچے گا یا نہیں؟ محدثین نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے اور خاص کر امام مسلمؒ نے اس پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے:

"حضرت حکیم بن حزام ؓ مشہور صحابی ہیں وہ جب اسلام لائے، تو دریافت کیا کہ زمانہ کفر میں میں نے نیکیاں کی ہیں، کیا اس پر مجھے کچھ ثواب ملے گا؟ آپ ﷺ فرمایا کہ تم نے جو نیکیاں کی تھی اسی کے نتیجہ میں تو تم کو ایمان کی توفیق ہوئی، "أسلمت علی ما أسلفت من الخیر" (۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ جب کافر مسلمان ہوتا ہے، تو قبول اسلام کے بعد اللہ تعالی اس کی نیکیوں کو محفوظ فرمادیتے ہیں اور بُرائیوں کو مٹادیتے ہیں (۲) ایک اور روایت میں ہے کہ ابن جدعان کے بارے میں حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا ان کی نیکیاں ان کو نفع پہونچائیں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے ایک دن بھی "رب اغفر لی خطیئتی" نہیں کہا، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر اسلام قبول کرلے تو اس کا عملِ خیر نافع ہوگا، (۳) اگر حالت کفر ہی میں موت ہوئی، تو اس کا عمل خیر آخرت میں باعث ثواب نہیں؛ اس لئے کہ اطاعت اس وقت معتبر ہے جب کہ مطاع کی حیثیت اور مقام کو جانتے ہوئے اطاعت کی جائے، ہاں دنیا میں

---

(۱) صحیح مسلم :۱/۷۶، باب بیان حکم عمل الکافر إذا أسلم بعده، صحیح البخاری ، باب من تصدق فی الشرک ثم أسلم ، حدیث نمبر:۱۴۳۶، اور مختلف ابواب میں، حدیث نمبر:۲۲۲۰، ۲۵۳۸، ۵۹۹۲۔

(۲) " عن أبي سعید الخدری ؓ قال : قال رسول اللہ ﷺ : " إذا أسلم الکافر فحسن إسلامه کتب اللہ تعالیٰ له کل حسنة زلفها ، و محا عنه کل سیئة زلفها ، و کان عمله بعد الحسنة بعشر أمثالها إلی سبعمائة ضعف و السیئة بمثلها إلا أن یتجاوز اللہ تعالیٰ "ذکره الدار قطنی في غریب حدیث مالك " (فتح الملهم :۱/۲۷۴)

(۳) حوالۂ سابق:۱/۲۷۴-۲۷۵۔

اس عمل خیر کی وجہ سے رزق کی وسعت، زبانِ خلق پر تعریف یا ہدایت جیسی نعمتوں کی شکل میں اس کا نفع پہونچ سکتا ہے۔(۱)

حالت کفر میں انسان جو گناہ کرتا ہے، علاوہ کفر کے ان گناہوں کا بھی اس پر عذاب ہوتا ہے، اسی لئے کفار کو آخرت کے اعتبار سے فقہاء نے تمام احکام شرعیہ کا مخاطب مانا ہے، پس اگر اس نے کوئی ایسی نیکی کی ہے کہ اس کی وجہ سے وہ کسی برائی سے بچ جاتا ہے، تو اس پر اس خاص گناہ کا عذاب ظاہر ہے کہ نہیں ہوگا، اور بہ نسبت ان کافروں کے جنہوں نے علاوہ کفر کے گناہوں کا بھی ارتکاب کیا ہے، اس کے عذاب میں کمی ہوگی۔

کافروں کی نیکیوں اور بہتر کاموں نیز خدمت خلق کے لئے مفید ایجادات پر اجر وثواب حاصل ہونے کے سلسلے میں یہ بنیادی اصول ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم سائنسدانوں اور دانشوروں کے لئے آخرت میں کوئی اجر نہیں، ہاں دنیا میں اللہ تعالی ان کی خدمات کا مادی صلہ عطا فرمادیتے ہیں، ہاں، ایمان قبول کرنے کے بعد ممکن ہے اللہ تعالی اس کی نیکیوں کو محفوظ فرمادیں، جیسا کہ اوپر میں روایت گزری ہے۔

گوتم بدھ کے بارے میں اسلامی تصور

سوال:- {84} گوتم بدھ کا اسلام سے کیا تعلق ہے؟

(سید رؤف، قلعہ گولکنڈہ)

جواب:- گوتم بدھ کی تعلیمات میں توحید کا عنصر بہت زیادہ ہے اور اللہ کی وحدانیت اور عمل صالح کی طرف بار بار دعوت دی گئی ہے، نیز پیغمبر اسلام ﷺ کی تشریف آوری کی بابت پیشین گوئی بھی آپ کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ اس لئے بعض اہل علم کا خیال ہے کہ بدھ جی ممکن ہے کہ اپنے زمانے میں اللہ کے پیغمبر رہے ہوں۔ ایسا سوچنا یقیناً بعید از قیاس نہیں، لیکن

---

(۱) فتح الملہم :۱/۲۷۴۔

چونکہ قرآن وحدیث میں صراحتہ کہیں آپ کے پیغمبر ہونے کا ذکر نہیں، اس لئے صحیح نقطۂ نظر یہی ہے کہ نہ ہم آپ کو نبی قرار دے سکتے ہیں اور نہ آپ کے ماننے والوں کو اہل کتاب، اور آپ کی شان میں بدگوئی بھی جائز نہیں، کیونکہ آپ کے نبی ہونے کا امکان تو ہے ہی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں اپنے پیغمبروں کو بھیجا ہے، تو کسی قوم میں گوتم بدھ کا بہ حیثیت نبی آنا کوئی ناممکن نہیں، جب کہ ان کی تعلیمات میں ایسی باتیں بھی موجود ہیں جو آسمانی کتابوں میں آیا کی ہیں، پس حاصل یہ ہے کہ نہ گوتم بدھ کی نبوت کی تصدیق کی جاسکتی ہے، اور نہ آپ کی ہتک شان کرنا جائز ہے۔

مرتد کی سزا

سوال:- (85) اسلام میں داخل ہونے کی آزادی تو ہے، لیکن قبولیتِ اسلام کے بعد اگر کوئی ارتداد کرے، تو اس کی سزا کیا ہے؟ (پروین اقبال، سید علی گوڑہ)

جواب:- اگر کوئی شخص دار الکفر میں مرتد ہوجائے، تو اسے سمجھانا اور مطمئن کرنا چاہئے، اگر اس کے باوجود وہ دوبارہ ایمان نہ لائے، تو پھر مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس سے قطع تعلق کرلیں، اور اگر ارتداد کا واقعہ دار الاسلام میں پیش آئے، تو اولاً اسے کوئی شبہ ہو، تو اسے دور کرنے کی کوشش کی جائے، اگر سمجھانے کے باوجود نہ مانے، تو عورت ہو تو اس وقت تک قید میں رکھی جائے گی جب تک تائب نہ ہوجائے، اور مرد ہو، تو تین دنوں تک قید میں رکھا جائے گا، اگر اسلام قبول کرلے تو ٹھیک ورنہ قتل کردیا جائے گا۔

"و يحبس ثلاثة أيام فإن أسلم، وإلا قتل" (۱)

(۱) الفتاوى الهندية :۲/۲۵۳۔

نابالغ غیر مسلم بچہ کا انجام

سوال:- {86} اگر کوئی نابالغ کافر بچہ مرجائے تو کیا وہ جنت میں داخل ہوگا؟ (سید یونس، رین بازار)

جواب:- کفار و مشرکین کے بچے جن کا انتقال نابالغی کی حالت میں ہوجائے، وہ جنتی ہوں گے یا دوزخی؟ اس سلسلہ میں علماء کی تین رائیں ہیں، اول یہ کہ ان کا ٹھکانہ بھی دوزخ ہوگا، اور وہ اپنے والدین کے تابع ہوں گے، دوسری رائے توقف کی ہے، یعنی اللہ ہی کو معلوم ہے کہ ان کا انجام کیا ہوگا؟ تیسری رائے یہ ہے کہ یہ حضرات بھی جنت میں جگہ پائیں گے اور مشہور محدث امام نوویؒ کے بقول یہی رائے محققین کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"والثالث وهو الصحيح الذى ذهب اليه المحققون انهم من أهل الجنة" (۱)

یہی بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے، کیونکہ حدیث میں یہ بات موجود ہے کہ

''آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جنت میں دیکھا اور دیکھا کہ آپ ﷺ کے گرد لوگوں کے بچے ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیا مشرکین کی اولاد بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! مشرکین کی اولاد بھی'' (۲)

یہ بخاری کی حدیث ہے اور گویا اس نقطۂ نظر پر صریح دلیل ہے، دوسرے خود اللہ تعالی نے عذاب کے سلسلہ میں اصول بتایا ہے کہ جب تک ہم کسی قوم کی طرف رسول نہیں بھیجتے ہیں ان کو

(۱) شرح النووی علی صحیح مسلم :۲/۳۳۷۔

(۲) "و الشيخ في أصل شجرة ابراهيم عليه السلام، و الصبيان حوله فأولاد الناس" عن سمرة بن جندب" (صحيح البخاري، حدیث نمبر:۱۳۸۶، باب ما قيل في اولاد المشركين) محشی۔

عذاب میں مبتلا نہیں کرتے، ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾(۱) گویا جب تک کوئی انسان حکم شرعی کا مخاطب نہ ہو جائے، اس وقت تک اس پر عدول حکمی کی پاداش میں اللہ کا عذاب نہیں ہوتا اور یہ ظاہر ہے کہ نابالغ بچے بالاتفاق احکام شرعیہ کے مخاطب نہیں ہیں؛ اس لئے ان پر دوزخ کا عذاب بھی نہیں ہونا چاہئے۔

عذاب قبر اور منکر نکیر

سوال:- {87} ایک حافظ صاحب کہتے ہیں:

(الف) قرآن مجید میں عذاب قبر کا کہیں تذکرہ نہیں ہے؟

(ب) جب خداوند کریم یوم قیامت کو مسلمانوں کا حساب کتاب لے گا، تب محشر سے پہلے عذاب قبر کیسا؟

(ج) قرآن مجید میں منکر نکیر کا کہیں بھی تذکرہ نہیں ہے؟

(د) کیا یہ روایت صحیح ہے کہ آنحضورؐ نے کسی قبر پر درخت کی ٹہنی لگا کر کہا تھا کہ جب تک شاخ ہری رہے گی اللہ کی تسبیح کرتی رہے گی، اور تب تک عذاب قبر نہیں ہوگا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی تسبیح کر رہا ہے، تو قبر کی مٹی کے ذرے بھی تسبیح میں مصروف ہوں گے، حدیث کی حقیقت کیا ہے؟ (ایم، ایس، خاں، اکبر باغ)

جواب:- (الف) عذاب قبر کا ثبوت قرآن مجید سے بھی ہے۔ اللہ تعالی نے فرعون اور اس کے متبعین کے بارے میں کہا ہے کہ وہ صبح وشام آگ پر پیش کئے جا رہے ہیں، اور قیامت

(۱) بنی اسرائیل:۱۵۔

قائم ہونے کے بعد اس سے بھی سخت تر عذاب ان پر ہوگا۔

﴿اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا وَّ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾(۱)

اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

آیت قرآنی ﴿یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ﴾ عذاب قبر ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے(۲)

اس طرح قرآن میں بھی کم سے کم دو آیتیں عذاب قبر کے بارے میں موجود ہیں۔

حدیثیں تو اس سلسلہ میں بکثرت موجود ہیں،(۳) اور ظاہر ہے کہ احادیث قرآن مجید کا بیان ہیں، جو خود حامل قرآن ﷺ کی زبان حق ترجمان سے وارد ہوئی ہیں، اس لئے احادیث سے ثابت ہونے والے احکام سے انکار کے کوئی معنی نہیں۔

(ب) قیامت کے دن حساب و کتاب کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نعوذ باللہ ابھی اللہ تعالیٰ لوگوں کی نیکیوں اور برائیوں سے واقف نہیں ہیں، اور جیسے ہم لوگ اپنے علم کے لئے حساب و کتاب کے محتاج ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی حساب و کتاب کے محتاج ہیں، بلکہ حساب و کتاب اور نامۂ اعمال کی پیشی محض لوگوں پر حجت تمام کرنے کے لئے ہوگی، اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے علم کے اعتبار سے قبر میں بھی عذاب وثواب کو متعلق فرمائیں گے۔ اور اس میں عقلی اعتبار سے بھی

---

(۱) المؤمن :۴۶۔

(۲) مشکوۃ :۱/۲۴،باب اثبات عذاب القبر۔

(۳) ”عن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها : أن یهودیة دخلت علیها ، فذكرت عذاب القبر ، فقالت لها : أعاذك اللّٰه من عذاب القبر ، فسئلت عائشة رسول اللّٰه ﷺ عن عذاب القبر ، فقال : نعم عذاب القبر حق ، قالت عائشة : فما رأیت رسول اللّٰه ﷺ بعد صلی صلاة إلا تعوذ من عذاب القبر “ (صحیح البخاري ،حدیث نمبر:۱۳۷۲،باب ما جاء في عذاب القبر ، كتاب الجنائز ،نیز دیکھئے: صحیح مسلم ،حدیث نمبر:۵۸۶) محشی۔

اشکال کی کوئی گنجائش نہیں، دنیا میں بھی ملزم کی حیثیت سے ابتدائی سزا دی جاتی ہے، اور مکمل سزا جرم ثابت ہونے کے بعد دی جاتی ہے۔

(ج) قرآن مجید میں منکر نکیر کا ذکر نہیں ہے، اور جیسا کہ مذکور ہوا یہ ضروری بھی نہیں کہ ہر بات قرآن میں مذکور ہو، حدیث سے بھی اگر کسی بات کا ثبوت ہو تو وہ قرآن ہی کی تشریح و توضیح ہے، کیونکہ خود اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں، وہ وحی الٰہی پر مبنی ہے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے۔ ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى﴾(۱) — حدیث اس سلسلہ میں بالکل صریح ہے۔ حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ

> رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قبر میں دو کالے چتکبرے فرشتے آتے ہیں، جن میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔ پھر حدیث میں آگے ان سوالات کا ذکر ہے جو مردہ سے کئے جائیں گے اور اس ثواب و عذاب کا جو ان کے درست و نادرست جواب پر مرتب ہوں گے۔(۲)

(د) فی الجملہ یہ واقعہ حدیث میں آیا ہے، اور صحیح سند سے ثابت ہے کہ

> آپ ﷺ کا گذر دو ایسی قبروں پر سے ہوا جو مبتلاء عذاب تھیں، آپ ﷺ نے ایک ٹہنی منگائی اس کے دو ٹکڑے کئے اور دونوں قبروں رکھ دیا اور فرمایا: ممکن ہے کہ جب تک یہ دونوں خشک نہ ہوں عذاب میں تخفیف کردی جائے۔

---

(۱) النجم:۳۔

(۲) صحیح البخاري ،حدیث نمبر:۱۳۷۴،عن أنس بن مالك ، باب ما جاء في عذاب القبر ، کتاب الجنائز ،نیز دیکھئے: حدیث نمبر:۱۳۳۸،باب المیت یسمع خفق النعال ، کتاب الجنائز، نیز دیکھئے:صحیح المسلم ،حدیث نمبر:۲۸۷۔محشی۔

''لعله أن يخفف عنهما مالم ييبسا ''(۱)

اس حدیث میں یہ بات مذکور نہیں کہ جب تک یہ شاخ ہری رہے گی تسبیح پڑھتی رہے گی، اور اس لئے عذاب قبر نہیں ہوگا۔ ہاں بعض شارحین حدیث نے یہ بات لکھی ہے۔

اور اس پس منظر میں لکھی ہے کہ بعض روایات میں یہ بات آئی ہے کہ پودے جب تک ہرے بھرے ہوتے ہیں وہ تسبیح خداوندی میں مشغول ہوتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ یہ صرف اس پودے کا اثر نہیں تھا بلکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی دعاء اور آپ ﷺ کی برکت کو بھی دخل ہے، اس لئے ضروری نہیں کہ جو چیز بھی اپنی زبان حال سے تسبیح میں مشغول ہو وہ تخفیف عذاب میں مفید ہو، قرآن مجید نے یہ بات ضرور کہی ہے کہ ہر چیز اپنے طریقۂ نماز اور تسبیح سے واقف ہے: ﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗ﴾ (۲) اور ہمیں حدیث کی بنیاد پر نباتات کی تسبیح کا گویا ایک طریقہ بھی معلوم ہو گیا ہے، لیکن مٹی کس طرح اپنی زبان حال سے خدا کی تسبیح میں زمزمہ سنج ہوتی ہے یہ معلوم نہیں، اس لئے ایسی باتوں میں قیاس اور عقل کے گھوڑے دوڑانا مناسب نہیں۔ اس سے نفع کچھ نہیں، اور گمراہی کا قوی اندیشہ ہے۔

دیدارِ خداوندی

سوال:- {88} ایک صاحب نے ایک روزنامہ اخبار میں ایک مضمون کے تحت لکھا ہے:

''اس حدیث شریف سے یہ بات ثابت ہوئی کہ دین کے ۳ رجزو ہیں، اسلام، ایمان، احسان، رسول اللہ ﷺ نے جزء اول اسلام، جزودوم ایمان کی تعلیم بڑے شرح وبسط سے بیان فرمائی، لیکن احسان یعنی دیدار خدا کی تعلیم علی سبیل الدعوۃ

(۱) صحیح البخاری :۱/۳۵،باب من الکبائر ان لا یستتر من بولہ۔

(۲) النور :۴۱۔

نہیں دی، کیوں کہ اس وقت عرب کا مزاج تعلیم احسان کے سخت فرائض اور ولایت محمدیہ کا بار اٹھانے اور ان کے سمجھنے کے قطعاً قابل نہ تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تعلیم احسان یعنی دیدار خدا کی تعلیم علی سبیل الدعوۃ پر مامور نہیں فرمایا، بعض ہی صحابہ ﷺ کو یہ تعلیم بڑے ہی راز میں آپ نے دی، آپ ﷺ کے زمانہ میں تعلیم احسان کی عام تبلیغ و دعوت نہیں ہوئی، اس طرح دین ناکمل رہ گیا، اللہ تعالیٰ نے اس فرض خاص کی انجام دہی کے لیے ایک خاص ذات حضرت سید محمد جونپوری کو مہدی موعود اور خاتم ولایت محمدیہ بنا کر رسول اللہ ﷺ کی وفات شریف کے طویل عرصہ بعد ۸۴۷ء میں مبعوث فرما کر تعلیم احسان کی دعوت و تبلیغ سے دین محمدی مکمل فرما دیا"

علماء دین ومفتیان شرع متین مذکورہ بالا عقائد ونظریات کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ بینوا توجروا۔ (Mohuis)

جواب:- (الف) اہل سنت والجماعۃ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہماری یہ آنکھیں دیدار الٰہی سے قاصر ہیں،(۱) خود ارشاد خداوندی ہے: ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ﴾ (۲) آخرت میں البتہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو اپنے دیدار سے مشرف کریں گے، اور اس وقت ان کی آنکھوں کو ایسی قوت وصلاحیت عطا کردی جائیگی کہ وہ تجلیات ربانی کا مشاہدہ کرسکیں، حدیث میں احسان کی تعریف یہ کی گئی ہے: "أن تعبد الله كانك تراه ..." (۳) اللہ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو، اس حدیث میں بھی دیدار الٰہی کا ثبوت نہیں ہے، بلکہ یہ

(۱) شرح العقيدة الطحاوی، ط: دار عالم الكتب الرياض - محشی۔
(۲) الانعام: ۱۰۳- محشی۔
(۳) صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۹۳، باب بيان الإيمان و الإسلام و الإحسان -

بتایا گیا ہے کہ عبادت میں ایسا استحضار اور یکسوئی پیدا کی جائے کہ گویا اللہ تعالیٰ سامنے ہیں، پس یہاں اللہ کا دیدار مقصود نہیں ہے، بلکہ دیدار الٰہی کے وقت جو کیفیت پیدا ہو سکتی ہے عبادت میں اس کیفیت کا حصول مقصود ہے، اس لیے احسان کو دیدار الٰہی کی تعلیم قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

(ب) امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد سب سے اونچا درجہ صحابہ ؓ کا ہے اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کا رسول اللہ ﷺ کی صحابیت کے لیے من جانب اللہ انتخاب عمل میں آیا تھا، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے صحابہ کرام ؓ کی شان و شرف کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: "اختار هم الله لصحبة نبيه "(۱) اس لیے یہ کہنا کہ صحابہ [illegible] تھے، صحابہ کرام ؓ کے مقام و مرتبہ کو گھٹانا ہے۔

(ج) [illegible] کی تعلیمات اور ان کی تبلیغ کو اپنے زمانہ میں مکمل فرمادیا، اور کسی ایسی بات [illegible] انسان کی ہدایت اور اس کی دنیا و آخرت کی صلاح [illegible] تکمیل تعلیم [illegible] قرآن ہی نے کہا ہے: ﴿الیوم اکملت لکم دینکم﴾ (۲) ان تعلیمات کی تبلیغ بھی [illegible] محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ مکمل کر دینے پر بھی خود قرآن ناطق ہے، چنانچہ آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿و ما هو على الغيب بضنين﴾ (۳) خود آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرام ؓ کے ایک بہت بڑے مجمع میں اپنی امت سے دریافت کیا کہ "کیا ہم نے دین تم لوگوں تک پہونچادیا تو لوگوں نے اس کی شہادت دی، (۴) اس

---

(۱) "عن عبد الله بن مسعود ؓ قال: من كان مستنا فليستن بمن قد مات فإن الحي لا تؤمن عليه الفتنة أولئك أصحاب محمد ﷺ كانوا أفضل هذه الأمة أبرها قلوبا و أعمقها علما و أقلها تكلفا، اختيارهم الله لصحبة نبيه .. " (مشكوة المصابيح: ص:۳۲۔) محشی۔

(۲) المائدة: ۵۔ محشی۔

(۳) التكوير: ۸۱۔ محشی۔

(۴) صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۱۷۴۱، عن أبي بكرة ؓ، باب الخطبة أيام منى۔

لیے یہ کہنا کہ دین کے ایک شعبہ کی تعلیم کی تبلیغ نامکمل تھی، کسی اور شخص نے آکر اس کام کو کیا اور دین محمدیہ کو مکمل کیا قطعاً خلاف شرع بات ہے اور اس میں ایک گونہ رسول اللہ ﷺ کی اہانت بھی ہے۔(اعاذنا الله منه)

نظر لگنا

سوال:- (89) کیا واقعی نظر لگ جاتی ہے؟

(سید حفیظ الرحمان، پھولا نگ)

جواب:- اللہ تعالیٰ نے جیسے مختلف اشیاء میں صلاحیت اور تاثیر رکھی ہے، اسی طرح انسانی نظر میں ایک خاص قوت ہے، چنانچہ بعض دفعہ کسی شئی کو گہری نظر سے دیکھنے اور اس کے بھا جانے کی صورت میں نظر لگ جاتی ہے اور اس شئی یا شخص پر مضر اثر مرتب ہوتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: نظر لگنا حق ہے" العین حق "۔(۱)

نظر لگنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ دیکھنے والے نے بری نیت سے دیکھا ہو، نظر تو بعض مرتبہ ماں باپ کی بھی لگ جاتی ہے، اس لئے اس سے بدگمان نہیں ہونا چاہئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر کے اثر کو دور کرنے کا طریقہ بھی بتایا کہ جس کے بارے میں خیال ہو کہ اس کی نظر لگی ہوگی، وہ وضوء یا غسل کرے اور اس کے وضوء یا غسل کے استعمال شدہ پانی کو ایک برتن میں جمع کیا جائے اور جس کو نظر لگ گئی ہو اس کو اس سے غسل دیا جائے، اس سلسلہ میں سنن ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے جس میں وضوء کا ذکر ہے اور مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں غسل کا تذکرہ ہے۔(۲)

---

(۱) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۳۸۸۰۔

(۲) سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۳۸۷۹، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۱۸۸۔

طوطے سے فال نکالنا

سوال:- {90} طوطے کا فال کھولوانا جائز ہے یا نہیں؟
کئی دفعہ دیکھا گیا ہے کہ فال کھولنے والا ماضی کے بارے میں
بالکل صحیح بتاتا ہے۔ (نازیہ پروین، نرمل)

جواب:- غیب کی تمام باتوں سے باخبر ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ﴾ (۱) جیوتشیوں یا طوطا وغیرہ کے ذریعہ فال نکالنے والوں کے پاس جانا یا رسائل میں ستاروں کی چال سے منسوب کرکے بیان کئے ہوئے احوال پر اعتماد کرنا شدید گناہ ہے، صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد منقول ہے:

"من أتى عرّافا فسئله عن شيئ لم تقبل له
صلاة أربعين يوما" (۲)

''جو غیب کا حال بتانے والے کے پاس جائے اور اس سے
کچھ ماضی یا مستقبل کے احوال کے بارے میں دریافت
کرے تو اس کی چالیس دنوں کی نماز مقبول نہیں ہوگی''

اس لئے ایسے لوگوں کے پاس جاکر اپنے ماضی یا مستقبل کے بارے میں معلوم کرنا سخت گناہ ہے، اور اس سے احتیاط کرنا چاہئے، رہ گئی یہ بات کہ ماضی کے بارے میں بالکل صحیح بتادیتے ہیں، تو اس میں حقیقت سے زیادہ نفسیاتی مرعوبیت کو دخل ہے، کچھ واقعات لوگوں کی زندگی میں مشترک نوعیت کے ہوتے ہیں، اور کچھ باتیں ایسی مبہم تعبیر کی حامل ہوتی ہیں، کہ ان کے ایک سے زیادہ مطالب نکالے جاسکتے ہیں، ایسی باتوں اور اپنے ذہن میں موجود اعتقاد کے تحت آدمی

(۱) الانعام: ۵۹۔ محشی۔

(۲) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۳۰، باب تحریم الکهانة و اتیان الکهان، کتاب السلام، نیز دیکھئے: مسند أحمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۸۲۸۴۔

ایسا محسوس کرتا ہے کہ اس نے صحیح واقعات کی رہنمائی کی ہے، ورنہ حقیقت سے اس کا کچھ تعلق نہیں، بہر حال ایک صاحب ایمان کے لئے ایسی باتوں کو قبول کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں۔

جادو اور اس کا اثر

سوال:- {91} (الف) میں نے اپنے ساتھی سے سنا ہے کہ مکہ کا مشہور جادوگر عامر جو یہودی تھا، اس نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کر دیا تھا، کیا یہ بات درست ہے؟

(ب) کیا جادو کرنے سے آدمی اندھا اور نامرد ہو جاتا ہے؟ اور اسے ختم کرنے کے لیے عملیات کے ذریعہ علاج کروایا جا سکتا ہے؟ کیا اس طرح علاج کرنے سے شرک کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے؟ (محمد جعفر، غازی بندہ، حیدر آباد)

جواب:- (الف) یہ صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر لبید بن عاصم نامی یہودی یا اس کے بھتیجے نے جادو کیا تھا، (۱) یہ واقعہ مکہ کا نہیں بلکہ مدینہ کا ہے اور مدینہ ہی میں تو یہود آباد تھے۔

(ب) جادو سے انسان کو نقصان پہونچ سکتا ہے بینائی اور مردمی ختم ہو سکتی ہے، البتہ اس طرح کی باتیں زیادہ تر بیماری کی وجہ سے پیش آتی ہیں، اس لیے ایسے واقعات میں ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہئے، تاہم اگر غالب گمان ہو کہ سحر ہی ہے اور معتبر اور متشرع عامل ایسا بتاتا ہو، تو ایسے عامل سے رجوع کرنے میں کوئی حرج نہیں جو قرآنی آیت اور حدیث کی دعاؤں سے علاج کرتا ہو اور مشرکانہ طریقہ کار اختیار نہ کرتا ہو۔ (۲)

---

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۷۶۶، باب السحر، کتاب الطب، عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۱۸۹، باب السحر ۔ مرتب۔

(۲) صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۵۷۳۵، باب الرقی بالقرآن و المعوذات، کتاب الطب ۔ محشی۔

خودکشی کا گناہ کیوں؟

سوال:- (92) خودکشی کرنے والا اپنے وقت مقررہ پر مرتا ہے، یا وقت معین سے پہلے مرتا ہے؟ اگر وقت معین پر مرتا ہے تو اس کا کیا قصور؟ اللہ نے اس کے موت کا جو وقت لکھدیا اسی وقت مر گیا، پھر اس شخص کو عذاب کیوں ہوگا؟

(محمد یوسف)

جواب:- موت اس وقت آتی ہے جو اللہ تعالی نے اس کے لئے متعین فرمادی ہو، اس میں نہ ایک لحہ تاخیر ہوسکتی ہے، اور نہ تقدیم، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾(۱)

خودکشی کرنے کی حرمت اور اس پر وعیدیں اس لئے نہیں ہیں کہ وہ اس وقت کیوں مر گیا، بلکہ اس لئے کہ وہ اپنی موت کا ذریعہ آپ کیوں بنا، جو خدا پیدا کرنے اور دنیا میں بھیجنے کا اختیار رکھتا ہے وہی اس کی موت اور واپس بلانے کا فیصلہ اور اقدام بھی کرنے کا مستحق ہے، اگر ایک آدمی اپنی موت وزندگی کا فیصلہ کرنے لگے تو گویا وہ اپنی حد تک ان معاملات میں دخیل ہونے کی کوشش کر رہا ہے، جو اللہ تعالی کے لئے مختص ہیں، —— نیز اگر انسان کے اس ارادہ اور عمل کو گناہ کی بنیاد نہ بنایا جائے تو یہ سوال خودکشی کے علاوہ دوسروں کے قتل پر بھی پیدا ہوگا کہ جب قاتل نے ایک شخص کو قتل کیا تو کیا قصور؟ جبکہ مقتول کے لئے اس وقت مرنا ہی تھا اور وہی وقت اس کی موت کے لئے معین ومقرر تھا، اور بہر حال اسی لحہ اس کو اس دنیا سے جانا ہی تھا۔

(۱) یوسف :۴۹۔

مختلف گروہوں کا بیان

قادیانی کیوں کافر ہیں؟

سوال:- {93} قادیانی فرقہ کو کیوں کافر قرار دیا گیا ہے؟ (محمد اعظم، محمد نفیس الدین، دول گوڑہ)

جواب:- قادیانی حضرات مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں، حالانکہ قرآن مجید نے بالکل صریح الفاظ میں جناب محمد ﷺ کے آخری نبی ہونے کا اعلان فرمادیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں'' (۱)

حدیثیں اس سلسلہ میں بکثرت وارد ہیں، چنانچہ امت محمدیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کسی کا دعویٰ نبوت کرنا جھوٹ ہے، امام طحاوی العقیدۃ الطحاویۃ میں لکھتے ہیں:

---

(۱) الاحزاب:۴۰۔

"من ادعی بعده النبوة فهو کاذب " (۱)

''ہمارے نبی ﷺ کے بعد نبوت کا دعوی بالا جماع کفر ہے''

خود مرزا غلام احمد صاحب نے جب تک نبوت کا دعوی نہیں کیا تھا، اس حقیقت کا اعتراف واعلان کرتے تھے کہ سلسلۂ نبوت آپ ﷺ پر ختم ہو چکا ہے اور آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دعوی کرنا کفر ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''مجھے کب جائز ہے کہ نبوت کا دعوی کر کے اسلام سے خارج
ہو جاؤں اور کافروں کی جماعت سے جاملوں'' (۲)

پس گویا اس بات پر مرزا صاحب کا بھی اتفاق ہے کہ محمد ﷺ کے بعد دعوئ نبوت کفر ہے، لیکن افسوس بعد کو چل کر خود مرزا صاحب نبوت کا دعوی کر بیٹھے، جس کو وہ قرآن وحدیث کی روشنی میں بجا طور پر باعث کفر سمجھتے تھے، اسی لئے مسلمان ان کے دعوئ نبوت، اس دعوت پر ایمان لانے والے اور ان کی تصدیق کرنے کو کفر قرار دیتے ہیں، اور تمام امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے، خود مرزا صاحب نے بھی اپنے اوپر ایمان نہ لانے والوں یعنی تمام مسلمانوں کو ایسا کافر قرار دیا ہے جس کے دل پر مہر لگ چکی ہے، کہتے ہیں:

''مگر بدکار رنڈیوں کی اولاد، جن کے دلوں پر خدا نے مہر
کردی ہے، وہ مجھے قبول نہیں کرتے'' (۳)

مرزا صاحب پر ایمان رکھنے والے بھی تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں، چنانچہ میاں بشیر الدین محمود احمد خلیفۂ دوم قادیانی کہتے ہیں:

''کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں
ہوتے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا

---

(۱) شرح العقیدة الطحاوی : ص:۱۲۲، ط: المکتب الإسلامی - مرتب -

(۲) حمایۃ البشری: ص:۹۶ -

(۳) قادیانی مذہب: / ۵ بحوالۂ آئینہ کمالات: / ۵۴۰ -

کافر ہیں، اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں'' (۱)

اس لئے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین کا دائرۂ اسلام سے خارج ہونا ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے، مسلمانوں کو اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ رہنا چاہئے، اور قادیانی حضرات جو بہر حال انسانی نقطۂ نظر سے ان کے بھائی ہیں کو راہِ حق اور ایمان کی طرف دعوت دینا چاہئے، ممکن ہے کہ اللہ تعالی مسیلمہ کذاب کے متبعین کی طرح ان کو بھی ہدایت سے سرفراز فرمادے۔ وما ذلك على الله بعزيز وبه التوفيق۔

تبلیغی جماعت

سوال:- {94} ایک مولانا نے تبلیغی جماعت کو گندی نالی کے مماثل کہا، کیا ان کا یہ کہنا درست ہے؟

(سہیل، یداللہ کالونی، گلبرگہ)

جواب:- تبلیغی جماعت ایسی چیزوں کی طرف بلاتی ہے جن کے مطلوب ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، یعنی ایمان، اخلاص نیت، ذکر، علم دین، نماز، امر بالمعروف اور مسلمانوں کا اکرام، نیز رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ کی اتباع پر زور دیتی ہے، اس لئے اسے ''گندی نالی'' جیسے قبیح لفظ سے موسوم کرنا نہایت نامناسب اور مسلمانوں کی اہانت اور اس کا استہزاء ہے، اس لئے ایسی باتوں سے بچنا چاہئے، ممکن ہے ان صاحب کو کوئی غلط فہمی ہو، آپ محبت اور حکمت کے ساتھ انہیں سمجھانے کی کوشش کریں، یہ وقت ایسا نہیں کہ امت میں اختلاف کو ابھارا جائے، اللہ تعالی ہم سب کو صحیح فہم عطا فرمائے۔

جماعۃ المسلمین

سوال:- {95} ہمارے یہاں ایک جماعت ''جماعت

(۱) آئینۂ صداقت: ص: ۳۵۔

المسلمین" ہے، یہ اپنے سوا تمام لوگوں کو کافر کہتے ہیں، ایسے لوگوں کا کیا حکم ہے؟ (عائشہ صدیقہ، ورنگل)

جواب:- کسی مسلمان کو کافر کہنا نہایت ہی سخت گناہ ہے، بلکہ اس میں کفر کا اندیشہ ہے، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی کو کافر کہتا ہے، تو ان دونوں میں سے ایک کفر کو لے کر ہی واپس لوٹتا ہے:

" عن ابن عمر ؓ يقول : قال رسول الله ﷺ :
" أيما امرئ قال لأخيه كافر فقد باء بها أحدهما ،
إن كان كما قال ، و إلا رجعت " (۱)

''جس شخص کو کافر کہا گیا ہو، اگر وہ شخص کافر نہ ہو، تو کہنے والا گویا کفر کا مرتکب قرار پاتا ہے''

اسلئے اس جماعت کا یہ فعل نہایت فتنہ انگیز ہے، اور ایسی جماعتوں سے مسلمانوں کو بچ کر رہنا چاہئے، اس جماعت کے دوسرے افکار کیا ہیں؟ جب تک معلوم نہ ہوں، ان کے بارے میں کوئی واضح بات نہیں کہی جا سکتی۔

غیر مقلدین

سوال:- {96} کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین بیچ اس فرقے کے جو اہل حدیث اور سلفی کے نام سے موسوم ہے، صحابہ کرام ؓ پر طعن و تشنیع جن کا شیوہ ہے، اجتہاد کی صلاحیت سے محروم ہونے کے باوجود ائمہ اربعہ کی تقلید کا انکار کرتا ہے، اجماع امت کا منکر ہے، اس فرقہ کا کہنا یہ ہے کہ تراویح آٹھ ہی رکعت ہے، اور ایک مجلس میں دی گئی تین

(۱) صحیح مسلم ۱/۵۷۔

طلاق ایک ہی ہیں۔ بینوا توجروا۔ (سید محمد قادری)

جواب:- (الف) جو لوگ صحابہ ﷺ پر طعن کرتے ہیں، ان کی طرف بدعت اور فسق کی نسبت کرتے ہیں، تراویح کی بیس رکعتوں کو بدعت عمری اور جمعہ کی اذان ثانی کو بدعت عثانی کہتے ہیں، وہ فاسق ہیں، کیونکہ عام مسلمانوں کو برا بھلا کہنا بھی فسق ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سباب المسلم فسوق و قتاله كفر ''(۱) چہ جائیکہ صحابہ کرام ﷺ، جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے زبانِ طعن دراز کرنے کو خاص طور سے منع فرمایا ہے، ارشاد ہے:

"عن عبد الله بن مغفل رفعه : الله، الله في أصحابي لا تتخذوهم غرضا من بعدي فمن أحبهم فبحبي أحبهم ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم ومن آذاهم فقد آذاني ومن آذاني فقد آذى الله ومن آذى الله فيوشك أن يأخذه"(۲)

''میرے اصحاب کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو، ان کو میرے بعد نشانہ نہ بناؤ، تو جس نے صحابہ ﷺ سے محبت کی، مجھ سے محبت کی، اور جس نے ان سے عداوت رکھی، اس نے مجھ سے عداوت رکھی، جس نے ان کو تکلیف دی اس نے

---

(۱) صحيح البخاري، حدیث نمبر:۴۸، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله و هو لا يشعر، كتاب الإيمان، نیز دیکھئے: صحيح مسلم، حدیث نمبر:۶۴، ۵۸/۱، عن عبد الله بن مسعود ﷺ۔ محشی۔

(۲) جمع الفوائد: ۲۰۱/۲۔

الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۳۸۶۲، عن عبد الله بن مغفل، باب في من سب أصحاب النبي ﷺ، ابواب المواقيت، نیز دیکھئے: جمع الفوائد، حدیث نمبر:۸۵۴۸، باب من فضائل الصحابة المشتركة التي لا تخص واحد منهم ﷺ۔ محشی۔

مجھے تکلیف دی، اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو
تکلیف دی، اور جس نے اللہ کو تکلیف دی، عنقریب اللہ اس
کی پکڑ کرلیں گے"

(ب) جن لوگوں کے اندر اجتہاد کی صلاحیت نہ ہو، ان پر ائمہ مجتہدین کی تقلید آیت قرآنی: ﴿أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُوْلَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾(۱) کے تحت واجب ہے، کیونکہ اولی الامر میں مجتہدین بھی داخل ہیں اور موجودہ زمانہ میں اکابر اہل علم بھی اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتے، چہ جائے کہ عام علماء اور متوسط پڑھے لکھے عوام۔

(ج) اجماع امت کا حجت ہونا حدیث صحیح سے ثابت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "إن أمتي لا تجتمع على ضلالة "(۲) کہ"میری امت کسی غلط بات پر متفق نہیں ہوسکتی" اس لئے اجتہاد کی اہلیت نہ رکھنے کے باوجود تقلید اور اجماع امت کا انکار بھی باعث فسق ہے، ان باتوں سے توبہ کرنی چاہئے کہ یہ قرآن وحدیث کی مخالفت ہے۔

(د) تراویح کا بیس رکعت ہونا عہد فاروقی سے آج تک کے تعامل سے ثابت ہے، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے: "كان يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر "(۳) جب کہ خاص تراویح کے متعلق آٹھ رکعت کی کوئی روایت نہیں، ہاں آپ ﷺ تہجد میں آٹھ رکعت بھی ادا فرمایا کرتے تھے۔

---

(۱) النساء: ۵۹۔

(۲) سنن ابن ماجة، حدیث نمبر: ۳۹۵۰، باب السواد الأعظم، كتاب الفتن: "إن الله لا يجمع أمتي على ضلالة "(الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۲۱۶۷، باب ما جاء في لزوم الجماعة، أبواب الفتن۔ محشی۔

(۳) "عن ابن عباس ؓ قال: كان النبي ﷺ يصلي في شهر رمضان في غير جماعة بعشرين ركعة و الوتر" (السنن الكبرى للبيهقي، حدیث نمبر: ۴۶۱۵، باب ما روي في عدد ركعات القيام في شهر رمضان. كتاب الصلاة۔ محشی۔

(ہ) اسی طرح ایک مجلس کی تین طلاقوں کا تین ہونا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، چند احادیث یہاں نقل کی جاتی ہیں:

(الف) "عن نافع كان ابن عمر ﷺ إذا سئل عمن طلق ثلاثًا، قال: لو طلقت مرة أو مرتين، فإن النبي ﷺ أمرني بهذا، فإن طلقها ثلثًا حرمت حتى تنكح زوجًا غيره"(۱)

"حضرت نافعؒ سے مروی ہے کہ جب ابن عمرؓ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جاتا جس نے تین طلاق دی؟ تو آپؓ فرماتے:

"کاش تو نے ایک مرتبہ یا دو مرتبہ طلاق دی ہوتی، بلا شبہ نبی ﷺ نے اسی کا حکم فرمایا ہے، پس اگر عورت کو تین طلاق دیدی، تو وہ حرام ہوگئی جب تک کہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے"

(ب) "عن فاطمة بنت قيس قالت: قلت يا رسول الله زوجي طلقني ثلاثًا و أخاف أن يقتحم عليّ، قال: فأمرها فتحولت"(۲)

"فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے کہ وہ کہتی ہیں: "میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے شوہر نے مجھے تین طلاق دیدی ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ وہ

(۱) صحيح البخاري: ۷۹۲/۲، حدیث نمبر: ۵۲۶۴، باب من قال لامرأته أنت علي حرام، كتاب الطلاق ۔ محشی۔

(۲) صحيح مسلم: ۴۸۵/۱، نیز دیکھئے: صحيح البخاري: ۷۹۱/۲۔

میرے ساتھ زیادتی کرے، چنانچہ آپ ﷺ نے حکم فرمایا، اور وہ اس مکان سے منتقل ہوگئیں"

(ج) "عن عائشة أن رجلا طلق امرأته ثلاثا فتزوجت فطلق ، فسئل النبي ﷺ أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول" (۱)

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی، پھر اس عورت نے دوسرے سے شادی کرلی اور اس نے بھی تین طلاق دیدی، پھر آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ: کیا اب وہ پہلے کے لئے حلال ہوگئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں جب تک کہ وہ دوسرا شوہر اس کا ذائقہ نہ چکھ لے، یعنی اس سے صحبت نہ کرلے جیسا کہ پہلے شوہر نے چکھا ہے"

(د) "عن مجاهد قال: كنت عند ابن عباس فجاءه رجل فقال: إنه طلق امرأته ثلاثا، قال : فسكت حتى ظننت أنه رادها إليه، ثم يقول: ينطلق أحدكم فيركب الحموقة ثم يقول : يا ابن عباس ياابن عباس وإن الله قال:﴿ وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا﴾ وإن الله قال : ﴿يَأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾" (۲)

---

(۱) صحيح البخاري:۲/۷۹۱۔

(۲) سنن أبي داؤد:۱/۲۹۹۔

''حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن عباس ﷺ کے پاس تھا، ایک شخص آیا اور کہا کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہے، مجاہدؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس ﷺ خاموش رہے حتی کہ گمان ہونے لگا کہ وہ عورت کو اسی کی طرف لوٹا دیں گے، پھر فرمایا کہ تم میں سے کوئی بیوقوفی کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے، پھر کہتا ہے اے ابن عباس ﷺ ! اے ابن عباس ﷺ ! حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے راستہ نکال دیتے ہیں، اور اللہ نے فرمایا: ''اے نبی ﷺ ! جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو تو ان کو ان کی عدت کے لحاظ سے طلاق دو''

گویا تین طلاق دیدینا ایک ایسی بیوقوفی اور حماقت ہے کہ پھر رہائی کا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا، کیونکہ تین طلاق واقع ہو جاتی ہے اور عورت اس پر کلی طور پر حرام ہو جاتی ہے، ایک مجلس کی تین طلاقوں کے واقع ہو جانے پر امت کا اجماع ہے، (۱) اور اس سے اختلاف انحراف وشذوذ ہے۔(۲) وباللہ التوفیق وھو المستعان۔

کیا تبلیغی جماعت میں چلہ اور چار مہینہ کی دعوت دینا بدعت ہے؟

سوال:- {97} تبلیغی جماعت میں زندگی میں چار مہینہ اور سال میں ایک چلہ لگانے کی دعوت دی جاتی ہے، کیا حضور ﷺ کے زمانے میں چلہ اور چار مہینے کا رواج تھا اور اگر نہیں تھا، تو کیا یہ بدعت نہیں؟ (انیس الدین مصباحی، بمبئی)

---

(۱) دیکھئے: رد المحتار :۵/۲۳۵۔

(۲) حوالہ سابق

جواب:- رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ؓ کے دور میں کسی خاص دینی کام کے لیے اس مدت کی تعیین نہیں ملتی، لیکن جماعت میں چالیس دن یا چار مہینے نکلنے کی تلقین بطورِ حکم شرعی کے نہیں کی جاتی کہ اس سے زیادہ یا اس سے کم نکلنے کی اجازت نہ ہو، بلکہ بطورِ انتظام کے اس کی ترغیب دی جاتی ہے، مثلاً مدارس میں عالمیت کا کورس آٹھ سال میں پورا ہوتا ہے، میٹرک کی تعلیم دس سال میں ہوتی ہے، لیکن کوئی شخص اپنی صلاحیت کے اعتبار سے اس سے زیادہ یا کم مدت میں بھی تعلیم کے اس مرحلہ کو مکمل کرسکتا ہے، اسی طرح جماعت میں بطورِ نظام کے ایک مدت رکھی گئی ہے، لیکن یہ لازم نہیں ہے اور نہ خود جماعت کے لوگ اسے لازم سمجھتے ہیں، بلکہ حسب حالات اس مدت میں کمی بیشی بھی کرتے ہیں۔

پھر چالیس دن کا کورس متعین کرنے میں بعض مناسبتیں بھی رہنما ہیں، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے تخلیقی مراحل میں ہر مرحلہ چالیس دن میں پورا ہوتا ہے، (۱) اسی طرح سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تورات کے لیے چالیس دنوں کا اعتکاف کرایا گیا، (۲) مسجد نبوی ﷺ میں چالیس نمازیں ادا کرنے کی خصوصی فضیلت بیان کی گئی ہے، (۳) اس طرح کے بعض احکام بھی ہیں، جن کو چالیس کے عدد سے متعلق کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی روحانی و جسمانی کیفیت کی تبدیلی میں چالیس دن کے عمل اور تربیت کا ایک خاص اثر ہوسکتا ہے، اس لیے اس کام میں بھی چلہ کا نظام رکھا گیا ہے، لیکن یہ بہر حال بطورِ انتظام ہے، اس کی حیثیت کسی حکم شرعی کی نہیں۔

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۶۷۲۳۔ محشی۔

(۲) الاعراف: ۱۴۲۔ محشی۔

(۳) "من صلی في مسجدی أربعین صلوة لا تفوته صلاة کتب له براءة من النار، و براءة من العذاب و براءة من النفاق" عن أنس ؓ رفعه، (جمع الفوائد ۱/۵۳۳) محشی۔

عمل کے بغیر دعوت

سوال:- {98} ہمارے محلہ میں ایک صاحب دعوت و تبلیغ کے کام سے جڑے ہوئے ہیں، ان کے بارے میں لوگوں کا عام تاثر یہ ہے کہ وہ لوگوں کو نیکی کی طرف دعوت دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتے، اس لیے لوگوں کا خیال ہے کہ انہیں دوسروں کو دعوت دینے سے احتیاط کرنی چاہئے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ اس سلسلہ میں صحیح بات کیا ہے؟ اگر ایک آدمی خود کسی گناہ سے نہ بچ سکے تو کیا وہ دوسروں کو اس گناہ سے بچنے کی دعوت دے سکتا ہے؟

(شیخ فرید الدین، ٹولی چوکی)

جواب:- عمل سے دعوت میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، اس لیے بہتر طریقہ یہ ہے کہ جس نیکی کی دعوت دی جائے، پہلے اس پر خود عمل کیا جائے اور جس برائی سے روکا جائے پہلے اس سے خود بچا جائے، لیکن ایسا نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بات پر عمل سے محروم ہو، تو وہ دوسروں کو اس کی دعوت ہی نہ دے، کیوں کہ معروف پر عمل کرنا اور منکر سے روکنا ایک مستقل فریضہ ہے اور خود معروف پر عمل کرنا اور منکر سے بچنا مستقل فریضہ ہے، اگر کوئی شخص ایک فریضہ کو ادا کرنے سے محروم ہو، تو ضروری نہیں کہ وہ دوسرے فریضہ سے بھی منہ موڑ لے، اگر وہ دوسروں کو دعوت دے تو کم سے کم ایک گناہ سے تو محفوظ رہے گا، چنانچہ امام عبدالرشید طاہر بخاریؒ نے لکھا ہے کہ:

''جو شخص کسی برائی کو دیکھے اور وہ خود بھی اس میں مبتلا ہو، تب بھی اس کے لیے اس برائی سے روکنا واجب ہے، اس لیے

کہ اس پر ترکِ منکر بھی واجب ہے اور نہی عن المنکر بھی، اگر
ایک واجب کو ترک کر رہا ہے تو کم سے کم دوسرے واجب کو تو
ترک نہ کرے"

"... لأن الواجب عليه ترك المنكر و النهي عن
المنكر و اذا ترك أحدهما لا يترك الآخر " (۱)

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب آدمی دوسروں کو دعوت دیتا ہے تو بالآخر خود اس کو بھی اس پر عمل کی توفیق میسر آتی ہے۔

جہاں تک مذکورہ آیت کی بات ہے تو اس کا مقصود یہ ہے کہ جو کام کرتے نہیں ہو، کیوں کہتے ہو کہ تم نے اسے کیا ہے، یعنی چھوٹے ادّعا کی مذمت ہے نہ کہ دعوت کی ممانعت۔ واللہ اعلم۔

عبادت مقصود ہے یا دعوت؟

سوال:- {99} میں نے ایک موقع پر زید سے کہا کہ نماز، روزہ، زکوۃ وغیرہ یہ فرائض زندگی ہیں، اور روٹی، کپڑا مکان ضروریات زندگی ہیں، لیکن مقصدِ زندگی دعوت و تبلیغ ہی ہے، یہ سب سن کر زید کہنے لگا کہ ایسا کہنا درست نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "جن و انس کو میں نے محض اپنی عبادت اور بندگی کے لئے پیدا فرمایا ہے" اس لئے مقصدِ زندگی عبادت ہے، اور دعوت و تبلیغ بندگی ہی کا ایک شعبہ ہے، کیا زید اپنی اس بات میں صحیح ہے؟ (مصطفیٰ، سنتوش نگر)

جواب:- زید کی بات درست ہے، اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے جو لوگ کفر یا

---

(۱) خلاصہ الفتاوی :۴/۳۳۸۔

غفلت کی وجہ سے عبادت کے دائرہ سے باہر ہیں، ان کو عبادت تک پہونچانے کے لئے دعوت دی جاتی ہے، گویا دعوت ذریعہ ہے اور عبادت مقصود ہے، البتہ اس سے دعوت کی اہمیت کم نہیں ہوتی، بلکہ ہوسکتا ہے کہ نفل عبادت کے مقابلہ دعوت کا اجر زیادہ ہو، کیونکہ عبادت کا نفع اس کی ذات تک محدود ہے، دعوت کا نفع دوسروں تک پہونچتا ہے، اور جس کا نفع اپنی ذات تک محدود ہو اس کے مقابلہ اس عمل پر زیادہ اجر ہے جس کا نفع دوسروں تک پہونچے۔

دعوت مقدم ہے یا عبادت؟

سوال:- {100} ایک دوسری بات میں نے زید سے یہ کہی کہ ہم پہلے داعی ہیں اس کے بعد عابد، اس بات کو سمجھانے کے لئے میں نے ایک مثال دی کہ اذان پہلے دی جاتی ہے، اور نماز بعد میں پڑھی جاتی ہے اور چونکہ اذان ایک طرح کی دعوت ہے، اسی لئے دعوت، عبادت پر مقدم ہے اور افضل بھی، کیونکہ دعوت ہی کے ذریعہ لوگوں میں نماز اور دیگر فرائض کو ادا کرنے کا شعور پیدا ہوتا ہے، اس کے جواب میں زید نے کہا کہ اذان عبادت غیر مقصودہ ہے، اور نماز عبادت مقصودہ ہے، اسی لئے نماز، اذان سے افضل ہے اور اصول بھی یہی ہے کہ زندگی کے ہر امر میں جو چیز مقصود ہوتی ہے وہی افضل ہوتی ہے نہ کہ اس کے حصول کا طریقہ، کیا زید اپنے اس قول میں صحیح ہے؟ (مصطفی، سنتوش نگر)

جواب:- یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہئے کہ جو عمل منصوص ہو یعنی جس عمل کی کیفیت اور طریقہ کو قرآن اور حدیث میں بتا دیا گیا ہو، جیسے نماز، روزہ، زکاۃ، حج، اور اذان و

اقامت وغیرہ ، اس کی اہمیت اس عمل سے زیادہ ہوتی ہے، جس کی کیفیت شریعت کی جانب سے متعین نہ ہو، مثلاً دعوت وتبلیغ کا جو کام ابھی کیا جاتا ہے، وہ یقیناً بہتر اور باعث اجر وثواب ہے، لیکن دعوت و اصلاح کے لئے کوئی ایک ہی طریقہ متعین نہیں ہے اور نہ کسی ایک ہی طریقہ پر اصرار کرنا درست ہے، ہر شخص اپنی سوچ ، ذوق اور استعداد کے لحاظ سے اس کام کا مکلف ہے، اس لئے اصلاح کے کسی خاص طریقہ کو منصوص عبادت پر مقدم قرار دینا غلو سے خالی نہیں، ہاں! فی نفسہ دعوتِ دین کی بڑی اہمیت ہے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔

اللہ کی مدد کا وعدہ عبادت پر ہے یا دعوت پر؟

سوال:- {101} تیسری بات میں نے زید سے یہ کہی کہ اللہ تعالیٰ نے نماز ، روزہ ، زکاۃ اور دوسرے احکامات پر اپنی مدد کا وعدہ نہیں فرمایا، بلکہ اپنی مدد کا وعدہ صرف دعوت دین پر فرمایا ہے کہ " اگر تم میرے دین کی مدد کرو گے، تو میں تمہاری مدد کروں گا ،" یہ سن کر زید نے کہا کہ ایسا کہنا بھی درست نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرما رہا ہے کہ نماز اور صبر کے ذریعہ تم میری مدد حاصل کرو، کیا زید اپنے اس قول میں صحیح ہے؟

(مصطفیٰ، سنتوش نگر)

جواب:- زید کی بات درست ہے، یہ کہنا درست نہیں کہ دعوت کے علاوہ دوسرے احکام خداوندی پر عمل کرنے سے خدا کی مدد نہیں ملتی ، یہ کھلی ہوئی گمراہی اور جہالت ہے، زید نے صحیح کہا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ (۱) " کہ صبر اور نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی مدد چاہو" نماز کا مفہوم تو واضح ہے ہی ، اور بعض اہل علم

---

(۱) البقرۃ :۱۵۳۔ محشی۔

نے یہاں ''صبر'' سے ''روزہ'' مراد لیا ہے،(۱) اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عبادات کو اللہ کی مدد کا ذریعہ بتلایا ہے، یہی دیکھئے کہ بارش نہ ہو تو نماز استسقاء کا حکم ہے، کوئی ضرورت در پیش ہو تو اس کے لئے نمازِ حاجت ہے، کسی کام میں خیر وشر دونوں پہلو سامنے ہوں تو نمازِ استخارہ رکھی گئی کہ آدمی اللہ ہی سے ہدایتِ خیر کا طلبگار ہو، سورج گہن اور چاند گہن کے موقع سے نماز ہے، فقہاء نے زلزلہ اور طوفان کے موقع سے نماز پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے،(۲) کیونکہ نماز اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کا سب سے اہم ذریعہ ہے، پس یہ کہنا کہ دعوت سے اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے اور دوسرے احکام پر عمل کرنے سے نہیں آتی، قطعاً غلط اور غلو پر مبنی ہے، اور ایسی باتیں کہنے سے بچنا چاہئے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

---

(۱) التفسير الكبير أو مفاتيح الغيب :۲/۷۱۔

(۲) "و كذا البقية أى صلاة الريح فإنها حسنة "(رد المحتار مع الدر:۳/۷۰)

بدعات ورسوم کا بیان

بدعت کی تعریف

سوال:- {102} بدعت کی تعریف کیا ہے؟

(محمد غوث الدین، کریم نگر)

جواب:- بدعت کے معنی نئی بات کے ہیں، دین میں کسی بات کی ایجاد کو بدعت کہتے ہیں، امام ابو اسحاق شاطبیؒ نے ان الفاظ میں بدعت کی تعریف کی ہے:

"عبارة عن طريقة في الدين مخترعة تزاهي الشريعة يقصد بالسلوك عليه المبالغة في التعبدلله سبحانه "(۱)

''دین میں ایسے ایجاد کردہ طریقہ کا نام بدعت ہے جو احکام دین کے مشابہ ہو اور جس سے اللہ تعالیٰ کی بندگی میں کثرت و مبالغہ مقصود ہو''

(۱) الاعتصام :۱/ ۳۷۔

گویا بدعت ہونے کے لئے تین باتیں ضروری ہیں: اول یہ کہ وہ نئی بات ہو، یعنی قرآن وحدیث اور صحابہ ؓ کے آثار سے اس کا ثبوت نہ ہو، دوسرے وہ اپنی ظاہری وضع کے اعتبار سے دینی کام محسوس ہوتا ہو، امور دنیا میں ایجادات اور ان سے فائدہ اٹھانا بدعت نہیں، تیسرے اسے اجر وثواب کا باعث تصور کیا جاتا ہو۔

بدعت کو شریعت میں اس قدر مذموم اس لئے سمجھا گیا ہے کہ محمد ﷺ پر ایمان لانے میں دو باتیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں، ایک یہ کہ آپ ﷺ نے جو کچھ بتایا ہے، وہ خیر اور بھلائی کی باتیں ہیں، اور دوسری یہ کہ خیر اور نیکی کی جتنی باتیں ہیں، وہ سب اللہ کے رسول ﷺ نے بتادی ہیں، اب اگر کوئی شخص دین میں اضافہ کرتا ہے تو یا تو اس کا گمان ہے کہ اس کار خیر سے رسول اللہ ﷺ واقف نہیں تھے یا وہ سمجھتا ہے کہ اس بات کو حضور ﷺ نے امت سے چھپایا ہے اور یہ دونوں ہی باتیں رسول اقدس ﷺ سے بدگمانی یا آپ ﷺ کی بے احترامی ہے، اسی لئے امام مالکؒ نے فرمایا کہ جس نے دین میں کوئی نئی چیز گھڑی اس نے نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ کو کار رسالت کی ادائیگی میں خائن تصور کیا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے۔

بدعت کی حقیقت اور اس کی قسمیں

سوال:- {103} بدعت کسے کہتے ہیں، علماء نے بدعت کی مختلف صورتیں لکھی ہیں جن میں بعض واجب اور مستحب بھی ہیں، یہ واجب، مستحب اور بدعت سے کیا مراد ہے؟ (آصف اقبال، سیتا مڑھی)

جواب:- بدعت کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوا ہے، ایک لغوی بدعت، یعنی ہر نئی چیز اور دوسرے بدعت شرعی، بدعت شرعی سے مراد ہے دین میں کسی ایسی بات کا اضافہ کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ؓ کے عہد میں اس کی کوئی اصل نہ ہو، جو باتیں بدعت شرعی کے دائرہ میں

آتی ہیں وہ سب حرام اور گناہ ہیں، ان میں کوئی مستحب، مباح یا واجب نہیں، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے صاف ارشاد فرمایا کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی انسان کو جہنم کی طرف لے جاتی ہے، "کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار "(۱) البتہ جیسا کہ مذکور ہوا بدعت شرعی کا تعلق امور دین سے ہے نہ کہ امور دنیا سے،

اس لئے کہ حضور ﷺ نے کسی نئی چیز کی ایجاد کو منع فرمایا ہے، "من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد "(۲) اسی طرح جس کام کی اصل آپ ﷺ کے عہد میں موجود ہو وہ بدعت نہیں، مثلاً مدارس کا قیام کہ خود آپ ﷺ نے صفہ میں تعلیم و تعلم کا نظم فرمایا تھا، گو اس میں مدارس کے موجودہ نظام کی طرح نصاب، اسباق کا نظام، دارالاقامہ کی سہولت وغیرہ نہیں تھی، لیکن یہ صفہ کا نظام مدارس کے لئے ایک اصل کا درجہ رکھتا ہے، جو اس زمانہ میں بھی موجود تھا، اس لئے اسے بدعت نہیں کہا جا سکتا، اسی طرح جو کام عہد صحابہ ؓ میں ہوا ہو اور صحابہ ؓ نے اس پر نکیر نہیں کی ہو وہ بھی بدعت میں شامل نہیں، بلکہ وہ سنت کے دائرہ میں ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ" علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین "(۳) "تم پر میری اور خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی کرنا لازم ہے" جیسے جمعہ کی دوسری اذان، جماعت کے ساتھ بیس رکعت تراویح کی ادائیگی۔

بدعت شرعی میں حسنہ اور سیہ اچھی اور بری، حرام اور جائز کی تفصیل درست نہیں، بلکہ وہ بہر صورت ممنوع ہے، مشہور و متفق علیہ بزرگ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی، نیز امام ابو اسحاق شاطبیؒ نے اس پر بہت تفصیل سے گفتگو کی ہے، اہل علم مکتوبات امام ربانیؒ اور شاطبی کی "الاعتصام" میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

---

(۱) سنن نسائي: ۱/۱۷۹۔ محشی۔
(۲) سنن ابن ماجة: ص:۳، باب تعظیم حدیث رسول الله ﷺ۔ محشی۔
(۳) سنن ابن ماجة: ص:۵، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدین المهدیین۔ محشی۔

جو باتیں بدعت لغوی کے دائرہ میں آتی ہیں، ان کے بارے میں اہل علم نے واجب و مستحب ہونے کی بات لکھی ہے، اور کہا ہے کہ ان میں بعض واجب ہیں، جیسے نحو وصرف اور عربی قواعد وغیرہ کہ یہ پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد ایجاد ہوئے ہیں، اور قرآن وحدیث کو سمجھنے میں معین و مددگار ہیں، بعض مستحب ہیں، جیسے مسافر خانے اور مدارس اسلامیہ کی تاسیس، اور بعض مباح ہیں، جیسے عمدہ کھانے، پینے سے استفادہ اور اعلیٰ قسم کے مکانات کی تعمیر وغیرہ، ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ بعض اہل علم نے جس چیز کو واجب و مستحب اور مباح بدعت کا نام دیا ہے، وہ لغوی اعتبار سے بدعت ہے نہ کہ شرعی اعتبار سے، کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ نے دین میں نو ایجاد ہر بات کو بدعت قرار دیا، اور ہر بدعت کو گمراہی فرمایا تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ بعض بدعات مستحب یا مباح ہو جائیں۔

ماہ صفر اور روز چہار شنبہ

سوال:- (104) کسی دن یا مہینہ کو منحوس ماننا درست ہے؟ جیسا کہ صفر اور چہار شنبہ کے دن کو لوگ منحوس سمجھتے ہیں، اور اس میں کوئی اچھا کام کرنا نہیں چاہئے۔

(جہانگیر الدین طالب، بی بی کا چشمہ)

جواب:- اسلام کی نگاہ میں نہ کوئی مہینہ منحوس ہے، اور نہ کوئی دن اور نہ کوئی وقت، اور نہ ایام واوقات سے کسی چیز کی کامیابی اور ناکامی اور نفع ونقصان متعلق ہے، نحس کا یہ تصور دراصل مشرکانہ خیالات کی پیداوار ہے۔ اسلام کی نظر میں منحوس وہ عمل ہے جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور معصیت پر ہو۔ اسلام سے پہلے لوگ ماہ صفر کو منحوس سمجھتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس توہم پرستی کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ صفر کے نحس کی کوئی حقیقت نہیں " لا صفر "(۱) اسی طرح

---

(۱) "عن النبي ﷺ قال : لا عدوى و لا طيرة ، و لا هامة و لا صفر" عن أبي هريرة ﷺ ، (صحيح البخاري ،حدیث نمبر:۵۷۵۷،باب لا هامة و لا صفر ، كتاب الطب ،نیز دیکھئے: صحيح مسلم ،حدیث نمبر:۲۲۲۰) محشی۔

چہار شنبہ کے دن کے بارے میں بعض روایتوں میں یہ بات آئی ہے کہ اس دن عمل کا آغاز بہتر ہے(۱) گو اس حدیث کے صحیح ہونے پر اہل علم کا اتفاق نہیں ہے، تاہم یہ بات تو حدیثِ صحیح سے ثابت ہے کہ اسی دن اللہ تعالی نے نور اور روشنی کو پیدا فرمایا، صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مروی ہے:" وخلق النور یوم الاربعاء "(۲) اس حدیث سے ایک حد تک اس دن کی فضیلت وکرامت کا اظہار ہوتا ہے، اسی طرح بعض روایتوں سے منگل، بدھ اور جمعرات کو روزہ رکھنے کا معمول نبوی ﷺ بھی معلوم ہوتا ہے،(۳) اس لئے صفر کے مہینہ اور چہار شنبہ کے دن کو منحوس سمجھنا قطعاً درست نہیں، محض توہم پرستی ہے، جس سے بچنا چاہئے۔

۲/ تاریخ کا چاند دیکھنا

سوال:-{105} بعض لوگ" تیسرا چاند" یعنی دو تاریخ کے چاند کو دیکھنا منحوس تصور کرتے ہیں، کیا اس کی کوئی اصل ہے؟ (اے، این، رضوی، محبوب نگر)

جواب:- اسلام میں نحس کا کوئی تصور نہیں، چاند اللہ تعالی کی ایک مخلوق ہے، اور اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، نیز اس کے طلوع سے بہت سے احکام متعلق ہیں، چاند

---

(۱) وذكر برهان الإسلام عن صاحب الهداية أنه ما بدئ شيئ يوم الأربعاء ألا و تم فلذلك كان المشائخ يتحرون ابتداء الجلوس فيه للتدريس : لأن العلم نور فبدئ به يوم خلق النور . انتهى ، و يمكن حمله على غير أربعاء آخر الشهر "(كشف الخفاء و مزيل الألباس :۱/۳، ط :داالإحياء ، بيروت) محشی۔

(۲) صحيح مسلم ،حدیث نمبر:۲۷۸۹،عن أبي هريرة ﷺ،باب ابتداء الخلق و خلق آدم علیہ السلام۔

(۳) " عن عائشة رضي الله تعالیٰ عنها قالت : كان رسول الله ﷺ يصوم من الشهر السبت و الأحد و الاثنين و من الشهر الآخر الثلاثاء و الأربعاء و الخميس " (الجامع للترمذي ، حدیث نمبر:۷۴۶،باب ما جاء في صوم يوم الاثنين و الخميس ، كتاب الصوم ، جمع الفوائد ،حدیث نمبر:۳۰۰۵)

خواہ دوسری تاریخ کا ہو یا چودہویں کا، یا آخری تاریخ کا، وہ ایک ہی شئ ہے، یہ کیوں کر ممکن ہے کہ کوئی شئ ایک دن نحس کا باعث ہو جائے، اور دوسرے دن نہ ہو؟ اس لئے اس کی کوئی اصل نہیں، حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پرندہ اور صفر وغیرہ کو منحوس سمجھنے کی کوئی حقیقت نہیں'' (۱) چنانچہ زمانہ جاہلیت میں جن جن چیزوں کو لوگوں منحوس سمجھتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان تمام چیزوں سے نحس کی نفی فرمائی۔

بلی آڑے آ گئی

سوال:- {106} ہم ایک دوست کے ساتھ گھر سے سفر کے لئے نکلے اتفاق سے بلی آڑے آ گئی، اور ہمارے دوست نے سفر کا ارادہ بدل دیا، کیا یہ عمل درست ہے؟

(رشید احمد خان، بھینسہ)

جواب:- یہ عمل قطعاً غلط اور نادرست ہے، اسلام کسی جانور یا کسی شی میں نحس کا قائل نہیں، یہ مشرکانہ توہمات ہیں، اس لئے ایسی باتوں سے بچنا چاہئے، حضرت حکیم بن معاویہ ﷺ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ

" لا شؤم وقد يكون اليمن في الدار والمرأة والفرس " (۲)

''نحس کسی چیز میں نہیں البتہ بعض اوقات گھر میں عورت میں اور گھوڑے میں برکت ہوتی ہے''۔

(۱) " عن النبي ﷺ قال: لا عدوى و لا طيرة، و لا هامة و لا صفر" عن أبي هريرة ﷺ، (صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۵۷۵۷، باب لا هامة و لا صفر، كتاب الطب، نیز دیکھئے: صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۲۰) محشی۔

(۲) الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۲۸۲۴، ۵/۱۲۷، عن حكيم بن معاوية ﷺ، باب ما جاء في الشؤم، كتاب الأدب۔

ختنہ کے اکیس دن بعد غسل دینا

سوال:- {107} کیا ختنہ کے اکیس دن بعد پانی نہلایا جائے یا زخم خشک ہونے کے بعد؟

(محمد جہانگیر الدین، باغ امجد الدولہ)

جواب:- ختنہ کے بعد نہلانے کے لئے کوئی دن متعین کرنا حدیث میں نہیں آیا ہے، ایسا کوئی حکم شریعت میں درست نہیں۔ جب ضرورت محسوس ہو نہلایا جا سکتا ہے، اپنی طرف سے کوئی دن متعین کرنا شریعت کی روح کے خلاف ہے، اس سے اجتناب کریں۔

امام ضامن باندھنا؟

سوال:- {108} اکثر مشاہدہ ہوا کہ عام سفر کے علاوہ حاجی اور شادی کے دن دلہا کے بائیں بازو میں امام ضامن باندھتے ہیں، یہ ہرے کپڑے یا بازار سے خریدے ہوئے زریں فیتے کا ہوتا ہے، جس میں ۵/۳۵ روپیہ سکہ کی شکل میں باندھتے ہیں، کیا شریعت مطہرہ میں اس طرح باندھنا درست ہے؟

(عبد الرشید، سکندرآباد)

جواب:- اسلام کا سب سے اہم اور بنیادی عقیدہ ''توحید اور اللہ کو ایک ماننا'' ہے، اللہ کو ایک ماننے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف زبان سے اللہ کے ایک ہونے کا اقرار کرلیا جائے، بلکہ اللہ کو ایک ماننے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ انسان اس بات کا یقین رکھے کہ صرف اللہ ہی کی ذات نفع اور نقصان پہنچا سکتی ہے، دنیا کی بڑی سے بڑی ہستی بھی وہ فائدہ نہیں پہنچا سکتی جو خدا کو منظور نہ ہو، اور اگر اللہ کی طرف سے کوئی نقصان اور آزمائش ہی مقدر ہو تو کوئی ولی، پیر اور امام تو کجا نبی اور پیغمبر بھی اس سے بچا نہیں سکتا، اس لئے امام ضامن وغیرہ باندھنا اسلامی مزاج و مذاق

اور عقیدۂ توحید کے منافی ہے، بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ مشرکانہ عمل ہے، اس سے خوب اجتناب کرنا چاہئے۔

سفر کی مشقتوں سے بچاؤ کا نسخہ خود رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب آدمی سفر شروع کرے تو اس سے پہلے دو رکعت نماز ادا کر لے، آپ ﷺ کا یہی معمول مبارک تھا، پھر سفر کے شروع میں یہ دعا پڑھے:

" اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ، اَللّٰهُمَّ اصْحَبْنَا فِيْ سَفَرِنَا وَ اخْلُفْنَا فِيْ أَهْلِنَا ، اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَ كَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَمِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ وَمِنْ دَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ وَمِنْ سُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالِ "(۱)

'' اے اللہ ! آپ ہی سفر کے ساتھی اور اہل وعیال کے نگہبان ہیں ، اے اللہ ! میں سفر کی مشقت اور واپسی کی تکلیف سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں، خداوندا ! آپ سفر میں مدد فرمائیں ، ہمارے اہل وعیال کی نگہہ داشت فرمائیں، میں بہتر حال کے بعد بری حالت، مظلوم کی بددعا اور اہل وعیال اور مال کے بارے میں کوئی بری بات دیکھنے سے آپ کی پناہ میں آتا ہوں''

یہی نماز اور دعاء انشاء اللہ سفر کی صعوبتوں سے حفاظت کا ذریعہ ہوگا، آپ اس طرح خود

---

(۱) الجامع للترمذی ، حدیث نمبر: ۳۴۳۹، عن عبد اللّٰہ بن سرجس ؓ ، باب ما یقول إذا خرج مسافرا ۔

اللہ سے مانگتے ہیں نہ کہ اللہ کے بندوں سے، اس میں انسان کے عقیدہ کی بھی حفاظت ہے، اللہ کی خوشنودی بھی ہے، اور سنت نبوی ﷺ کی اتباع و پیروی بھی۔

نوشہ کو شادی میں سہرا باندھنا

سوال:- {109} شادی کے موقعہ پر نوشہ کو سہرا باندھ دیا جاتا ہے، ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ ایسا عمل صحیح ہے اور کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ ایسا عمل صحیح نہیں ہے؟ (کے، ایم، محمود پاشا باسط، مشیر آباد)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیا ہے، (۱) اور ظاہر ہے کہ جو چیزیں سنت سے ثابت ہوں، ان کو سنت ہی کے طریقہ سے انجام دینا ضروری ہے، اس میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ جائز نہیں، جیسے نماز آپ ﷺ کی سنت ہے، آپ ﷺ نے ایک رکعت میں دو سجدے فرمائے ہیں، تو ظاہر ہے کہ ایک رکعت میں تین سجدے کرنا درست نہ ہوگا، پس جب نکاح بھی آپ ﷺ کی سنت ہے تو ضروری ہے کہ نکاح بھی حضور ﷺ ہی کے طریقہ پر کیا جائے، آپ ﷺ نے نہ خود اس طرح کی چیز پہنی، اور نہ آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے اس لئے سہرا باندھنا قطعاً غیر شرعی اور غیر اسلامی عمل ہے، اس سے بچنا چاہئے، اور نکاح کے مبارک موقعہ پر کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی کا باعث ہو۔

دلہن کو وداعی سہرا باندھنا

سوال:- {110} لڑکیوں کو کیا وداعی سہرا باندھا جاسکتا ہے؟ (سید زاہد فردین، یاقوت پورہ)

---

(۱) "النکاح سنتی فمن لم یعمل بسنتی فلیس منی" (سنن ابن ماجۃ، عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، کنز العمال، حدیث نمبر: ۴۴۴۰۷)

جواب:- اسلام میں سہرا باندھنے کی کوئی اصل نہیں، صحابہ ؓ اور سلف صالحینؒ نے کبھی اس طرح کی چیز نہیں باندھی، یہ بعض غیر مسلم قوموں کی رسم ہے، جس کو نا سمجھی اور نادانی میں ہمارے مسلمان بھائیوں نے لے لیا ہے، اس لئے نہ دولہا کو سہرا باندھنا چاہئے، اور نہ دلہن کو۔

ایک غلط خیال

سوال:- {111} نئی نویلی دلہن گھر کے صندوق، الماری وغیرہ کو قفل نہ ڈالے ورنہ گھر ویران ہو جائے گا کیا یہ بات حقیقت میں صحیح ہے؟ (محمد ریاض احمد، وجے نگر کالونی)

جواب:- یہ بھی توہم پرستی میں داخل ہے، گھر کا آباد اور ویران ہونا اللہ کے حکم سے ہوتا ہے، اسلام سے پہلے عرب بعض پرندوں کے بارے میں ایسا ہی خیال کرتے تھے کہ ان کا گھر پر آکر بیٹھنا نحس اور بربادی کا باعث ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی نفی فرمائی، اس سلسلہ میں متعدد حدیثیں موجود ہیں۔(۱)

بزرگوں کے نام پر ناریل پھوڑنا

سوال:- {112} بزرگانِ دین کے نام پر ناریل پھوڑنا، ان کے مزاروں پر جا کر ناریل پھوڑنا، یا اس طرح نذر ماننا کہ فلاں کام ہو جائے، تو پانچ ناریل پھوڑوں گا، اور اسی طرح جمعہ کو نماز کے بعد اپنے گھر ناریل پھوڑنا جائز ہے یا نہیں؟ واضح ہو کہ آندھرا کے علاقہ میں بعض مسلمان بھی ناریل پھوڑا کرتے ہیں۔ (محمد یٰسین، جلال کوچہ)

---

(۱) عن أبي هريرة ﷺ، عن النبي ﷺ قال: لا عدوى و لا طيرة و لا هامة و لا صفر (صحيح البخاری، حدیث نمبر: ۵۷۵۷، باب لا هامة. و لا صفر، كتاب الطب، نیز دیکھئے: صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۲۰) محشی۔

جواب:- بزرگوں کے نام پر ایصال ثواب کرنا، ان کے لئے دعاءِ مغفرت کرنا نیز عبرت وموعظت کی غرض سے قبروں کی زیارت کرنا درست اور حدیث سے ثابت ہے،(۱) لیکن ناریل پھوڑنے کی جو صورتیں آپ نے ذکر کی ہیں، یہ قطعاً ناجائز اور ہندوانہ طور وطریقہ کی پیروی اور مشرکانہ فعل ہے، اور اس سے مکمل طور پر پرہیز کرنا چاہئے۔

شادی کے بعد دلہن کا میت کے گھر میں جلتا ہوا چراغ دیکھنا

سوال:- {113} لڑکی شادی کے بعد سسرال میں رہ رہی ہے، کچھ دنوں کے بعد اس لڑکی کے عزیز کا انتقال ہوگیا، سسرال والے روانہ کرتے وقت لڑکی کو پابند کررہے ہیں کہ وہ گھر میں روشنی ہونے سے قبل واپس ہوجائے؛ کیونکہ شادی کے بعد لڑکی کا اپنے عزیز کے انتقال پر گھر میں چراغ جلتا ہوا دیکھنا باعث نحس سمجھا جاتا ہے۔ (محمد ریاض احمد، وجے نگر کالونی)

جواب:- یہ سب توہمات ہیں، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، کسی شخص کی وفات اور چراغ جلنے کا نہ باہم کوئی تعلق ہے، اور نہ اس سے نحوست آتی ہے، غیر مسلم سماج میں رہنے کی وجہ سے مسلمانوں کا ذہن بھی توہم پرست ہوتا جاتا ہے، ایسی باتوں سے اجتناب کرنا چاہئے۔

ناپاکی کی حالت میں پودے کو چھونا

سوال:- {114} مشہور ہے کہ ناپاکی کی حالت میں

(۱) " قال رسول الله ﷺ : قد كنت نهيتكم عن زيارة القبور ، و قد أذن لمحمد في زيارة قبر أمه ، فزوروها ، فإنها تذكر الآخرة " عن سليمان بن بريدة عن أبيه، (الجامع للترمذي ، حدیث نمبر:۱۰۵۴، باب ماجاء في الرخصة في زيارة القبور ، كتاب الجنائز) محشی۔

ہرے بھرے پودے یا پھل دار درخت کو چھونے سے وہ سوکھ جاتا ہے، اور ناپاکی کی حالت میں پودوں پر چھاؤں پڑنے سے پودے مرجھا جاتے ہیں، کیا یہ بات درست ہے؟

(اسماء انصاری، مقام نامعلوم)

جواب:- یہ محض وہم ہے، نہ شریعت میں ایسی کوئی بات آئی ہے، اور نہ عقل و تجربہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، پودوں کے سوکھ جانے یا مرجھا جانے کے طبعی اسباب ہوتے ہیں، آدمی کے پاک اور ناپاک ہونے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

کوّا کوّی کو ملتے وقت دیکھنے سے داماد کا انتقال ہونا

سوال:- {115} ہمارے ایک دوست نے کوّا اور کوّی کو ملتے وقت دیکھ لیا، اور انہوں نے اپنے سسرال کے ارکان خاندان کو اطلاع دی کہ آپ کے داماد کا انتقال ہوگیا تو کیا یہ درست ہے؟

(رشید احمد خان، بھینسہ)

جواب:- یہ سمجھنا کہ کسی پرندہ کو اس حالت میں دیکھنا کسی کی موت کی علامت ہے، محض واہمہ ہے، نہ اس کی کوئی شرعی اہمیت ہے، اور نہ عقلی اعتبار سے اس کی کوئی اہمیت ہے، اور لوگوں کو اس طرح کی جھوٹی اور بے بنیاد خبر دینے میں دوہرا گناہ ہے، ایک جھوٹ کا، دوسرا ایک مسلمان یا انسان کو تکلیف و ایذاء پہونچانے کا۔

بکرا ذبح کرنے کے بعد بھائی بہن کی ملاقات کرنا

سوال:- {116} اس وقت میرے ایک بھانجے اور بھانجی دونوں سعودیہ سے آئے ہوئے ہیں، یہ دونوں تقریباً ۱۲ رسال سے ایک دوسرے سے بچھڑے ہوئے تھے، مگر آ کے

پندرہ دن ہوئے، یہ دونوں بھائی بہن آپس میں ملاقات نہیں کررہے ہیں، پوچھنے پر یہ بتلاتے ہیں کہ ہم دونوں یعنی بھائی بہن کے درمیان ایک بکرا ذبح ہونے اور اس بکرے کا خون دیکھنے کے بعد آپس میں ملاقات کرسکتے ہیں؟

(محمد شرف الدین، رحمت نگر)

جواب:- یہ سب توہمات ہیں، قرآن وحدیث میں کہیں یہ بات نہیں آئی ہے کہ ایک عرصہ کے بعد بکرا ذبح کئے اور خون دیکھے بغیر ملاقات نہ کی جائے، اس طرح کی باتیں قطعاً شریعت کے خلاف ہیں، حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اگر معمولی وقفہ سے ملاقات ہوتی تو آپ ﷺ مصافحہ پر اکتفا فرماتے اور زیادہ دنوں پر ملاقات ہوتی تو معانقہ بھی فرماتے، حضرت زید بن حارثہ ؓ حبش سے مدینہ آئے، کئی سالوں کے بعد آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی، آپ بہت مسرور اور خوش تھے، اس موقعہ سے آپ ﷺ نے حضرت زید ؓ سے معانقہ فرمایا اور بس، (۱) اس لئے ان دونوں بھائی بہن کو چاہئے کہ ایک دوسرے سے جلد سے جلد ملاقات کریں، کہ صلہ رحمی اور رشتۂ اخوت کا یہی تقاضہ ہے۔

سنہ ہجری پر تہنیت

سوال:- {117} سنہ ہجری کے تعارف اور واقعہ ہجرت کو تازہ کرنے کے لئے کیا ہر نئے سال ہجری مقدس پر مبارک بادی جاسکتی ہے؟ (نظام الدین، دہلی)

---

(۱) " قدم زيد بن حارثة المدينة ، و رسول الله ﷺ في بيتي ، فأتاه فقرع الباب، فقام إليه رسول الله ﷺ عريانا يجر ثوبه ، والله ما رأيته عريانا قبله و لا بعده ، فاعتنقه و قبّله " عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها ، (الجامع للترمذي ، حدیث نمبر:۲۷۳۲، باب ما جاء في المعانقة ، كتاب الاستئذان) محشی۔

جواب:- اس طرح کی مبارک باد وغیرہ سے آہستہ آہستہ وہ عمل رسم ورواج کا درجہ اختیار کرلیتا ہے، اوراس طرح بدعتیں وجود میں آتی ہیں، ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ دس سال مدینہ میں رہے اور آپ ﷺ کے بعد ۳۰ رسال خلافت راشدہ کا عہد رہا، صحابہ ؓ کی نگاہ میں اس واقعہ کی اتنی اہمیت تھی کہ اسی کو اسلامی کلینڈر کی بنیاد واساس بنایا گیا، اور حضرت عمر ؓ کے عہد سے ہی ہجری تقویم کو اختیار کرلیا گیا تھا، لیکن ان حضرات نے کبھی سال نو یا یوم ہجرت منانے کی کوشش نہیں کی، اس سے معلوم ہوا کہ اسلام اس طرح کے رسوم ورواج کا قائل نہیں ہے، کیونکہ عام طور پر رسمیں نیک مقصد اور سادہ جذبہ کے تحت وجود میں آتی ہیں، پھر وہ آہستہ آہستہ دین کا جزو بن کر رہ جاتی ہیں، اس لئے اسلام کو بے آمیز رکھنے کے لیے ایسی رسموں سے گریز ضروری ہے۔

نماز کے بعد سلام

سوال:- {118} اکثر لوگ نماز پڑھنے کے بعد بڑے احترام سے دوسروں کو سلام کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ اگر سلام نہ کرے تو کیا کوئی گناہ ہے؟

(سیدہ نکہت، سداسیو پیٹ)

جواب:- سلام کا نماز سے کوئی تعلق نہیں، سلام کا تعلق ملاقات سے ہے، ابتداء ملاقات میں سلام کرنا چاہئے، جن لوگوں سے نماز سے پہلے ہی ملاقات ہوئی، ساتھ ساتھ نماز ادا کی، یا اسی جگہ وہ لوگ موجود ہیں، تو نماز کے بعد خاص طور پر انہیں دوبارہ سلام کرنے کے کوئی معنی نہیں، رسول اللہ ﷺ یا صحابۂ کرام ؓ سے اس موقع پر سلام کرنا ثابت نہیں۔

توبہ میں رخسار تھپتھپانا

سوال:- {119} اکثر لوگ توبہ کے لئے چہرے پر تھپڑ مارتے ہیں، کیا یہ طریقہ درست ہے؟ اور توبہ کا صحیح طریقہ

کیا ہے؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- توبہ کے معنی لوٹنے کے ہیں، یعنی اللہ کا ایک بندہ گناہ کا ارتکاب کر کے گویا اللہ تعالی سے دور ہو جاتا ہے، اور پھر وہ اپنے گناہوں سے شرمسار ہو کر اپنے مالک کی طرف لوٹ آتا ہے، توبہ کے لئے ضروری ہے کہ گناہ پر ندامت ہو، گناہ سے بچنے کا پختہ ارادہ ہو، اور اگر شریعت نے اس گناہ کے لئے کوئی کفارہ متعین کیا ہو، تو کفارہ ادا کیا جائے، توبہ میں رخسار تھپتھپانے کی کوئی اصل نہیں ہے، یہ محض ایک رسم ہے، جس سے بچنا چاہئے، کیونکہ طریقہ وہی معتبر ہے جو کتاب وسنت سے ثابت ہو۔

فال دیکھ کر نام کا انتخاب

سوال:-{120} اکثر لوگ بچوں کے نام فال دیکھ کر نکالتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ (سید حفیظ الرحمان، نظام آباد)

جواب:- بچوں کے نام انبیاءِ کرام علیہم السلام، صحابہ ﷺ اور صالحین ؒ کے نام پر رکھنا چاہئے اور ایسا نام رکھنا چاہئے جس کی رسول اللہ ﷺ نے تحسین کی ہے، حدیث کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے، نام کے لئے فال دیکھنا ایک بے اصل بات ہے، اور شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، دراصل ہندو بھائیوں کے یہاں اس طرح کا تصور پایا جاتا ہے، اسلام میں نیک فالی کی گنجائش ہے، نیک فالی کا مطلب یہ ہے کہ کسی کام کے موقع پر کوئی ایسا نام یا لفظ سامنے آ جائے جس میں کامیابی اور مقصد برآری کا مفہوم ہو، یا کوئی ایسی بات ہو جائے جس کو باعث راحت سمجھا جاتا ہو تو اس سے نیک فالی لیتے ہوئے اچھی امید کی جائے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ’’نیک فالی بہتر کلمہ ہے، جو آدمی کو سننے میں آئے‘‘ ’’الکلمة الصالحة یسمعها أحدکم‘‘(۱)

(۱) فتح الباری لابن الحجر العسقلاني:۱۰/۲۲۵، باب نمبر:۵۴۔ قال النبي ﷺ: لا طيرة، و خيرها الفأل۔ قالوا و ما الفأل يا رسول الله ؟ قال: الكلمة الصالحة يسمعها أحدكم" عن أبي هريرة ﷺ، (صحيح البخاری، حدیث نمبر:۵۷۵۵، باب الفأل، كتاب الطب، نیز دیکھئے: صحيح مسلم، حدیث نمبر:۲۲۲۳) محشی۔

جیسے آپ کسی کام کے لئے نکل رہے ہوں اور ایسے شخص سے آپ کی ملاقات ہوگئی جس کا نام ''نافع'' ہے، تو یہ فال نیک ہے کہ انشاء اللہ اس میں نفع حاصل ہوگا، اس طرح نیک فالی کی اسلام میں گنجائش ہے، بدفالی اور بدشگونی البتہ اسلامی نقطۂ نظر سے قطعاً نادرست ہے۔(۱)

شادی شدہ عورت اور سفید لباس

سوال:- {121} اگر شادی شدہ عورت سفید لباس استعمال کرے، تو لوگ اسے برا سمجھتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟　　(عائشہ، خانہ پور)

جواب:- شادی شدہ عورت کے سفید لباس پہننے میں کوئی حرج نہیں، عرب ممالک میں تو دلہنوں کو سفید پوشاک پہنائی جاتی ہے، ہندوستان میں لوگ اسے بیوہ کا لباس سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ صحیح نہیں، بیوہ عورت کو عدت وفات گزرنے تک زیبائش و آرائش اور زیادہ مزین کپڑوں سے پرہیز کرنا چاہیے، یہ حکم صرف عدت کے گزرنے تک ہے، نہ کہ زندگی بھر کے لیے اور اس میں بھی سفید ہی کپڑا پہننا ضروری نہیں، اصل میں یہ ہندوانہ رسم ہے، ہندو مذہب میں بیوہ عورت کو زندگی بھر تجرد کی زندگی گزارنی پڑتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ سفید کپڑے پہننے کا التزام کرتی ہے، بدقسمتی سے مسلمانوں نے اس بے جا رسم کو اختیار کرلیا ہے، شریعت نے کپڑے کے رنگ کے معاملہ میں عورت کو پوری آزادی دی ہے جو رنگ پسند ہو اس کے مطابق کپڑا پہن سکتی ہیں اور سفید رنگ تو رسول اللہ ﷺ کو خاص طور پر پسند تھا۔(۲)

---

(۱)　دیکھئے: ردالمحتار: ۳/۴۴-۴۵۔

''والفأل: ضد الطيرة، كأن يسمع مريض ياسالم أو ياطالب أو يا واجد، أو يستعمل في الخير و الشر ... و وجهه أن الفأل أمل و رجاء للخير من الله تعالىٰ عند كل سبب ضعيف أو قوي، بخلاف الطيرة ''(حاشية ابن عابدين على الدر: ۳/۴۴-۴۵، مطلب في الفأل و الطيرة، باب العيدين، كتاب الصلاة)محشی۔

(۲)　سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۴۰۶۱۔ محشی۔

نام رکھائی اور سالگرہ

سوال:- {122} نام رکھائی کے لڈو یا کیک تقسیم کرنا اور سالگرہ منانا کیا اسلام میں جائز ہے؟

(محمد صدیق، یاقوت پورہ)

جواب:- عہد نبوی ﷺ، خیر القرون اور سلف صالحین کے زمانہ میں نام رکھائی اور سالگرہ وغیرہ کی مسرفانہ تقریبات نہیں ہوا کرتی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی صاحبزادیوں، نواسے اور نواسیوں کے نام رکھے ہیں، لیکن کبھی بھی اس طرح کا اہتمام نہیں کیا گیا، اسی طرح یوم ولادت میں دعوت وغیرہ کا اہتمام جسے آج کل سالگرہ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ، صحابۂ کرام ؓ اور سلف صالحین ؒ سے ثابت نہیں، یہ مغربی اقوام سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے، چوں کہ اسے ''دینی عمل'' سمجھ کر انجام نہیں دیا جاتا، اس لیے اسے بدعت تو نہیں کہہ سکتے، کیوں کہ بدعت کا تعلق امرِ دین سے ہوتا ہے، لیکن غیر مسلموں سے مماثلت اور غیر اسلامی تہذیب سے تاثر اور مشابہت کی وجہ سے کراہت سے بھی خالی نہیں، اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

واستو کی رعایت

سوال:- {123} آج کل لوگ مکان وغیرہ کی تعمیر یا خریدی میں واستو جاننا چاہتے ہیں، اس کا شگون لینا کیسا ہے؟ اور اس پر عقیدہ رکھنے کا کیا حکم ہے؟ (فیاض احمد، اودگیر)

جواب:- ''واستو'' ہندوانہ توہمات میں سے ہے، جس کی طرف کچھ دنوں سے لوگوں کی توجہ بڑھ گئی ہے، واستو کی رعایت کا مقصد مکان کا نحس اور مضر پہلو سے اپنے آپ کو بچانا ہے، اسلام کسی بھی چیز میں نحس کا قائل نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے چند چیزوں کا ذکر کر کے فرمایا کہ اگر نحس ہوتا تو ان چیزوں میں ہوتا اور

جن چیزوں کا ذکر فرمایا ان میں ایک مکان بھی ہے،(۱) معلوم ہوا کہ مکان میں بھی نحس نہیں ہوتا، اس لیے واستو پر عقیدہ رکھنا عقیدۂ توحید کے مغائر اور اسلامی تعلیمات کے برخلاف ہے، نیز یہ ایک مشرکانہ تصور ہے، شرعی اعتبار سے مکان میں صرف اس کی رعایت مطلوب ہے کہ بیت الخلاء ایسا نہ ہو کہ بیٹھنے والے کا چہرہ یا پشت قبلہ کی طرف پڑ جائے، اور بس جب آدمی کوئی شي خرید کرے تو اللہ تعالیٰ سے دعاء کرکہ اس میں جو خیر ہو، اللہ تعالیٰ عطا فرمائے اور جو شر ہو اس سے اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، کیوں کہ نفع دینے اور نقصان پہنچانے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔

کسی کے آنے کی وجہ سے موت

سوال:- {124} زید تین چار سال بعد اپنے قریبی رشتہ داروں کے گھر گیا اور کچھ دن رہ کر واپس ہو گیا، اس کی واپسی کے تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد ان رشتہ داروں کے گھر میں ایک صاحب کی موت واقع ہو گئی، محلہ والوں نے ان لوگوں کو یہ سمجھا دیا کہ زید ایک طویل عرصہ کے بعد ان کے گھر آیا تھا، اس لیے یہ موت ہوئی ہے، زید کے رشتہ دار بھی اس بات پر یقین کرنے لگے ہیں، اور اب اس واقعہ کو لے کر زید اور اس کے رشتہ داروں کے درمیان تعلقات بھی خراب ہو گئے ہیں، کیا یہ بات صحیح ہے کہ زیادہ دنوں بعد کسی کے گھر جانے سے وہاں موت واقع ہوتی ہے، یا کوئی حادثہ پیش آتا ہے؟

(نام وجگہ غیر مذکور)

---

(۱) " أن رسول اللہ ﷺ کان یقول : لا ھامة و لا عدوی و لا طیرة و إن تکن الطیرة في شيئ ففي الفرس و المرأة و الدار" عن سعد بن مالک ﷺ (سنن أبي داؤد ، حدیث نمبر:۳۹۲۱)

جواب:- یہ بات بالکل درست نہیں کہ زیادہ دنوں بعد کسی رشتہ دار کے گھر جانے سے وہاں کوئی موت واقع ہوتی ہے، یا کوئی حادثہ پیش آتا ہے، یا یہ کہ کسی کے آنے جانے سے موت متعلق ہے، ہر مسلمان کو اس بات پر یقین رکھنا چاہئے کہ موت وحیات کا مالک صرف اللہ ہے وہ جسے چاہتا ہے زندگی سے نوازتا ہے اور جسے چاہتا ہے موت دیتا ہے، اس لیے ایسے غلط عقائد وخیالات سے ہر مسلمان کو بچنا چاہئے، اور اگر ناواقفیت کی وجہ سے ایسا سوچا ہو یا دل میں خیال گزرا ہو تو توبہ کرنا چاہئے اور ایسی باتوں کی وجہ سے آپسی تعلقات کو خراب کر لینا تو اور بھی بری بات ہے۔

۲۱ ویں دن پھول پہنانا

سوال:- (125) بچہ کی پیدائش کے ۲۱ دن بعد لوگ اسے پھول پہنا کر اور گھوڑے پر بٹھا کر پھراتے ہیں، کیا شرعاً یہ درست ہے؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- اس قسم کی خرافات کی حوصلہ افزائی اسلام کا مزاج نہیں، بچہ کی پیدائش یقیناً ایک خوشی کی بات ہے، اور اس کے اظہار کے لئے عقیقہ کا طریقہ رکھا گیا ہے کہ ساتویں دن بال مونڈا جائے، استطاعت ہو تو بال کے ہم وزن چاندی یا اس کی قیمت صدقہ کر دی جائے، (۱) تاکہ آپ کے پڑوسی اور سماج کے غریب لوگ بھی آپ کی اس خوشی میں شریک ہو جائیں، باقی یہ سب رسم ورواج نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں، اور نہ ان کا کرنا مناسب ہے کہ یہ فضول خرچی ہے، اور قرآن نے فضول خرچی سے شدت کے ساتھ منع کیا ہے۔ (۲)

---

(۱) " عن سمرة ﷺ عن رسول الله ﷺ قال : كل غلام رهينة بعقيقته تذبح عنه يوم السابع و يحلق رأسه و يسمى ألخ " (سنن أبي داؤد:۳۹۲،كتاب الضحايا) محشی۔

(۲) اسرائیل :۲۶-۲۷۔ محشی۔

کتوں کا رونا

سوال:- (126) کتے کے رونے کی آواز سن کر لوگ کہتے ہیں کہ کوئی مرنے والا ہے، کیونکہ ملک الموت نظر آتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ (محمد ریاض احمد، وجے نگر کالونی)

جواب:- یہ توہمات میں سے ہے کہ کتے کا رونا کسی آدمی کے مرنے کی علامت ہے، یا یہ کہ خاص طور پر اس کو ملک الموت نظر آتے ہیں، البتہ یہ بات روایات میں آئی ہے کہ بعض ایسی چیزیں جو انسان کی نگاہ سے اوجھل رکھی گئی ہیں، بعض اوقات حیوانات کو نظر آتی ہیں، لیکن خاص طور پر ملک الموت کا کتوں کو نظر آنا یہ حدیث سے ثابت نہیں۔ واللہ اعلم

گل پوشی کا حکم

سوال:-(127) آج کل دیکھا جا رہا ہے کہ کوئی بچہ امتحان میں پاس ہو جائے تو والدین گل پوشی کرتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ (حافظ کلیم، اورنگ آباد)

جواب:- اچھی بات پر خوشی کا اظہار درست ہے، اور اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ نمازِ شکرانہ ادا کی جائے، کہ یہی حضور ﷺ کا معمول تھا۔ (۱) یا صدقہ کیا جائے، تاہم گل پوشی کی بھی گنجائش ہے؛ کیوں کہ پھول کا استعمال مباح ہے، البتہ اس میں اسراف نہیں ہونا چاہئے۔

(۱) صحیح البخاري:۶۱۴/۲،باب دخول النبي ﷺ من اعلیٰ مکة، نیز دیکھئے:باب منزل النبي ﷺ یوم الفتح۔ محشی۔

جمعرات کو پیدا ہونے والی لڑکی کو جمعرات کے دن حادثات پیش آنا

سوال:- {128} مجھے ایک لڑکی ہے اور وہ جمعرات کے رات پیدا ہوئی ہے، اکثر جمعرات کے رات بیمار ہوتی ہے، مار لگتی ہے تو جمعرات کے روز، اتفاق دیکھئے اسکول میں سزا دی جاتی ہے تو بھی جمعرات کا دن ہوتا ہے، اب اکثر لوگ کہتے ہیں آپ کی بچی کے ساتھ جمعرات کو کوئی بڑا حادثہ پیش آئے گا، کیا یہ سب کچھ ہوتا ہے؟ (محمد عبدالسلیم، ملے پلی)

جواب:- جمعرات کے دن کسی حادثہ کا پیش آنا محض اتفاق ہے، اس کا اس دن سے کوئی تعلق نہیں، تمام دن اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں، کوئی بھی دن نامبارک اور منحوس نہیں، یہ خیال کرنا بھی درست نہیں کہ جمعرات کو کوئی خاص حادثہ پیش آئے گا، لڑکی سے روزانہ صبح وشام ''آیــة الكرسي '' اور ''قل أعوذبرب الفلق '' اور'' قل أعوذبرب الناس '' پڑھوانے کا اہتمام کریں اور شبہ ووہم میں نہ پڑیں۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

کتاب الفتاوی

پہلا حصہ

کتاب العلم

علم سے متعلق سوالات

علم سے متعلق سوالات

اسم اعظم سے مراد

سوال:- {129} روزنامہ منصف کے ۲۶/ مارچ ۹۹ء کے شمارہ کے مینارۂ نور میں سید اسرار احمد سہیلی صاحب کا مضمون ''بہت بری مثال'' نظر سے گزرا، عبرت و موعظت کے عنوان میں لکھا ہے کہ بلعم بن باعوراء مستجاب الدعوات تھا، اس کے پاس اسم اعظم تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اسم اعظم اور معرفت سلب کرلی گئی، عرض یہ ہے کہ ''اسم اعظم تھا'' سے کیا مراد ہے؟ اسم اعظم کس طرح حاصل ہوتا ہے؟ اسم اعظم حاصل ہونے کے بعد سلب ہوجانے کے کیا معنی ہیں؟

(م، و، لیسن، ٹولی چوکی)

جواب:- آپ نے جس مضمون کا حوالہ دیا ہے، اس میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ بلعم بن باعوراء سے متعلق کئی روایتیں ہیں، مگر ان میں سے کوئی قابل اعتماد نہیں، اسی لئے

اکثر مفسرین نے اس آیت (الاعراف:۱۷۵) میں بے عمل عالم مراد لیا ہے۔

جہاں تک اسم اعظم کی بات ہے تو اس بارے میں اہل علم کے کئی اقوال ہیں، حصن حصین کے مصنف امام جزریؒ نے اسم اعظم کے بارے میں کئی احادیث نقل کی ہیں اور آخر میں لکھا ہے کہ میرے نزدیک "اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ " اسم اعظم ہے، تاکہ سب حدیثیں موافق و مطابق ہو جائیں، اور اس لئے بھی کہ واحدی کی کتاب "کتاب الدعاء" کی حدیث جو یونس بن عبد الاعلیٰ سے مروی ہے، وہ بھی اس کی تائید کرتی ہے"۔(۱)

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ

سوال:- {130} سنا ہے کہ اللہ پاک کے تین ہزار نام ہیں، وہ کیا ہیں؟ معلوم فرمائیں۔ (فیروز احمد علوی، گلشن باغ)

جواب:- ترمذی اور حدیث کی بعض دوسری کتابوں میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء حسنیٰ کا ذکر آیا ہے، (۲) میرے علم کے مطابق تین ہزار نام کا کسی حدیث صحیح میں ذکر نہیں، اللہ تعالیٰ کے جو اسماء مبارکہ قرآن و حدیث میں مذکور ہیں، ان ہی ناموں سے اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہئے، اپنی طرف سے کوئی نام اختیار نہ کرنا چاہئے کہ مبادا باری تعالیٰ کی شانِ عالی کے خلاف ہو، اور ہمیں اس کا اندازہ نہ ہو سکے۔

اللہ کا رسم الخط

سوال:- {131} کھمم کی ایک مسجد میں "اللہ" کے

---

(۱) ترجمہ حصن حصین، ص:۴۳۔

(۲) "عن النبي ﷺ قال: إن لله تسعة و تسعين اسماً مائة غير واحد من احصاها دإل الجنة" عن أبي هريرة ، (الجامع للترمذی ،حدیث نمبر:۳۵۰۶، باب إن لله تسعة و تسعين اسماء ، كتاب الدعوات ۔

اسم کو اللہ اسی طرح لکھا ہوا ہے، میں نے لکھنے والے آرٹسٹ سے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے اس طرح منصف کے جمعہ ایڈیشن کے سرنامہ کو دیکھ کر لکھا ہے، کیا اس طرح لکھنا درست ہے؟ (شیخ حسین صدر فلاحی، انجمن، کھمم)

جواب:- منصف کے سرنامہ پر واقعی اس طرح اللہ لکھا گیا ہے، اللہ میں ایک زبر (ہمزہ پر) اور ایک کھڑا زبر لام پر ہے، مزید ایک زبر کی ضرورت نہیں، میرا خیال ہے کہ آرٹسٹ نے خوبصورتی اور دوسرے کنارے پر لکھے ہوئے ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یکسانیت پیدا کرنے کے لئے غالباً ایک لکیر کھینچ دی ہے، یہ زبر نہیں ہے، بہتر یہی ہے کہ لکیر کو حذف کر دیا جائے؛ کیونکہ اس سے دو زبر کا وہم ہوتا ہے، جو درست نہیں ہے۔

خطوط اور کتابوں کے شروع میں بسم اللہ

سوال:- (132) کیا اس معذوری پر دھیان دینے کی مطلق ضرورت نہیں ہے کہ جس کاغذ پر ہم اسم ذات لکھ رہے ہیں اس کے گلی میں اڑنے، ردی ہو کر نالی میں پڑنے کا خطرہ ہے، اس لئے اشارے سے کام لیا جائے؟

(آصف اقبال، بحث ونظر)

جواب:- جہاں تک ممکن ہو ایسے کاغذات کی حفاظت کرنی چاہئے، جن پر اسم باری تعالیٰ کا ذکر ہو، لیکن چوں کہ خطوط اور کتابوں میں ''بسم اللہ'' سے آغاز اسلامی شعائر میں سے ہے، اس لئے اس خطرہ کے باوجود اس کا اہتمام کیا جائے گا، اسلامی شعائر میں سے کسی کو محض اس لئے نہیں چھوڑا جا سکتا کہ نااہل لوگ اس کی اہانت کریں گے۔

تحریر دائیں طرف سے یا بائیں طرف سے؟

سوال:- {133} تحریر کا اسلامی طریقہ کیا ہے، دائیں جانب سے لکھنا خیر و برکت کا ذریعہ ہے یا بائیں جانب سے لکھا جانا؟ (محمد عبدالحلیم، محبوب آباد)

جواب:- اگر آپ کے سوال کا مقصد یہ ہے کہ سطر دائیں جانب سے شروع ہو یا بائیں جانب سے، کتاب کا آغاز دائیں طرف سے ہو یا بائیں طرف سے؟ تو اس کا انحصار اس زبان کے خط پر ہے، جو زبانیں دائیں جانب سے لکھی جاتی ہیں، ظاہر ہے اسے دائیں طرف سے ہی لکھا جائے گا، جو زبانیں بائیں طرف سے لکھی جاتی ہیں اسے بائیں طرف سے ہی لکھا جائیگا۔ اس سلسلے میں شریعت میں کوئی تحدید نہیں ہے، کیوں کہ یہ تحدید ممکن ہی نہیں تھی، اسلام میں ایسی چیزوں کی بابت وسعت رکھی گئی ہے، اسلام کا مقصد انسانیت کی ہدایت ہے نہ کہ طریقہ تحریر کی تعیین، عربی زبان چوں کہ دائیں طرف سے لکھی جاتی ہے، اس لیے صحابہ ؓ اور سلف صالحین کا اس زبان کے بارے میں یہی عمل رہا ہے۔

ناپاک روشنائی سے بسم اللہ وغیرہ کی کتابت

سوال:- {134} کیا آیت قرآنی، اسم ذات اور اسم مقدس حضور اکرم ﷺ ناپاک روشنائی سے لکھے جاسکتے ہیں؟ (امینہ پروین، حیدرآباد)

جواب:- معنوی اور حکمی نجاست اور ظاہری اور حقیقی نجاست کے احکام میں بڑا فرق ہے، نجاست حکمی بار بار پیش آتی رہتی ہے، وضو اور غسل کی بار بار نوبت آتی رہتی ہے، اس لئے نجاست حکمی میں تخفیف اور آسانی کا رویہ اختیار نہ کیا جائے تو دقت پیدا ہوگی، نجاست حقیقی کا معاملہ اس سے مختلف ہے، اس سے آلودگی کی نوبت کم آتی ہے اس لئے پیشاب اور پاخانہ کے

متعلق حکم میں نسبتاً شدت اور سختی اختیار کی گئی ہے، بالخصوص ناپاک روشنائی سے آیت قرآنی، اسمائے باری تعالیٰ یا اسماء نبوی ﷺ کا لکھنا عام حالات میں ایک ایسی بات ہے جس کے لئے انسان کو کوئی مجبوری نہیں، اس لئے ناپاک روشنائی سے ان کا لکھنا سخت گناہ اور شدید معصیت ہے اور اہانت ہی مقصود ہو تب تو باعث کفر ہے۔(۱)

فقہ کی تعریف

سوال:- {135} فقہ کیا چیز ہے؟ ہمیں آپ فقہ کی تفصیل بتایئے۔ (محمد اسحاق)

جواب:- عربی زبان میں فقہ کے معنی سمجھ اور دانائی کے ہیں، خود امام ابوحنیفہؒ سے فقہ کی تشریح ان الفاظ میں منقول ہے: ''معرفة النفس مالها وما عليها''(۲) یعنی انسان کا اپنے فرائض اور حقوق سے آگاہ ہونا''۔ اس توضیح کے مطابق فقہ کا دائرہ انسان کی پوری زندگی کو محیط ہے، عقائد وایمانیات، عبادات، معاملات اور اخلاق، ہر نوع کے احکام فقہ کے دائرہ میں آجائیں گے، لیکن بعد کے اہل علم نے زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق احکام کو الگ الگ اصطلاحات سے تعبیر کیا ہے، جو احکام اعتقاد سے متعلق ہیں، جیسے توحید، شرک، رسالت و آخرت پر ایمان وغیرہ، ان کو ''علم کلام'' کا عنوان دیا گیا، جو امور اصلاح قلب سے متعلق ہیں، جیسے: اخلاص، تواضع، کبر وریاء کا نہ ہونا وغیرہ، ان کو ''تصوف'' یا ''احسان'' کا نام دیا گیا، جو احکام عملی زندگی سے متعلق ہیں، ان کو شریعت کی تفصیلی دلیلوں سے جاننے کا نام ''فقہ'' ہے، اس میں بنیادی طور پر تین طرح کے احکام آتے ہیں۔

---

(۱) "كفر الحنفية بألفاظ كثيرة و أفعال تصدر من المتهلين لدلالتها على الاستخفاف بالدين كالصلاة بلا وضوء عمدا، بل بالمواظبة على ترك سنة استخفافا بها" (البحر الرائق :۵/۱۱۹، أول كتاب أحكام المرتدين ،ط: کراچی)

(۲) مرأة الأصول :۱/۴۴، التوضيح لمتن التنقيح :۱/۱۰۔ محشی۔

عبادات، یعنی: وہ امور جن کا تعلق بندہ اور خدا سے ہے، جیسے: نماز، روزہ، وغیرہ، —— ایک انسان اور دوسرے انسان کے درمیان تعلقات، ان کو ''معاملات'' کہتے ہیں، تیسرے وہ قوانین جو حکومت اور شہری یا دو ملکوں کے درمیان تعلقات کو متعین کرتے ہیں، یہ تینوں قسم کے قوانین فقہ کے دائرہ میں آتے ہیں، جو کتاب وسنت کی صراحتوں یا کتاب وسنت کے مقرر کیے ہوئے اصولوں پر مبنی ہوتے ہیں، گویا ''فقہ'' قرآن وحدیث کا نچوڑ اور ان کی روشنی میں مرتب کیا ہوا نظام حیات ہے۔

''کبیری'' نامی کتاب

سوال:- {136} ماہانہ ''افکار ملی'' شمارہ فروری ۱۹۹۲ء صفحہ نمبر ۵۵ ر میں آپ نے چند سوالات کے جوابات دئے ہیں، ان سوالات میں سے ایک سوال غیر مسلموں کو قرآن مجید عربی یا ترجمہ والا نسخہ دینے کے سلسلہ میں ایک فتویٰ نوٹ کئے ہیں، جواب کے اخیر میں ''کبیری: ص: ۵۷، دیو بند'' لکھا ہوا ہے، مہربانی فرما کر بتائیں کہ اس ''کبیری'' سے مراد کون ہیں؟ تفصیلی نوٹ جواباً ارسال فرمائیں اور دوسرے شمارے میں شائع کردیں تو الجھنیں ختم ہوں گی، اور آپ کی عین نوازش ہوگی۔

''کبیری'' کا مسئلہ کہاں سے شروع ہو کر کہاں ختم ہوتا ہے، یا پوری بات کبیری ہی کی ہے، اس جواب سے معلوم نہ ہو سکا، لہذا اس سلسلہ میں بھی کرم فرمائیں۔ (آئی، ایف، ٹی)

جواب:- نماز کے احکام پر فقہ حنفی کی ایک اہم کتاب '' منیة المصلی '' ہے، شیخ ابراہیم حلبیؒ نے اس کی نہایت عظیم الشان اور مفصل شرح ''غنیة المستملی '' کے نام سے کی

ہے، یہی کتاب ہے جو اہل علم کے یہاں ''شرح کبیری'' اور ''کبیری'' کے نام سے معروف ہے، یہ کتاب خطبہ وتمہید کے بعد ''فرائض نماز'' کی بحث سے شروع ہوکر احکام مساجد پر اختتام پذیر ہوتی ہے، نماز کے احکام جس جامعیت اور استیعاب کے ساتھ اس کتاب میں ذکر کئے گئے ہیں شاید ہی کسی اور کتاب میں ہوں، مصنف فقہ حنفی کے متبع ہیں، دیوبند سے مولوی محمد اسحاق مالک کتب خانہ رحیمیہ نے اس کتاب کو عرصہ پہلے طبع کیا تھا۔ اب بیروت سے نیا ایڈیشن شائع ہو چکا ہے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کا مادۂ تخلیق

سوال:- {137} بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا جسم کافور سے بنایا گیا تھا، تاکہ آپ ﷺ کو شب معراج میں جگایا جائے، اسی کافور کی خوشبو کی وجہ سے آپ ﷺ نیند سے بیدار ہوئے تھے، کیا یہ بات درست ہے؟

(امۃ الرحیم، ونٹے پلی)

جواب:- یہ بات کہ حضرت جبرئیل کی پیدائش کافور سے ہوئی بالکل بے اصل بات ہے، فرشتوں کا مادۂ تخلیق کیا تھا؟ قرآن میں اس کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے اور میرے علم میں ایسی کوئی صحیح حدیث بھی موجود نہیں، جس میں اس کی صراحت ہو کہ فرشتے کس چیز سے پیدا کئے گئے ہیں؟ البتہ صوفیاء نے لکھا ہے کہ فرشتوں کی تخلیق نور سے ہوئی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا نقطۂ نظر ہے کہ بعض فرشتے نوری ہیں اور بعض عنصری، یعنی: بعض نور سے پیدا کئے گئے ہیں، اور بعض عناصرِ اربعہ (آگ، پانی، مٹی، ہوا) کے مجموعہ سے۔ (۱) البتہ شیخ علی متقی نے مسلم

(۱) "فخلق اجساما نورية بمنزلة نار موسىٰ علیہ السلام فنفخ فيه نفوسا كريمة وقسم اتفق حدوث مزاج في البخارات اللطيفة من العناصر" (حجة الله البالغة مع اردو ترجمہ:۱/۵۶) محشی۔

اور مسند احمد کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے کہ فرشتوں کی تخلیق نور سے اور شیطان کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے۔(۱)

زقوم کی تحقیق

سوال:- (138) قرآن پاک میں متعدد مقامات پر زقوم کو جہنمی غذا کہا گیا ہے جو بطور عذاب گنہگاروں کو کھلائی جائے گی، اور کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا، عربی اور اردو ڈکشنری میں زقوم کے معنی ''توہر'' کے دیے گئے ہیں، رام نرائن لال کی اردو اور انگریزی ڈکشنری میں بھی زقوم کے معنی ''توہر'' کے دیے گئے ہیں اور قرآنی آیت کا حوالہ دیا گیا ہے: ﴿إِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّومِ طَعَامُ الأَثِيمِ﴾ اور اسی طرح الدخان والصافات کی سورتوں میں بھی اسی طرح مذکور ہے، سوال یہ ہے کہ اگر یہ جہنمیوں کی غذا ہے، تو کیا ہم مسلمانوں کے لئے توہر یا اس کی دال کھانا جائز ہے یا نہیں؟　　(محمد نصیر عالم، دربھنگہ)

جواب:- اردو ڈکشنریوں میں زقوم کا ترجمہ عام طور سے ''توہر'' کیا گیا ہے، لیکن اس سے مراد وہ توہر نہیں ہے، جس سے دال پکائی جاتی ہے، جس کو اردو زبان میں ارہر بھی کہتے ہیں؛ بلکہ اس سے ایک کانٹے دار زہریلا پودا مراد ہے، جس کے پتوں سے دودھ بھی نکلتا ہے۔(۲)

---

(۱)　کنز العمال، حدیث نمبر: ۱۵۱۵۶۔

(۲)　مبادی اللغات: ص: ۱۲۱۔

سات آسمان وزمین

سوال:- {139} عصر کے بعد حدیث کی تعلیم ہوتی ہے، دورانِ تعلیم ساتوں آسمان اور زمین کا ذکر آیا، ایک صاحب نے کہا کہ یہ غلط ہے، آسمان اور زمین کے سات ہونے کا کوئی ثبوت نہیں، تو کیا قرآن وحدیث میں آسمان کے سات ہونے کا ذکر آیا ہے؟ (محمد ریاض احمد، وجے نگر)

جواب:- قرآن مجید میں سات آسمان وزمین کا ذکر آیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ﴾ (۱)

اگر انسان کی عقل نارسا زمین کی تہوں تک نہیں پہونچ پائی ہو اور اس دنیا میں آسمان تک رسائی سے قاصر ہو، تو اس سے قرآن مجید کے بیان کا غلط ہونا (نعوذ باللہ) ثابت نہیں ہوتا۔

اعداد ونقوش قبل اسلام سے مروج ہیں

سوال:- {140} مناسب ہو تو ابجد کے اعداد کی نسبت بھی فرمائیں کہ وہ عہد جاہلیت کی ایجاد ہے یا عہد اسلامی میں ان کی تقدیر ہوئی؟ کیا کسی نام کا بقدر اعداد پڑھنا آپ کی تحقیق میں بہ اسناد صحیح مروی ہے یا نہیں؟ (عامر حسین، بیگم پیٹ)

جواب:- ''حروف'' سے اعداد کے استنباط کا اسلام سے تو کوئی تعلق نہیں ہے، اور غالباً عہد اسلام کی یہ پیداوار بھی نہیں، یہ اسلام سے پہلے سے مروج ہے، یہود اس طرح کے

---

(۱) الطلاق :۱۲۔

رموز استعمال کرتے تھے، مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے "اظہار الحق" میں رسول اللہ ﷺ سے متعلق بائبل کی بشارت کے ذیل میں ایک جگہ اس کا ذکر کیا ہے، اگر اس طرح کے اعداد "بسم اللہ" وغیرہ کی جگہ کفایت کرجاتے تو قرون خیر میں بھی اس پر عمل ممکن تھا؛ لیکن ان ادوار میں کہیں اعداد کے استعمال کا رواج نہیں ملتا۔

لڑکیوں کو حافظہ بنانا

سوال:- {141} کیا لڑکیوں کو حافظہ بنانا درست ہے؟ اور اس میں کوئی فائدہ ہے؟ (ایک، وائی، زیڈ، بیدر)

جواب:- حفظ قرآن مجید پر جو اجر و ثواب منقول ہے وہ لڑکوں کے لیے بھی ہے اور لڑکیوں کے لئے بھی، پھر حفظ کے بعد قرآن کی تعلیم لڑکے بھی دے سکتے ہیں اور لڑکیاں بھی، اس لئے لڑکیوں کو حافظہ بنانا فائدہ سے خالی نہیں، بعض صحابیات رسول ﷺ بھی حافظہ تھیں، (۱) البتہ چونکہ عورتیں فطری عوارض کی وجہ سے قرآن کی تلاوت کا اہتمام نہیں کر پاتیں، اس لئے اس کا اندازہ کرلینا چاہئے کہ کیا یہ لڑکی قرآن کو محفوظ رکھ سکے گی؟ کیونکہ قرآن یاد کرنے کے بعد کوتاہی کی وجہ سے اسے بھلا دینا بہت ہی گناہ ہے۔

مسلم خواتین کے لئے عصری تعلیم

سوال:- {142} اسلامی حدود میں رہتے ہوئے مسلم خواتین جدید عصری علوم مثلاً ڈاکٹری کی تعلیم وغیرہ حاصل کرسکتی ہیں یا نہیں؟ بعض پڑھے لکھے لوگ بھی یہ کہتے ہیں کہ مسلم خواتین کو صرف دینی تعلیم ہی دینی چاہئے، اور یہ کہ انہیں صرف پڑھنا سکھانا چاہئے، لکھنا نہیں سکھانا چاہئے، کیا

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: تذکرۂ صحابیات، از طالب ہاشمی۔ محشی۔

ہمارے لیے دنیاوی علم حاصل کرنے کی ممانعت ہے؟ برائے
کرم اس موضوع پر اسلامی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالیں؟

(محمد علاء الدین، بیدر)

جواب:- اسلام بنیادی طور پر علم وتحقیق کے کاموں کا حامی ہے نہ کہ مخالف؛ بلکہ اگر کہا جائے کہ مذاہب عالم میں یہ اس کا امتیاز ہے تو غلط نہ ہوگا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ علم انسانیت کے لئے نفع بخش اور مفید ہو، عصری علوم بھی زیادہ تر نفع بخش اور فائدہ مند ہیں، اور ان کے ذریعے انسانیت کی خدمت سر انجام پاتی ہے، اسلام نے مردوں کی طرح عورت پر بھی تعلیم کا دروازہ کھلا رکھا ہے، اس لئے ایسے عصری علوم جو نافع ہوں، اگر شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ مسلمان لڑکیاں حاصل کریں تو کچھ حرج نہیں، خاص کر میڈیکل تعلیم تو لڑکیوں کے لئے نہایت ضروری ہے، مرد ڈاکٹروں سے علاج میں خواتین بے پردگی سے دوچار ہوتی ہیں، بعض دفعہ تو نسوانی امراض کے لئے بھی ان ڈاکٹروں سے رجوع کرنا پڑتا ہے اور اس میں بے ستری اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے، بلکہ بعض اوقات ناخوشگوار واقعات بھی پیش آجاتے ہیں، خواتین ڈاکٹروں کی موجودگی سے یہ نوبت نہیں آئے گی۔ کیونکہ ایک عورت کا عورت کے سامنے بے پردہ ہونا مرد کے سامنے بے پردہ ہونے سے کمتر ہے۔

شرعی حدود سے مراد یہ ہے کہ بے پردگی نہ ہو، غیر محرم مردوں کے ساتھ تنہائی وخلوت نہ ہو، فتنہ کے مواقع سے بچنے کا اہتمام ہو، ایسا علم نہ ہو جو شرعاً ناجائز ہو جیسے رقص وموسیقی وغیرہ کی تعلیم، ایسی تعلیم نہ ہو جو عورت کی فطری صلاحیت اور دائرۂ کار کے مغائر ہو، اور ان کا یہ تعلیم حاصل کرنا اپنے ولی کی اجازت سے ہو، یعنی شادی سے پہلے باپ کی، اور شادی کے بعد شوہر کی اجازت ضروری ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان زیادہ سے زیادہ لڑکیوں کی علاحدہ درس گاہ قائم کریں تاکہ لڑکیاں مخلوط تعلیم سے بچتے ہوئے شرعی حدود میں رہ کر تعلیم حاصل کریں۔

جہاں تک عورت کو کتابت سکھانے کی ممانعت کی بات ہے، تو بعض موضوع روایتوں میں

اس کا ذکر ہے،(۱) جس کو محدثین نے من گھڑت اور بے اصل قرار دیا ہے،(۲) صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں مختلف خواتین کتابت سے واقف تھیں ، (۳) حضرت شفاء عدویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا خط بہت اچھا ہوتا تھا ، اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے خواہش فرمائی تھی کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لکھنا سکھا دیں ،(۴) اس لئے عورتوں کو کتابت وتحریر سکھانے میں کوئی حرج نہیں ، بلکہ قباحت ان کو علم سے محروم رکھنے میں ہے۔

مخلوط درسگاہوں میں حصولِ علم

سوال:- (143) صرف اپنی اور اپنے خاندان کی عزت بڑھانے ، اونچا نام کرنے اور سوسائٹی میں مقام بنانے کے لئے لڑکیوں کا غیر لڑکوں کے ساتھ کالج میں پڑھنا، جہاں یقینی طور پر کوئی چیز دیکھنے اور کرنے میں دن میں کئی مرتبہ مردوں سے ٹکرانا پڑتا ہو، کیا یہ جائز ہے؟ اگر پڑھائی چھوڑ دیں تو ماں باپ کی ناراضگی کا ڈر ہو تو کیا تعلیم جاری رکھنا صحیح ہے؟ اور یہ خیال کر کے کہ اب تو پورا ہو ہی گیا، ۸ر مہینے رہ گئے ہیں ، پورا کرلیں تا کہ قوم اور خلق کی خدمت کی جا سکے، کیا صحیح ہوگا؟ دوسرے یہ کہ آج کل ماں باپ لڑکی کی شادی اچھی

---

(۱) شعب الإيمان للبیهقي :۲/ ۴۷۷، حدیث نمبر:۲۴۵۴/۴۷۸۔ محشی۔

(۲) سلسلة الأحادیث الضعیفة و الموضوعة :۵/ ۳۰، حدیث نمبر:۲۰۱۷۔ محشی۔

(۳) فتوح البلدان ترجمه اردو:۲/ ۲۵۲، بحوالہ کتاب حدیث عہد رسالت وعہد صحابہ میں از مفتی رفیع عثمانی: ص:۶۰۔ محشی۔

(۴) " عن الشفاء بنت عبد اللہ قالت : دخل علي النبي ﷺ و أنا عند حفصة رضی اللہ تعالیٰ عنها فقال لي : ألا تعلمین هذه رقیة النملة کما علمتها الکتابة " (سنن أبي داؤد ، حدیث نمبر:۳۸۸۷، باب في الرقي ، کتاب الطب) محشی۔

جگہ ہو، اس خیال سے بھی دنیوی تعلیم دلاتے ہیں، جو اکثر بے کار ہوتی ہے، کوئی فائدہ نہیں ہوتا، سوائے ڈگری حاصل کرنے کے ان کو کوئی فن اور ہنر نہیں آتا، اس تعلیم میں تقریباً ۵/ سال بیکار قسم کی پڑھائی میں صرف ہوجاتے ہیں، اور اسی وجہ سے وہ خاندان میں بھی کوری رہ جاتی ہیں — حضرت داتا گنج بخش علی فرماتے ہیں، علم اسی قدر سیکھنا فرض ہے جس سے عمل درست ہو، کیونکہ علم سے دنیا حاصل کرنے والوں کی اللہ نے مذمت فرمائی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ایسے علم سے پناہ مانگی ہے، اگرچہ یہ دینی علم حاصل کرنے کے بارے میں ہے، لیکن کیا یہ بات دنیا کا علم حاصل کرتے وقت پیش نظر نہیں رکھنی چاہئے؟ اور حدیث میں جس علم کے حاصل کرنے کی رخصت آئی ہے وہ کونسا علم ہے، دینی یا دنیوی؟ (ایک بہن)

جواب:- اپنی ضرورت کے مقدار دینی علم حاصل کرنا ہر شخص پر فرض ہے، اور عام انسانی ضروریات کا علم فرض کفایہ کے درجہ میں ہے، یعنی سوسائٹی میں کچھ لوگ اس سے ضرور واقف ہوں، جو ضرورت کے وقت لوگوں کی مدد کرسکیں، مگر مخلوط درسگاہوں میں اور خاندانی نام اونچا کرنے اور شادی میں رشتوں کی سہولت کی نیت سے علم حاصل کرنا جائز نہیں ہے اور ناجائز ہونے والی چیزیں جس طرح چار سال ناجائز ہوں گی اسی طرح آٹھ، دس ماہ کے لئے بھی ناجائز ہی رہیں گی، اس قسم کی تعلیم کے لئے غیر مخلوط درسگاہ نہ ہو تو چونکہ یہ بھی ملت کی ایک ضرورت ہے، اس لئے ان شرطوں کے ساتھ تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے کہ مسلم خواتین کی نشست لڑکوں سے الگ ہو، وہ پردہ میں ہوں اور ان کی کسی غیر محرم کے ساتھ خلوت اور تنہائی کی نوبت نہ آتی ہو۔ یہ تو آپ کے متعلقہ سوال کے جواب ہیں۔

مگر اس کے ساتھ ساتھ ہمیں مسرت ہے کہ اس فضا اور ماحول میں رہنے کہ باوجود اللہ نے آپ کو دین پر اتنی استقامت عطا کی ہے، آپ ایک مثالی طالبہ کی حیثیت سے صرف اسی پر اکتفاء نہ کریں کہ اپنی ذاتی زندگی میں ان احکام سے روشنی حاصل کریں، بلکہ دیگر مسلمان بہنوں کی مدد سے اس بات کی کوشش کریں کہ حکومت آپ حضرات کے لئے ایسی سہولتیں فراہم کرے کہ آپ شرعی حدود میں رہ کر اس قسم کی تعلیم جاری رکھ سکیں، ممکن ہے آپ کا یہ اقدام آپ کی بہت سی بہنوں کے لئے ایک روشنی ثابت ہو۔

اسکول میں لڑکیوں کی جماعت

سوال:- {144} ہمارا ایک اسکول ملک پیٹ میں واقع ہے، جس میں لڑکیاں بھی ہیں اور لڑکے بھی، اس میں ظہر کی نماز باجماعت کا اہتمام کیا جاتا ہے، ایک لڑکے کو امام بنادیا جاتا ہے، جس کے پیچھے سارے لڑکے نماز ادا کرتے ہیں، لڑکیوں کے لئے علاحدہ نماز کا اہتمام کیا جاتا ہے، جس میں زیادہ وقت لگ جاتا ہے، کیا یہ مناسب ہوگا کہ لڑکوں کے پیچھے لڑکیوں کی بھی صفیں لگادی جائے، اگر لڑکیاں بالغ ہوں تو کیا حکم ہے، اور نابالغ ہوں تو کیا حکم ہے؟ (ادارہ)

جواب:- ابھی جس طریقہ پر آپ کا عمل ہے، یعنی لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ نماز کا نظم، یہی زیادہ بہتر ہے، گو اس میں زیادہ وقت صرف ہوجائے لیکن اس سے اسلامی مزاج کے مطابق تربیت کرنے میں مدد ملے گی، اور یہ بات ظاہر ہے کہ تعلیم گاہوں کا مقصد تعلیم بھی ہے اور تربیت بھی، لڑکیوں کے بارے میں اصل تو یہ ہے کہ وہ تنہا تنہا نماز ادا کریں، اور ایک ٹیچر ان کی نگرانی کرتی رہے، لیکن اگر نماز کی عملی مشق اور اذکار نماز کی یاددہانی کے لئے ان کی جماعت کا اہتمام بہتر محسوس ہو تو نابالغ لڑکیوں کی جماعت بنادیجئے، اور ان ہی میں سے کسی کو ان

کا امام بنایئے، امام آگے کھڑی ہونے کے بجائے پہلی صف کے وسط میں کھڑی ہو، فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے:

"و یکرہ للنساء أن یصلین وحدھن الجماعة

... و إن فعلن قامت الإمام وسطھن" (۱)

بالغ لڑکیوں کا تنہا الگ الگ نماز پڑھ لینا بہتر ہے، وقت بچانے کے لئے ایسا کیا جاسکتا ہے کہ دو الگ الگ کمروں میں بیک وقت لڑکوں اور لڑکیوں کی نماز کا اہتمام کیا جائے۔

غیر محرم بالغ لڑکیوں کو پڑھانا

سوال:- (145) بالغ لڑکیوں کو بحیثیت استاد مدرسہ میں یا گھر جا کر قرآن مجید پڑھانا کیسا ہے؟ اسی طرح اسکولوں میں بحیثیت ٹیچر پڑھانا پڑتا ہے، جب کہ کلاس میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہوتے ہیں؟ (محمد ریاض احمد، وجے نگر کالونی)

جواب:- کسی مرد کا بالغ یا قریب البلوغ لڑکی کے ساتھ تنہائی اختیار کرنا جائز نہیں، نیز جب لڑکیاں بالغ ہوگئی ہوں، تو ان کا پردہ کرنا ضروری ہے، لہذا مدرسہ یا گھر میں قرآن مجید پڑھاتے ہوئے اس اصول کو برتنا چاہئے کہ لڑکی کے ساتھ تنہائی نہ ہو، اور لڑکیاں بالغ ہوں تو برقعہ پہن کر تعلیم حاصل کریں۔

جہاں تک اسکولوں کی بات ہے تو کم سے کم مسلمان لڑکیوں کو برقعہ کے استعمال کا اہتمام کرنا چاہئے، اگر اسکول کے نظم کے تحت لڑکیوں کو پابند کیا جانا ممکن نہ ہو تو بدرجۂ مجبوری اس طرح تعلیم دی جاسکتی ہے کہ لڑکوں سے مخاطب ہو اور حتی الامکان لڑکیوں کی طرف سے نگاہ بچا کر پڑھایا

---

(۱) الهداية مع الفتح: ۱/۳۵۳-۳۵۲۔

الهداية مع شرح اللكهنوى: ۱/۳۶۵، باب الإمامة، كتاب الصلاة-محشي۔

جائے، یہ تو شرعی حکم ہے، لیکن جہاں کہیں مسلمانوں کے زیر انتظام اسکول چل رہے ہیں، ان سے درخواست ہے کہ وہ اپنی درس گاہوں میں لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے جداگانہ کلاس روم کا انتظام کریں، اور ایسے یونیفارم متعین کریں جو اسلامی اقدار سے مطابقت رکھتے ہوں، تاکہ آپ دنیا میں بھی نیک نام ہوں اور آخرت میں بھی سرخ رو۔ وباللہ التوفیق۔

پردہ اور لڑکی کی تعلیم

سوال:- {146} استاذ لڑکی کو تعلیم دینے میں کس حد تک پردہ کا خیال کرے؟ (شکیل، حیدرآباد)

جواب:- اگر استاذ غیر محرم ہو تو اس کے لئے بھی وہی احکام ہیں جو دوسرے غیر محرموں کے لئے ہیں، اس لئے مدارس میں تو استاذ اور طالبات کے درمیان دیوار یا گاڑھے کپڑے کی آڑ کا نظم ہونا چاہئے، اگر ٹیوشن پڑھائیں، تب بھی ہونا یہی چاہئے ورنہ کم سے کم لڑکی نقاب پہن کر آئے، اور استاذ کے ساتھ اس کی تنہائی نہ ہو، اس کا لحاظ ضروری ہے۔

طلبہ کا استاذ کی آمد پر کھڑا ہونا

سوال:- {147} ہمارے محلہ میں ایک حفظ کا مدرسہ ہے، وہاں پر میں نے ایسا عمل دیکھا کہ جب استاذ جماعت میں حاضر ہوتے ہیں، تو ساری جماعت قرآن کریم کی تلاوت بند کر کے کھڑی ہو کر سلام کرتی ہے، کیا ایسا عمل طلبہ کر سکتے ہیں؟ (محمد عبدالشکور، حسینی علم)

جواب:- بہتر ہے کہ استاد اپنے طلبہ کو صرف سلام کرنے کی تربیت دیں، استاذ کی آمد پر طلبہ کا بہ طور احترام کے کھڑا ہو جانا جائز تو ہے لیکن بہتر نہیں، علامہ ابن نجیم مصریؒ بڑے بلند پایہ حنفی فقیہ ہیں، انہوں نے اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے کہ دوسروں کے لئے کھڑے ہونے کا کیا حکم

ہے؟ عبارت کا بعینہ ترجمہ اس طرح ہے:

"جہاں تک دوسرے کے لئے کھڑے ہونے کی بات ہے، تو حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصا پر ٹیک لگائے ہوئے باہر تشریف لائے، ہم لوگ آپ ﷺ کے احترام میں کھڑے ہوگئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: جیسے اہل عجم ایک دوسرے کے احترام میں کھڑے ہو جاتے ہیں، تم کھڑے نہ ہوا کرو "لا تقوموا كما تقوم الأعاجم يعظم بعضهم بعضا" شیخ ابوالقاسم کے بارے میں منقول ہے کہ جب مالداروں میں سے کوئی ان کے پاس آتا تو اس کے لئے کھڑے ہوتے، اور فقراء اور طلبہ کے لئے کھڑے نہ ہوتے، اس سلسلہ میں آپؒ سے دریافت کیا گیا، تو فرمایا: "اہل ثروت مجھ سے تعظیم کی توقع رکھتے ہیں، اور اگر ان کی تعظیم نہ کروں تو نقصان پہونچاتے ہیں، اور فقراء اور طلبہ مجھ سے اس کی حرص نہیں رکھتے وہ سلام کا جواب دینے اور علمی امور کے بارے میں گفتگو کے خواہاں ہوتے ہیں" (۱)

اس صراحت سے ظاہر ہے کہ احترام میں کھڑا ہونا بہتر نہیں، ہاں اگر کوئی شخص ایسا فرعون مزاج ہو کہ اس کے احترام میں کھڑے نہ ہونے والے عتاب اور ابتلاء کا شکار ہو جاتے ہوں، تو ضرر سے بچنے کے لئے کھڑے ہونے میں قباحت نہیں۔

طلبہ کے سرپرستوں کی طرف سے استاذ کے لئے تحفہ

سوال:- {148} میری بہن بے غیر اجرت کے بچوں

(۱) البحر الرائق: ۱۹۹/۸۔ فصل في الاستبراء وغيره، كتاب الكراهية، ط: کراچی۔

کو قرآن کی تعلیم دیتی ہیں، بعض لوگ انکار کے باوجود کپڑے
بنادیتے ہیں، تو کیا اسے قبول کرنا درست ہے؟

(فاطمہ بیگم، سداسی پیٹ)

جواب:- ایسا تحفہ قبول کرنے میں کوئی قباحت نہیں، بلا اجرت پڑھانے میں زیادہ ثواب ہے، اور انکار کے باوجود کوئی ہدیہ دے تو یہ بھی بلا اجرت ہی پڑھانے میں شامل ہے، کیونکہ اجرت وہ ہے جسے باضابطہ طئے کیا جائے۔

تکمیل ناظرہ پر استاذ کو ہدیہ

سوال:- {149} ہمارے بچے نے ناظرہ قرآن کی
تکمیل کی ہے، کیا مولوی صاحب کو ہدیہ کرنا ضروری ہے؟
کہتے ہیں کہ اگر ہدیہ نہ کریں تو بچہ آئندہ ختم قرآن کر کے کسی
مرحوم کو بخش نہیں سکتا، کیا یہ صحیح ہے؟

(عبدالکریم، شاہپور، ضلع گلبرگہ)

جواب:- ناظرہ قرآن کی تکمیل پر ہدیہ کرنا ضروری نہیں، شریعت میں اس کی کوئی اہمیت نہیں، ہاں اگر آپ بہ طور خود اس مسرت کے موقع پر کوئی تحفہ دینا چاہیں تو اس میں کچھ قباحت بھی نہیں ہے، بشرطیکہ ان کی طرف سے مطالبہ نہ ہو، ہاں جو اجرت اور تعلیمی فیس مقرر تھی وہ دینا ضروری ہے، یہ بات بالکل غلط اور بے اصل ہے کہ اگر بچہ اپنے استاذ کو ہدیہ نہ دے تو آئندہ وہ قرآن پڑھ کر ایصال ثواب نہیں کرسکتا، جو حضرات ایصال ثواب کے قائل ہیں، اور یہی مسلک جمہور امت کا ہے، ان کے نزدیک ایصال ثواب کے درست ہونے کے لئے ایسی کوئی شرط نہیں، اس طرح کی باتیں محض جہالت اور ناواقفیت کی وجہ سے عوام میں مشہور ہوجاتی ہیں، اور چل پڑتی ہیں، ایسی غلط فہمیوں سے لوگوں کو بچانے کی کوشش کریں۔

تعلیمی مقاصد کے لئے تصویریں

سوال:- {150} حدیث میں ہے کہ جس گھر میں تصویر ہو، اس گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے ہیں، لیکن ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ بچوں کو پڑھانے کی غرض سے چارٹ وغیرہ لگانا پڑتا ہے، جس میں تصویریں ہوتی ہیں، تو کیا پڑھانے کی غرض سے ایسا چارٹ لگانا درست ہے؟

(ام حنا وزہرہ، نیوٹاؤن، محبوب نگر)

جواب:- آپ نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابوطلحہ ﷺ سے مروی ہے، (۱) شریعت میں بعض چیزیں وہ ہیں جن سے صراحتاً منع کر دیا گیا ہے، ایسے کاموں کو بہتر مقاصد کے تحت کیا جائے یا ناروا مقاصد کے پیش نظر، وہ بہر حال گناہ ہی رہے گا، ذی روح کی تصویر سے چونکہ احادیث میں صراحتاً منع فرمایا گیا ہے، اس لئے تعلیمی مقاصد کے لئے بھی ان کا استعمال درست نہیں، وہ باتیں جو مباح اور جائز ہیں، وہ نیت اور ارادہ سے متعلق ہیں۔

تعلیم طب کے لئے مقام ستر کو دیکھنا

سوال:- {151} اگر طب کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے لڑکی کسی اجنبی مرد کو برہنہ دیکھے اور اگر ضرورت ہو تو اس کے عضو تناسل کو ہاتھ لگائے یا لڑکا کسی عورت کی رحم کو دیکھے،

---

(۱) "إن الملائكة لا تدخل بيتا فيه الصورة" عن أبي طلحة، (صحيح البخاري، حدیث نمبر:۵۹۵۸، باب من كره القعود على الصور، كتاب اللباس، نیز دیکھئے: كنز العمال، حدیث نمبر:۴۱۵۶۱)

واضح رہے کہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے یہ سب کرنا ضروری ہے، اگر نہ کیا جائے تو امتحان پاس کرنا مشکل ہے، ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ (محمد نصیر عالم، دربھنگہ)

جواب:- زن وشو کے علاوہ کسی مرد وعورت کے لئے ایک دوسرے کے ستر کو دیکھنا قطعاً ناجائز وحرام ہے،(۱) ہاں شدید ضرورت کے وقت اس کی اجازت دی جاسکتی ہے،(۲) شدید ضرورت سے مراد یہ ہے کہ اس کی جان کے تحفظ کے لئے اس حصہ کو دیکھنا ناگزیر ہوجائے، آپ کوشش کریں کہ کوئی حیلہ کرکے اس سے بچ جائیں، یا اگر ممکن ہو تو میڈیکل تعلیم کے ان خصوصی امراض کے شعبہ کو چھوڑ دیں، البتہ ایک عورت کا میڈیکل تحقیق کی غرض سے دوسری عورت کے حصہ ستر کو دیکھنا یا مرد کا مرد کے حصہ ستر کو دیکھنا جائز ہے تاکہ وہ اس قسم کے امراض کی شناخت اور علاج میں مہارت حاصل کرسکے،(۳) بشرطیکہ ان امور کو جاننے کے لئے اس طرح دیکھنا اور چھونا ضروری ہو، اس کی نظیر یہ ہے کہ فقہاءؒ نے دایہ کو ولادت کے وقت عورت کی شرمگاہ کو دیکھنے کی اجازت دی ہے، نیز ان صورتوں میں جبکہ عورت مرد کے نامرد ہونے کا دعوی کرے قاضی کو کسی عورت سے عورت کا کنوارپن معلوم کرنے کی بھی اجازت دی گئی ہے۔(۴)

---

(۱) الهداية:۴/۴۵۹۔محشی۔

(۲) "الضرورات تبيح المحظورات "(الأشباه والنظائر :۱۴۰)مرتب۔

(۳) ایسے ہی علاج کی غرض سے مرد کے لئے ڈاکٹر کے سامنے ستر کھولنے کی اجازت ہے،"وقد روى عن أبي يوسف أنه إذا كان به هزال فاحش وقيل له إن الحقنة تزيل مابك من الهزال فلا بأس بأن يبدئ ذالك الموضع للمحتقن "(المبسوط:۱۰/۱۵۶)

(۴) "وإن كانت بكرا نظر إليها النساء فإن قلن هي بكر اجل ألخ" (الهدايه ، كتاب الطلاق :۲/۴۳۱)

تقلید سے متعلق ایک تفصیلی جواب

سوال:- {152} حضرت مولانا مفتی صاحب مدظلہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جماعتِ اہل حدیث وغیر مقلدین، سلفی، تقلید ائمہ کے منکر ہیں، اور کہتے ہیں: خود ائمہ اپنے پیشرو ائمہ کے مقلد نہ تھے، اس دور کے بعد ائمہ محدثین کا دور آیا، جیسے امام بخاریؒ، مسلمؒ، امام نسائی وغیرہ وہ بھی کسی امام کے مقلد نہ تھے، اس نو ایجاد مذہب کو سلاطین نے سرکاری طور پر خوب پھیلایا، ایک دین اسلام کے چار ٹکڑے کر ڈالے

دین حق را چار مذہب ساختند

فتنہ در دین نبی انداختند

انہوں نے امام اعظمؒ ہی کو اپنا نشانہ بنایا ہے، کہتے ہیں کہ امام اعظمؒ کو بہت کم احادیث ملی ہیں، ان کا زیادہ تر مذہب قیاس پر ہے، ہدایہ، عالمگیری، شامی وغیرہ کو غیر معتبر بتلاتے ہیں، حقیقۃ الفقہ، رسالۂ اہل حدیث امرتسر وغیرہ میں اس قسم کے کئی مسائل طلاق، تراویح وغیرہ ہیں، جو اہل علم سے مخفی نہیں، ان کا کہنا ہے کہ جب چار مذاہب کا مأخذ کتاب وسنت ہے تو پھر چاروں کی تقلید کرنی چاہئے، ہمیشہ ایک ہی کیوں؟ ان کا ادعا ہے کہ ہم ہی اہل سنت والجماعت ہیں، دوسرے خارج، ان کی مساجد بھی الگ ہیں، وہ کسی سنی مقلد کے پیچھے

نماز نہیں پڑھتے ، لہذا ایسی جماعت کو کیا کہا جائے گا؟ جو
اجماع کے خلاف ہیں، کسی ایک ہی امام کی تقلید کریں یا سب
کی ، یہ اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں یا خارج، اور ہم
سنیوں کی ان کے پیچھے نماز درست ہوگی ، یا نہیں؟

(شکیل خان، امرتسر)

جواب:- ۱) احکام شریعت کا اصل ماخذ اور اس کا سرچشمہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہیں، جو لوگ تقلید کے قائل ہیں وہ بھی یہی ایمان وعقیدہ رکھتے ہیں، اور بحمد اللہ سنت رسول کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناتے ہیں، حدیث وتفسیر کا جو ذخیرہ اس وقت دنیا میں موجود ہے، اور ان سے اخذ واستنباط کی جو عظیم الشان مساعی کی گئی ہیں، وہ سب عام طور پر ان ہی مقلد علماء کی دین ہیں، صحاح ستہ کے مؤلفین میں امام بخاریؒ کے سوا سبھی مقلد ہیں، دوسرے محدثین میں امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام طحاویؒ، امام بیہقیؒ، امام دار قطنیؒ اور بعد کے علماء میں محدث زیلعیؒ، حافظ ابن حجرؒ، حافظ قاسم ابن قطلو بغاؒ، علامہ سیوطیؒ، علامہ ہیثمیؒ وغیرہ جو بڑے بڑے محدثین گزرے ہیں اور ہندوستان میں شاہ عبد الحق محدث دہلویؒ، شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور بعد کے اکثر علماء جنہوں نے تالیف وتحقیق اور شرح وتوضیح کے ذریعہ حدیث کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں، وہ سب مقلدین ہی تھے، اگر خدانخواستہ تقلید کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے رشتہ کو کمزور کرتی تو ان حضرات کا روز وشب حدیث شریف کی خدمت میں لگے رہنا اور اسی اشتغال میں اپنی زندگی کو وقف کر دینا ایک بے معنی بات ہوگی۔ اس لئے اولاً یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ تقلید کا بھی اصل منشا یہی ہے کہ کتاب وسنت کے تقاضوں پر عمل کو آسان بنایا جائے۔

۲) تقلید محض اس بات کا نام ہے کہ جو لوگ کتاب وسنت کی تمام تفصیلات سے آگاہ نہ ہوں، وہ ان کی بابت کسی ایسے شخص کی شرح پر اعتماد کریں جن کو وہ اپنی دانست میں اس بات کا اہل سمجھتے ہوں کہ وہ احکام شریعت کی بابت صحیح علم وفہم رکھتا ہے، غرض تقلید ائمہ مجتہدین

کو "شارع" ماننے کا نام نہیں، بلکہ ان کو کتاب وسنت کا "شارح" سمجھنے اور ان کی شرح پر اعتماد کرنے کا نام ہے۔

۳) اصل میں احکام شرعیہ چار طرح کے ہیں:

(الف) وہ احکام جو یقینی ذریعہ سے ثابت ہوں اور آیات وروایات سے ان کا ثبوت بالکل واضح ہو، مثلاً: اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ﴾(۱) "تمہاری مائیں تم پر حرام کی گئیں" قرآن کی آیت ہے، جس کے ثابت ہونے میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں، اور اس کا معنی بھی بالکل واضح ہے، ایسے احکام کو "قطعی الثبوت ، قطعی الدلالة" کہا جاتا ہے۔

(ب) وہ احکام جو یقینی ذریعہ سے ثابت ہوں لیکن ان میں ایک سے زیادہ معنی کی گنجائش ہو، جیسے قرآن مجید نے کہا: ﴿وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ﴾(۲) عربی زبان کے قاعدہ کے مطابق کبھی "ب" زائد ہوتی ہے، اور کبھی بعض کے معنی میں، یہاں اگر "ب" زائد ہو تو معنی یہ ہوگا کہ "پورے سر کا مسح کرو" اور اگر بعض کے معنی میں ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ "سر کے کچھ حصہ کا مسح کرو" ایسے احکام کو "قطعی الثبوت ظنی الدلالة" کہتے ہیں۔

(ج) تیسرے قسم کے احکام وہ ہیں جن کا معنی تو واضح ہو، لیکن جس ذریعہ سے وہ ہم تک پہنچے ہیں، وہ یقینی ذریعہ نہ ہو، ان کو "ظنی الثبوت قطعی الدلالة" کہتے ہیں، جیسے آپ ﷺ نے فرمایا: "لا صلاة بعد الفجر إلا سجدتين "(۳) "فجر کا وقت ہونے کے بعد دو رکعت کے سوا نماز جائز نہیں"

---

(۱) النساء:۲۳۔

(۲) المائدة:۶۔

(۳) "عن ابن عمر رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: " لا صلاة بعد الفجر إلا سجدتين "(الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۱۸۴، ۱/۹۶، باب ما جاء لا صلاة بعد طلوع الفجر إلى ركعتين) محشی۔

(د) چوتھے قسم کے مسائل وہ ہیں جن کا ذریعہ ثبوت بھی یقینی نہ ہو اور ان میں ایک سے زائد معنوں کا احتمال بھی ہو، جیسے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب "(۱) "اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی" —— محدثین کی اصطلاح کے مطابق یہ خبر واحد ہے جو قرآن اور حدیث متواتر کی طرح یقینی نہیں ہوتی، نیز اس میں دو معنوں کا احتمال ہے، ایک یہ کہ نماز بغیر سورۂ فاتحہ کے درست ہی نہیں ہوگی، دوسرے یہ کہ نماز ہو جائے گی، لیکن کامل درجہ کی نہیں ہوگی، جیسے: آپ ﷺ نے فرمایا:

"لا صلاة لجار المسجد إلا في المسجد" (۲)

"مسجد کے قریب رہنے والوں کی نماز صرف مسجد میں ہی ہوتی ہے"

تقریباً تمام ہی علماء کے نزدیک اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ مسجد کے پڑوس میں رہنے والے کی نماز گھر میں نماز کامل نہیں ہوگی۔

غور کیا جائے تو ان چار میں سے پہلی صورت ایسی ہے جس میں اجتہاد کی ضرورت نہیں پڑتی، بقیہ تینوں قسم کے احکام وہ ہیں جن میں گہرے علم، وسیع مطالعہ اور کمال بصیرت مطلوب ہے، یہی احکام ہیں کہ جن میں اللہ اور رسول ﷺ کے منشا کو جاننے کے لئے لوگ تقلید کے محتاج ہیں، اور اسی کے بارے میں قرآن نے کہا:

﴿ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (۳)

"کہ جن باتوں کو نہ جانتے ہوں ان کو اہل علم سے دریافت کرو"

---

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۲۴۷، عن عبادة بن صامت، باب ماجاء أنه لا صلاة إلا بفاتحة الكتاب، كتاب الصلاة۔

(۲) سنن الدار قطني: ۱/۳۹۹.

(۳) النحل: ۴۳، نیز دیکھئے: الأنبياء: ۷۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَطِيعُوا اللّٰهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾(۱)

''اللہ، رسول اور ارباب امر (علم) کی اطاعت کرو''

یہاں ''اولی الامر'' میں خلفاء وسلاطین کی طرح ائمہ مجتہدین بھی داخل ہیں۔ (۲)

۴) حضرات صحابہ ﷺ کے زمانہ میں تو سیکڑوں فقہی مذاہب تھے، بعد کے ادوار میں بھی بہت سے مجتہدین پیدا ہوئے، انہیں میں یہ ائمہ اربعہ بھی ہیں، جو اپنے زمانہ کے بلند پایہ محدثین میں تھے، اور صحابہ کے علوم کے وارث تھے، امام ابوحنیفہ ؒ کو زیادہ تر روایات حضرت علی ﷺ، حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کے تلامذہ سے ملیں، اس طرح دوسرے ائمہ نے بھی مختلف صحابۂ کرام ﷺ کے شاگردوں سے استفادہ کیا، اور کتاب وسنت کی روشنی میں احکام مرتب کئے، یہ اتفاق کی بات ہے کہ ان چاروں ائمہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کو ایسے لائق شاگرد میسر نہ آئے جو ان کے فتاوی کو مدون ومرتب کرتے، اس لئے ان کی فقہ بھی آہستہ آہستہ ناپید ہوگئی یا سو پچاس مسائل سے متعلق ان کی رائیں محفوظ نہ رہیں، لیکن منجانب اللہ ائمہ اربعہ کے فتاوی زندگی کے تمام مسائل سے متعلق مرتب ومدون ہوگئے، اور لوگوں کے لئے کتاب وسنت کو سمجھنے میں ان کو واسطہ بنانا آسان ہوگیا، اس طرح یہ چار ہی فقہی مسالک باقی رہے۔

---

(۱) النساء:۵۹۔

(۲) "قال علي بن أبي طالب ﷺ عن ابن عباس ﷺ: و أولي الأمر منكم يعني أهل الفقه و الدين و كذا قال مجاهد و عطاء و الحسن البصري و أبو العالية" و أولي الأمر منكم يعني العلماء" (تفسير ابن كثير التفسير القرآن العظيم :۶۳۳/۱)

"ثالثها: المراد العلماء الذين يُفتون في الأحكام الشرعية و يعلمون الناس دينهم و هذه رواية الثعلبي عن ابن عباس ﷺ و قول الحسن و مجاهد و ضحاك" (التفسير الكبير للرازي :۲۶۷/۵) محشی۔

پھر اگر ایک شخص کو مختلف مسالک سے استفادہ کی اجازت دے دی جائے تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ لوگ دین کو کھلونا بنالیں اور ہر جگہ سے ایسی شاذ رائیں جمع کرنے لگیں، جن میں سہولت اور نفس کے لئے آسانی ہو، ظاہر ہے کہ اس سے بڑا دین کے لئے کوئی فتنہ نہیں ہوسکتا، چنانچہ مشہور اہل حدیث عالم مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے تقلید کی مخالفت کا جو نتیجہ اپنے طبقہ میں محسوس فرمایا، اس کو اس طرح قلمبند کیا ہے:

> ''پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہدین مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں، وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، ان میں بعض عیسائی بن جاتے ہیں، اور بعض لامذہب بن جاتے ہیں، جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے اور احکام شریعت سے فسق و فجور تو اس آزادی کا نتیجہ ہے''۔(۱)

یہی وجہ ہے کہ گزشتہ تقریباً ایک ہزار سال کے درمیان جتنے مشہور محدثین، مفسرین، فقہاء اور متکلمین پیدا ہوئے ان سب نے شخصی تقلید ہی کی راہ اختیار کی ہے، اس ایک ہزار سال کے عرصہ میں ابن حزم اور ایک دو اصحاب علم کے علاوہ شاید ہی کوئی شخص ملے، جس نے تقلید کا انکار کیا ہو، خود امام ابن تیمیہؒ اور شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ بھی فقہ حنبلی کے مقلد ہیں، بلکہ جو لوگ ائمہ پر طعن کرتے ہیں، ابن تیمیہؒ نے ان کی تردید میں مستقل کتاب لکھی ہے، اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ ان ائمہ میں سے کسی ایک کی شخصی تقلید مؤمنوں کا عام طریقہ اور راستہ یعنی قرآن کی زبان میں ''سبیل المؤمنین'' ہے، قرآن مجید کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا

(۱) سبیل الرشاد: ص:۱۲۔

تَوَلّٰی وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴾(۱)

"جس نے رسول ﷺ کی مخالفت کی، جبکہ اس پر ہدایت واضح ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کے راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ کی پیروی کی، تو ہم اس کو اسی طرف چلائیں گے، جدھر وہ خود پھر گیا، اور اس کو جہنم میں جلائیں گے، جو بدترین جگہ ہے"

اور رسول اللہ ﷺ نے سواد اعظم کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے:

"واتبعوا السواد الأعظم فإنه من شذ شذ في النار" (۲)

"سواد اعظم کی پیروی کر، کیونکہ جو اس سے الگ ہوا وہ جہنم میں گیا"

اور جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ گزشتہ ایک ہزار سال سے امت کے اصحاب علم، اصحاب فضل وتقوی اور خود وہ علماء جن کو مجددین امت میں شمار کیا گیا ہے، ان سب نے تقلید کو اختیار کیا ہے، ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر سواد اعظم کیا ہوسکتا ہے؟ اس لئے نفس پرستی اور حرص وہوس کے اس دور میں کسی ایک امام کی شخصی تقلید واجب ہے، یہ امت کے سواد اعظم کی اتباع ہے، اور اس کا انکار اس راہ کا انکار ہے جو "سبیل المؤمنین" (اہل ایمان کا راستہ) کا درجہ رکھتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان چار ائمہ کے مذاہب نے دین نبوی میں رخنہ نہیں ڈالا ہے، بلکہ نفس کے رخنوں سے دین کی حفاظت کی ہے۔

۵) امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں یہ کہنا کہ آپ کو بہت کم احادیث ملی ہیں، محض جہالت اور حدیث وتاریخ دونوں سے ناواقفیت ہے، مشہور محدث طبرانیؒ جن کی احادیث کی معاجم مشہور و

(۱) النساء: ۱۱۵۔

(۲) عن أنس بن مالك ﷺ "فعليكم بالسواد الأعظم" (سنن ابن ماجة: ص: ۲۸۳، كتاب الفتن)

معروف ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں کہتے ہیں:

"اشتهر واستفاض ان اباحنيفة تلمذ من أربعة آلاف من الشيوخ والأئمة المتعالين وتفقه عنه أربعة آلاف" (۱)

جس شخص نے چار ہزار اساتذہ سے علم حدیث حاصل کیا ہو، اس کے بارے میں اس طرح کی بات کہنا کس قدر ظلم وناانصافی کی بات ہے؟ شعبیؒ، ابواسحاقؒ، حکم بن عتبہؒ، قتادہؒ، شعبہؒ، حماد بلند پایہ محدثین ہیں جن کے اسماء گرامی علم حدیث میں سکہ رائج الوقت کا درجہ رکھتے ہیں، اور صحاح ستہ کے مولفین کے واسطہ در واسطہ استاذ ہیں، امام ابوحنیفہؒ ان سبھوں کے براہ راست اور بلا واسطہ شاگرد ہیں، فن حدیث میں رسول اللہ ﷺ اور محدث کے درمیان واسطوں کا کم ہونا بڑا باعث فضیلت ہے، امام ابوحنیفہؒ کی اکثر روایات ایسی ہیں جن میں آپؒ کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان صرف دو ہی واسطے ہیں، صحاح ستہ میں سے کسی مصنف کو اتنے کم واسطوں سے حدیث نہیں مل پائی ہے، امام بخاریؒ نے ۲۲ رایسی احادیث نقل کی ہیں جن میں امام بخاریؒ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان تین ہی واسطے ہیں، یہ احادیث صحیح بخاری کا تمغۂ افتخار ہیں، ان میں سے سولہ حدیثیں ایسی ہیں جو امام بخاریؒ کو امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں سے ملی ہیں، یحیی بن سعید القطان بڑے پائے کے محدث ہیں، اور صحاح ستہ میں ان سے حدیثیں نقل کی جاتی ہیں، وہ نہ صرف امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے بلکہ آپ ہی کی رائے پر فتوی دیا کرتے تھے، حافظ ذہبیؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

"وكان في الفروع على مذهب أبي حنيفه فيما بلغنا إذا لم يجد النص" (۲)

---

(۱) معجم طبرانی: ۱۵۵/۳۔

(۲) نزهة الفضلاء: ۸۱۵/۲۔ محشی۔

حافظ عبداللہ بن مبارکؒ امام بخاریؒ کے استاذ الاساتذہ ہیں، اور امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے، وہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ اور سفیانؒ سے استفادہ کی توفیق نہ دی ہوتی تو میں ایک عام آدمی کی طرح ہوتا۔

"لو لا اعانني الله بأبي حنيفة و سفيان كنت كسائر الناس" (۱)

امام وکیعؒ بھی بخاری ومسلم کے استاذ الاساتذہ ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے متبع تھے، خطیب نے لکھا ہے کہ" كان يفتي بقول أبي حنيفة "(۲)

امام ابوحنیفہؒ نے گو خود احادیث میں کوئی مستقل کتاب مرتب نہیں فرمائی — اور یہی حال اکثر سلف صالحین کا تھا، —— لیکن امام ابویوسف وامام محمد نے اپنی کتاب "کتاب الآثار" میں اور آپ کے دوسرے شاگردوں نے مسند امام ابوحنیفہ کی صورت میں آپ کی مرویات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، بزرگوں میں بعض محتاط اور متورع علماء کا طریقہ یہ تھا کہ وہ علم حدیث رکھتے تھے، اس کی روشنی میں رائے بھی قائم کرتے تھے، لیکن روایت کرنے میں افراط کے بجائے احتیاط سے کام لیتے تھے، غور کیجئے کہ حضرت ابوہریرہ ؓ اور حضرت ابوسعید خدری ؓ سے حضرت ابوبکر ؓ، حضرت عمر ؓ، حضرت علی ؓ، اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا تفقہ بڑھا ہوا تھا، مگر صورت حال یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ ؓ اور حضرت ابوسعید خدری ؓ کے مقابلہ ان صحابہ ؓ کی مرویات بہت قلیل ہیں اور حضرت ابوبکر ؓ کی مرویات تو بہت ہی کم ہیں، تو کیا اس سے ان صحابہ ؓ کے درمیان علمی فرق مراتب قائم کیا جا سکتا ہے؟ اس لئے امام ابوحنیفہؒ پر قلت حدیث کا اعتراض نہایت غلط اور ناواقفیت یا علمی خیانت پر مبنی ہے۔

۶) امام ابوحنیفہ کا سب سے بڑا فقہی امتیاز یہ ہے کہ وہ بیک وقت آیت اور مختلف

---

(۱) حوالہ سابق: ۲/۶۶۲۔ محشی۔

(۲) مقدمة إعلاء السنن: ۳/۱۶۔

مضامین کی حدیث کو ساتھ لے کر چلتے ہیں، اور ایسی رائے قائم کرتے ہیں کہ ممکن حد تک کوئی نص چھوٹنے نہ پائے اور ہر دلیل کا مرتبہ بھی قائم رہے، مثلاً یہی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ ہے، اس سلسلے میں ایک طرف آیت قرآنی ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو سنو اور خاموش رہو: ﴿ إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا ﴾ (۱) اس کا تقاضہ یہ ہے کہ امام کے پیچھے خاموش رہا جائے، دوسری طرف وہ حدیث ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی "لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب" (۲) تیسری طرف وہ حدیث ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے "فإن قرأة الإمام قرأة له" (۳) امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ امام اور تنہا نماز پڑھنے والا پہلی حدیث کے مطابق سورہ فاتحہ پڑھے گا، مقتدی آیت قرآنی کے مطابق خاموش رہے گا، اور چونکہ دوسری حدیث کے مطابق امام کی قراءت مقتدی کی طرف سے بھی ہوتی ہے، اس لئے یہ نہ سمجھا جائے گا کہ مقتدی نے فاتحہ نہیں پڑھی، بلکہ گویا اس نے بھی نیابۃً سورہ فاتحہ پڑھی ہے؛ کیونکہ امام قراءت قرآن میں اس کا نمائندہ ہے، یہی امام ابوحنیفہؒ کا عام طریق فکر ہے، افسوس کہ ہمارے زمانے کے اکثر غیر مقلد حضرات کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کسی ایک روایت کو لے لیتے ہیں، پھر اس سے کوئی غرض نہیں رکھتے کہ حکم قرآنی نظر انداز ہو رہا ہے، یا دوسری حدیثیں چھوٹ رہی ہیں اور اپنے اس یک رخ پن کے ساتھ جو لوگ ان سے اختلاف رائے کرتے ہیں، ان پر لعن کرنا بھی اپنا حق جانتے ہیں۔

۷) امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ قیاس سے اسی وقت کام لیتے ہیں جب قرآن و حدیث کی رہنمائی موجود نہ ہو، بلکہ امام صاحبؒ کا تو اصول یہ ہے کہ اگر صحابہ ﷺ کے اقوال

---

(۱) الاعراف: ۲۰۴۔ محشی۔

(۲) الجامع للترمذی، عن عبادة بن الصامت ﷺ، حدیث نمبر: ۲۴۷، باب ما جاء أنه لاصلاة إلا بفاتحة الكتاب، كتاب الصلاة۔ محشی۔

(۳) سنن الدار قطنی: ۱/۳۲۱۔ محشی۔

موجود ہوں تب بھی قیاس سے کام نہیں لیتے، پھر جن مسائل کی بابت قرآن میں یا حدیث میں کوئی واضح بات نہ مل سکے، ان کے متعلق دو راستے ہیں، یا تو ان کے بارے میں اپنی رائے سے کام لیا جائے یا ان کے متعلق بھی اپنی رائے قائم کرنے کے بجائے اس سے مماثلت رکھنے والے واقعہ میں قرآن وحدیث کی ہدایت تلاش کی جائے اور یہاں بھی اسی پر عمل کیا جائے، یہ دوسری صورت قیاس کہلاتی ہے، جس کے نہ صرف امام ابوحنیفہؒ بلکہ تمام سلف صالحینؒ قائل ہیں، اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ "قیاس" کتاب وسنت سے بے اعتنائی کا نام نہیں ہے بلکہ جو مسائل کتاب وسنت میں صراحۃً مذکور نہ ہوں، ان میں بھی کتاب وسنت ہی سے روشنی حاصل کرنے کا نام ہے، غور کیا جائے کہ اگر امام ابوحنیفہ اس طرح قیاس کرتے ہیں تو یہ قابل اعتراض بات ہے یا قابل تعریف وتقلید؟ اور یہ اتباع سنت ہے یا سنت سے گریز؟

۸) یہ کہنا کہ سرکاری طور پر ان مذاہب کی ترویج ہوئی ہے قطعاً غلط ہے، ان فقہاء نے کبھی عرب یا عجم کے مادی وسائل سے اپنے مسلک کی ترویج نہیں کی ہے، امام ابوحنیفہ کی تو حکومتِ وقت سے دوری کا حال یہ تھا کہ ہزار اصرار کے باوجود عہدۂ قضا قبول نہیں فرمایا، اور آخر حکومت سے ناخوشگوار تعلقات ہی کے باعث شہید ہوئے، حقیقت یہ ہے کہ تمام مذاہب اور بالخصوص فقہ حنفی کے مقبول ہونے کا باعث کتاب وسنت سے اس کی مطابقت، اصول تمدن سے اس کی ہم آہنگی اور اس کی استدلالی قوت، عقل ونقل سے اس کی تاکید وتقویت ہے نہ کہ سرکاری پشت پناہی اور ملوک عرب یا شاہان عجم کے خزانہ سیم وزر۔

۹) جہاں تک ہدایہ، عالمگیری، شامی وغیرہ کی بات ہے تو یہ حضرات سیاق وسباق کی عبارتیں کاٹ کر اور مسئلہ کے پس منظر کو نظر انداز کر کے کچھ فقہی جزئیات اس طرح نقل کرتے ہیں، جو عوام الناس کے لئے غلط فہمی کا سبب بن جائے، جو ایک علمی خیانت ہے، یہ کتابیں ظاہر ہیں کہ کلام الناس ہیں، لیکن اگر کوئی بدبخت آیات اور احادیث کو کاٹ چھانٹ کر اور اس کے صحیح موقع ومحل سے ہٹا کر پیش کرنے لگے تو ان سے بھی غلط فہمی پیدا کی جا سکتی ہے، اور آج یورپ کے

اعداءِ اسلام بھی کچھ کر رہے ہیں، اس لئے ان کی بابت علماء سے تحقیق کر لینی چاہئے۔

۱۰) اخیر میں عرض یہ ہے کہ شریعت کے کچھ احکام اساسی نوعیت کے ہیں، یہ نجات کا مدار، اور کفر و اسلام اور حق و ضلال کا معیار ہیں، جیسے: توحید، رسالت، آخرت، ارکان اسلام کی فرضیت، یا وہ احکام جو قطعی و یقینی دلائل سے ثابت ہیں اور کچھ احکام فروعی نوعیت کے ہیں، جیسے آمین کا آہستہ یا زور سے کہنا، رفع یدین ایک بار یا اس سے زیادہ کرنا، امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا اور نہ پڑھنا، ان مسائل میں حضرات صحابہ ؓ کے زمانہ سے اختلاف رائے رہا ہے، لیکن سلف صالحین نے نہ کبھی ان کو حق و گمرہی کی بنیاد بنایا ہے اور نہ کبھی امت کو ان مسائل کی طرف دعوت دی، بلکہ وہ ان مسائل میں اختلاف رائے کی گنجائش تسلیم کرتے تھے، ایک دوسرے کے مرتبہ و مقام کا احترام کرتے تھے اور ان فروعی اختلافات میں چشم پوشی سے کام لیتے تھے، اور ان کو اپنی دعوت کا عنوان نہیں بناتے تھے، مگر بدقسمتی سے موجودہ غیر مقلدین نے عام طور پر انہی فروعی مسائل کو ارکان اسلام کا درجہ دے دیا ہے اور ان کو اپنی دعوت و تبلیغ کا عنوان بنا لیا ہے، یہ نسبۃً کم اہم مسئلہ کو زیادہ اہمیت دینے کے مترادف ہے اور کسی مسئلہ کو اس کی حیثیت سے زیادہ اہمیت دینا بجائے خود ایک بدعت ہے، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ اس نو پید بدعت سے اپنے آپ کو بچائیں۔

لہذا جو لوگ ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، ان پر تہمت باندھتے ہیں اور فروعی مسائل کو امت میں انتشار کا ذریعہ بناتے ہیں، عام مسلمانوں کو ان کے اجتماعات میں شرکت سے گریز کرنا چاہئے اور اگر وہ مقلد کے پیچھے نماز پڑھنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں تو چونکہ وہ صالح مسلمانوں کو فاسق قرار دینے کی وجہ سے خود فاسق ہیں، اس لئے ان کی اقتداء سے بھی بچنا چاہئے۔ ھذا ما عندی و الله اعلم و هو يهدی إلى الحق و به التوفيق۔

عالم کے لئے مولانا کا لفظ

سوال:- {153} کیا کسی عالم کو مولانا کہنا درست ہے؟ کیونکہ سورۂ بقرہ کی آخری آیت میں "مولانا" کا لفظ اللہ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ (ابوعمر صدیقی، سبڑم)

جواب:- مولانا کے معنی ہمارے مولا کے ہیں، یہ لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے، مالک و آقا، نگران و سرپرست، دوست وغیرہ، اللہ تعالیٰ کے لئے مولانا کا لفظ بمعنی مالک استعمال ہوا ہے، اگر کسی عالم کو دوست اور نگران کے معنی میں احتراماً مولانا کہا جائے، تو اس میں حرج نہیں، ایک طویل عرصہ سے یہی علماء وصالحین کا توارث رہا ہے، حضور ﷺ نے عمرۃ القضاء کے موقعہ سے حضرت زید بن الحارثہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ تم ہمارے بھائی اور مولا ہو: "أنت أخونا و مولانا "(۱) اس روایت کو خود امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے۔ آپ ﷺ نے خود اپنے لیے بھی "مولیٰ" کا لفظ استعمال کیا ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے بھی کہ میں جس کا مولیٰ ہوں، علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے مولیٰ ہیں، " من كنت مولاه فعلي مولاه "(۲) اس لئے مولانا کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

اولیاء کرام کے ناموں کے ساتھ "رضی اللہ تعالیٰ عنہ"

سوال:-{154} بعض علماء اولیاء اللہ کے نام کے ساتھ بھی "رضی اللہ تعالیٰ عنہ" لکھتے ہیں، کیا اس طرح لکھنا درست ہے؟ (محمد حبیب الدین، قادر باغ)

جواب:- "رضی اللہ عنہ" ایک دعائیہ کلمہ ہے، جس کے معنی ہیں "اللہ ان سے راضی ہو"

(۱) صحيح البخاري :۲/۶۱۰۔ محشی۔
(۲) سنن ابن ماجة :ص:۱۲۔ محشی۔

اس لغوی معنی کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ کسی کو یہ دعا دی جاسکتی ہے، لیکن سلف صالحین کے عہد سے یہ معمول چلا آرہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ''صلی اللّٰہ علیہ و سلم ''انبیاء کرام کے لیے ''علیہ السلام'' صحابہ کے لیے ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' اور دوسرے بزرگوں کے لیے ''رحمۃ اللہ علیہ'' کہا اور لکھا جاتا ہے، یہی مفسرین و محدثین اور فقہاء و صوفیاء کا معمول رہا ہے، گویا اس پر امت کا تعامل ہے اور اس تعامل کی وجہ سے یہ لفظ ان اہل اللہ کے مقام و مرتبہ اور حیثیت کی پہچان بن گئی ہے، اگر یہ تعبیر دوسروں کے لیے اختیار کی جائے تو ان کی حیثیت کے جاننے میں التباس واقع ہوسکتا ہے، نیز اس میں سلف صالحین کے تعامل کی مخالفت بھی ہوتی ہے، اور مبالغہ کا بھی احساس ہوتا ہے، اس لیے اس دعائیہ کلمہ کو حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہی کے لیے استعمال کرنا چاہئے، گو بعض اہل علم نے دوسروں کے لیے بھی یہ کلمہ استعمال کیا ہے، لیکن موجودہ دور کے عرف کے لحاظ سے قرین صواب یہی ہے کہ صحابہ کے علاوہ دوسروں کے لیے یہ تعبیر اختیار نہیں کی جائے۔

مجدد کس کو کہتے ہیں؟

سوال:- {155} مجددین کرام کن کو کہتے ہیں ؟
پندرہویں صدی کے مجدد کون ہیں؟ (سید منو حنیف، بھونگیر)

جواب:- اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات پر سلسلۂ نبوت کو ختم فرمادیا ہے، آپ ﷺ کے بعد کوئی پیغمبر نہیں آسکتا، آپ ﷺ سے پہلے نبوت کا سلسلہ جاری تھا، اس لئے جب کسی نبی کی لائی ہوئی تعلیمات مٹ جاتیں اور لوگ حق کے ساتھ باطل کی آمیزش کردیتے تو اس ملاوٹ کو دور کرنے اور لوگوں کو صحیح راستے پر لانے کی غرض سے نئے پیغمبر مبعوث کئے جاتے تھے، محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت خاص یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، چنانچہ ڈیڑھ ہزار سال گزرنے کے باوجود نہ صرف قرآن کے الفاظ بلکہ اس کے معانی و مقاصد بھی محفوظ ہیں۔

اس لئے اسلام کے مآخذ میں کوئی شخص کمی بیشی اور تحریف وآمیزش نہیں کرسکتا، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ دین کے کسی شعبہ میں لوگوں کی کوتاہیاں بڑھ جائیں، اللہ اور اس کے رسول کے کلام کی تشریح وتوضیح میں کوئی گمراہ شخص خیانت سے کام لے، اور اپنے مقصد ومنشا کو داخل کرنے کی کوشش کرے، اسی کے تدارک کے لئے اللہ تعالی ہر عہد میں ایک یا چند ایسے افراد کو پیدا کرتے رہیں گے جو امت کی اصلاح کریں، اور اعداء اسلام کی سازشوں کا مقابلہ کرکے اسلام کی فکری اور اعتقادی سرحدوں کی حفاظت کریں، یہی مجدد کہلاتے ہیں۔

چونکہ عام طور پر ایک عہد "سو سال" کا سمجھا جاتا ہے، اسی لئے حدیث میں سو سال کا ذکر آیا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إن اللّٰه يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة من يجدد لها دينها" (۱)

"بیشک اللہ اس امت کے لئے ہر سو سال پر ایسے شخص کو بھیجیں گے جو اس کے لئے دین کی تجدید کریں"

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ یہ ایک شخص بھی ہوسکتا ہے اور ایک جماعت بھی ہوسکتی ہے، جن میں بعض شخصیتیں ایک شعبۂ زندگی میں اسلام کی خدمت کریں، اور بعض دوسرے شعبہ میں، یا ایک، ایک علاقہ میں اور دوسرا، دوسرے علاقہ میں۔ (۲) مجدد بدعات کو دور کرتا ہے، اور جو سنتیں مردہ ہوچکی ہوں، ان کو زندہ کرتا ہے، تاہم مجدد کی حیثیت نبی یا اللہ کی طرف سے مامور کی نہیں ہوتی، اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو مجدد ہو اس کو اپنا مجدد ہونا معلوم بھی ہو، اس لئے پندرہویں صدی کے مجدد کے بارے میں کوئی شخص یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس صدی کے "مجدد" ہیں، اور نہ اس کے جاننے اور نہ جاننے سے ایمان اور نجات کا کوئی مسئلہ متعلق ہے۔

(۱) سنن أبي داؤد: ص:۵۸۹، كتاب الملاحم۔ محشی۔

(۲) بذل المجهود: ۱۰۳/۵۔

تصوف اور اسلامی نقطۂ نظر

سوال:-(156) تصوف کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کیا ہے؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تصوف شریعت سے ہٹ کرنئی چیز ہے، کیا یہ بات درست ہے؟ (علی شاہ، شالی بنڈہ)

جواب:- اصل میں تصوف کا مقصود قلب کی اصلاح، انسان کو فضائلِ اخلاق سے آراستہ کرنا اور رذائلِ اخلاق سے بچانا ہے، اللہ اور رسول کی محبت ہو، آخرت کا خوف ہو، اخلاص ہو، خلق اللہ سے محبت رکھی جائے، کبر نہ ہو، دوسرے کی تحقیر سے بچایا جائے، تواضع وانکساری پیدا ہو، انسان میں بچھنے کی کیفیت ہو، یہی تصوف کا عطر وخلاصہ ہے، کون مسلمان ہوگا جو اس کی اہمیت سے انکار کرے؟

تاہم اس میں شبہ نہیں کہ بعد کے ادوار میں تصوف کو ایک فلسفہ بنادیا گیا اور پھر اس میں قدیم مشرقی حکماء کے خیالات سے بھی استفادہ کیا گیا، دوسرے مذاہب کے متبعین میں ریاضت کے جو طریقے مروّج تھے ان کو بھی ایوانِ تصوف میں داخلہ مل گیا، اس کی وجہ سے بہت سی اعتقادی اور عملی بدعتیں بھی اس راہ سے دَر آئیں، اس لئے صحیح یہ ہے کہ نہ تصوف مکمل طور پر نامعتبر اور قابل رد ہے اور نہ یہ صحیح ہے کہ تصوف کے نام سے آج جو کچھ مروّج ہے سب کو قبول کرلیا جائے، کھرے کھوٹے میں فرق کی ضرورت ہے، جن باتوں کی اصل قرآن وحدیث میں موجود ہو، وہ قابلِ قبول ہے اور جن باتوں کی کوئی اصل نہ ہو وہ قابلِ رد ہے۔

کیا فرشتے یا شیطان بدن پر مٹی چھڑکتے ہیں؟

سوال:-(157) غسل کرنے کے بعد بدن کے کسی حصہ پر ملنے سے میل نکلتا ہے، اس سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ

فرشتے یا شیطان بدن پر مٹی چھڑکتے ہوئے کہتے ہیں کہ تو کتنا بھی پاک ہولے، پھر بھی میل نکلتا ہی رہے گا، اسی لئے میل نکلتا رہتا ہے، یہ کہاں تک صحیح ہے، کیا واقعی فرشتے یا شیطان ایسا کرتے ہیں؟ (ڈاکٹر قطب الدین، جگتیال)

جواب:- یہ بالکل بے اصل اور بے سروپا بات ہے، اور اسلام کے مزاج و مذاق سے بھی اس کا کوئی تعلق نہیں۔ میل کا پیدا ہونا ایک فطری چیز ہے، اور اس کو صاف کرنا نظافت کا تقاضا ہے۔

مرد کی خوبصورتی ڈاڑھی اور عورت کی خوبصورتی چوٹی

سوال:- {158} کیا قرآن و حدیث یا کسی مستند کتاب سے یہ بات ثابت ہے کہ چوتھے آسمان پر فرشتے صرف یہ ذکر کرنے پر مامور ہیں کہ "مرد کی خوبصورتی اس کی ڈاڑھی ہے، اور عورت کی خوبصورتی اس کی چوٹی ہے"؟

(شبیر احمد حقی، عنبر پیٹ)

جواب:- یہ بالکل بے اصل بات ہے، اور اس کا کہیں کوئی ثبوت نہیں، فرشتے آسمان پر اللہ کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں، نہ کہ ان فضول باتوں کا ذکر، ہاں یہ ضرور ہے کہ داڑھی رکھنا واجب ہے، (۱) اور رسول اللہ ﷺ نے متعدد مواقع پر اس کی تاکید فرمائی ہے۔ (۲)

---

(۱) "و لذا يحرم على الرجل قطع لحيته" (رد المحتار: ۹/۵۸۳) محشی۔

(۲) "عن نافع عن ابن عمر ؓ قال: احفوا الشوارب و اعفوا اللحي" الجامع للترمذي، حدیث نمبر: ۲۹۱۳، باب ما جاء في اعفاء اللحية، كتاب الاستيذان و الأدب، نیز دیکھئے: سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۴۱۹۳، باب في أخذ الشارب، كتاب الترجل۔ محشی۔

قرآن مجید سے متعلق سوالات

اگر قرآن گر جائے؟

سوال:- {159} اگر اتفاق سے قرآن مجید چھوٹ جائے تو اسے پیشانی سے لگا کر بوسے لیا جاتا ہے، گر جائے تو نمک، گیہوں اور قرآن کا عطیہ دیا جاتا ہے، کیا یہ عمل صحیح ہے؟

(محمد قمر الدین وغیرہ، مشیر آباد)

جواب:- قرآن مجید اللہ تعالی کی کتاب ہے، اس لئے اس کے واجب الاحترام ہونے میں کوئی شبہ نہیں، قصداً قرآن مجید کی اہانت کفر ہے، البتہ اگر بلا ارادہ قرآن ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا تو چونکہ قصد و ارادہ کو دخل نہیں، اسلئے اس پر کچھ گناہ نہیں، قرآن کو احتراماً آنکھوں سے لگانے یا بوسہ لینے میں کوئی قباحت نہیں، لیکن یہ سمجھنا کہ اس موقعہ سے بہ طور کفارہ گیہوں وغیرہ صدقہ کیا جائے، درست نہیں، نہ قرآن و حدیث میں اس کا ذکر ہے، نہ فقہ کی کتابوں میں۔

قرآن مجید اور امام مہدی

سوال:- {160} کیا امام مہدی علیہ السلام کا کہیں قرآن پاک میں ذکر ہے؟ (جنید بکڈ پو، مشیر آباد)

جواب:- قرآن میں امام مہدی کا ذکر نہیں، البتہ امام مہدی کے ظہور اور ان کی علامات کے سلسلہ میں حدیثیں بکثرت وارد ہیں،۔(۱)

قرآن مجید میں ''ابراہیم'' کا رسم الخط

سوال:- {161} قرآن معظم میں سورۂ بقرہ کی حد تک حضرت ''ابراہیم'' کا املاء ''ابراھیم'' بقیہ قرآن میں ''ھاء'' ہوز کے بعد یائے حطی درج ہے، اس میں کیا حکمت مضمر ہے؟

(نامعلوم)

جواب:- دونوں طرح ابرہیم کی کتابت درست ہے، ویسے بھی یہ لفظ غیر عربی ہے؛ اس لئے جن حروف تہجی سے بھی ابراہیم کی آواز کی ترجمانی ہو جاتی ہے، ان سے لکھنا کافی ہوگا، ''ی'' کا لکھنا ضروری نہ ہوگا، تاہم قرآن مجید کا رسم الخط بھی توقیفی ہے، اور جہاں جس طرح تحریر کیا گیا ہے، وہاں اس خط کی پیروی اور اس کے مطابق لکھنا ضروری ہے، بظاہر چونکہ معنی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی؛ اس لئے صحیح حکمت تو خدا ہی کو معلوم ہے، البتہ ہوسکتا ہے کہ اس بات کی تعلیم دینی مقصود ہو کہ اس لفظ کی کتابت ہر دو طریقہ سے کی جاسکتی ہے۔

''إِنِّي مُتَوَفِّيكَ'' کی تفسیر

سوال:- {162} مسلمان کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح

(۱) سنن أبي داؤد، عن أبي سعيد الخدري ﷺ، حدیث نمبر: ۴۲۸۵۔ محشی۔

زندہ آسمان پر اٹھالئے گئے ہیں، اوران پر ابھی موت طاری نہیں ہوئی ہے، حالانکہ قرآن مجید ناطق ہے : ﴿ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ (ال عمران) احمدی حضرات کہتے ہیں کہ یہاں ''توفی'' سے مراد موت ہے، اور ''رفع'' سے روحانی بلندی اور فضیلتِ درجات مراد ہے، اور قرآن میں ہر جگہ یہ الفاظ انہیں معنوں میں استعمال ہوئے ہیں، اور ''توفی'' کے معنی مرزا غلام احمد صاحب کی تشریح کے مطابق بالکل وہی ہے، جو موت کے ہیں، اس سلسلہ میں علماء اسلام کی رائے کیا ہے؟ (عبدالمتین، گجرانوالہ، پاکستان)

جواب:- آپ کے سوال کو ہم تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں: اول: یہ کہ ان آیات کی صحیح تفسیر کیا ہے؟ دوسرے یہ کہ ''تـوفـي'' کے معنی وہی ہیں جو موت کے ہیں؟ اور تیسرے کیا ''رفع'' کا لفظ جسمانی رفع کے لئے آتا ہے، یا صرف رفعِ درجات کے لئے؟

(الف) اس آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو اس بات کا اطمینان دلایا کہ یہود جو آپ علیہ السلام کے قتل کے در پے ہیں وہ اپنی سازش میں کامیاب نہیں ہوں گے، اور آپ کی عمر (جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے) پوری کی جائے گی، اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس وقت جسم وروح کے ساتھ دنیا سے اٹھالیگا، ﴿وَرَافِعُكَ اِلَيَّ ﴾ (۱) نیز کافر آپ کو کسی قسم کی گزند پہونچانے میں کامیاب نہ ہوسکیں گے ﴿وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ (۲) یہ تفسیر نہ صرف یہ کہ لغت کے مطابق ہے، بلکہ ان متواتر احادیث کے

(۱) ال عمران: ۵۵۔
(۲) حوالہ سابق

مطابق بھی ہے جن سے حضرت مسیح علیہ السلام کا آسمان کی طرف صعود اور پھر قرب قیامت میں آپ علیہ السلام کا نزول معلوم ہوتا ہے، اور جو دراصل قرآن کے فہم اور اس کی تفسیر کے لئے اساس کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اگر اس آیت کا مفہوم محض اس قدر ہے کہ آپ علیہ السلام پر طبعی موت طاری ہوگی، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ آپ علیہ السلام کو بلند درجات عطا فرمائیں گے اور یہودیوں کے افتراء سے آپ علیہ السلام کو مطہر و پاک کرلے گا ——— تو یہ ایک بے معنی بات ہوگی، اس لئے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے اور وہ خود اس حقیقت سے واقف تھے کہ یہ سب کچھ یہودیوں کا افتراء ہے، اور دعوت حق میں ان کی ثابت قدمی ان کے لئے آخرت میں سرخ روئی کا باعث ہوگی، اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کے ارشادات سے حضرت مسیح علیہ السلام کی تسلی اور طمانیت کا کیا سامان ہوسکتا ہے؟

قرآن مجید نے ایک دوسرے موقع پر کہا ہے:

﴿ وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾(۱)

"لوگوں نے آں حضرت (عیسیٰ) علیہ السلام کو قتل نہیں کیا،

بلکہ بالیقین اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی طرف اٹھالیا"

اگر اس آیت کا مفہوم یہ ہوتا کہ لوگوں نے ان کو قتل نہیں کیا تھا، بلکہ محض زخمی کردیا تھا، اور پھر علاج کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام تندرست ہوگئے، اور چند دن چھپ چھپ کر وہاں رہے، پھر وہاں سے ہجرت کرگئے اور سرینگر میں آکر ان کی وفات ہوئی، تو قرآن کو کہنا چاہئے تھا "و ما قتلوه بل جرحوه و امره الله بالهجرة" اس لیے کہ "بل" کا لفظ عربی زبان میں "ما سبق" کی نفی کرکے بعد والی ایسی بات کو ثابت کرنے کے لیے آتا ہے، جو اس کا منافی ہو، اور اس کے خلاف ہو، اور ظاہر ہے کہ درجات کی بلندی اور قتل کیے جانے میں کوئی تضاد نہیں ہے کہ یہ کہنا صحیح

(۱) النساء: ۱۵۸-۱۵۷۔ مرتب۔

ہو کہ لوگوں نے ان کو یقیناً قتل نہیں کیا ہے، بلکہ ان کے درجات اللہ تعالیٰ نے بلند کر دیے ہیں۔

(ب) '' تـوفي '' کے اصل معنیٰ پورا کرنے اور پورا پورا دینے اور پورا پورا وصول کرنے کے ہیں، موت بھی چوں کہ عمر پوری کر دینے اور روح کو مکمل طور پر وصول کر لینے کا نام ہے، اس لیے کبھی کبھی ''موت'' کو بھی '' تـوفـي '' سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ''تـوفي ''موت کے ہم معنیٰ لفظ ہے، اور جہاں کہیں بھی یہ لفظ استعمال ہو اس کے معنیٰ موت ہی کے ہوں گے۔

اس کے لیے خود قرآن مجید کی شہادت پیش کی جا سکتی ہے، قرآن نے کہیں اس لفظ کو پورا پورا دینے کے معنی میں استعمال کیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ ﴾ (۱)

''ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

کبھی نیند کے معنی میں:

﴿ وَ هُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰاکُمْ بِاللَّیْلِ ﴾ (۲)

''وہی خدا ہے جو رات میں تم کو سلاتا ہے''

اور کبھی موت کے معنی میں:

﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَکُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰاکُمْ ﴾ (۳)

''اللہ نے تم کو پیدا کیا، پھر تم کو موت دے گا''

'' تـوفـي '' کے معنیٰ موت کے مرادف لفظ نہ ہونے کا واضح ثبوت یہ ہے کہ قرآن نے خود ''موت'' کو فعل '' توفي '' کے فاعل کی حیثیت سے ذکر کیا ہے:

---

(۱) ال عمران:۱۶۱۔
(۲) الانعام:۶۰۔
(۳) النحل:۷۰۔

﴿ فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ ﴾(۱)

''ان پر موت آنے تک ان کو گھروں میں رو کے رکھو''

﴿ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا ﴾(۲)

''اللہ تعالیٰ موت کے وقت جان کو وصول کر لیتا ہے''

اور کبھی ''موت'' کو شرط کے انداز پر اور '' توفي '' کو اس کے جواب کے طریقہ پر ذکر کیا ہے:

﴿حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا﴾(۳)

'' جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے، تو اس کو ہمارے فرشتے پورا پورا وصول کر لیتے ہیں''

یہ ساری باتیں عربی زبان کے قواعد کے لحاظ سے اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ ''توفي'' کا اصل معنی موت کے نہیں ہیں، اور ہر جگہ یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہو یہ ضروری نہیں، البتہ مجازاً اور کنایۃً اس سے کبھی کبھی موت کے معنی مراد لے لیے جاتے ہیں۔

(ج) ''رفع'' کے حقیقی معنی کسی چیز کو جسم سمیت اٹھا لینے یا بلند کرنے کے ہیں، قرآن مجید میں اکثر مواقع پر اس لفظ کے معنی یہی لیے گیے ہیں، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

﴿ اَللّٰهُ الَّذِىْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ ﴾(۴)

''خدا ہی ہے جس نے ستون کے بغیر آسمانوں کو اٹھا رکھا ہے''

---

(۱) النساء: ۱۵۔

(۲) الزمر: ۴۲۔

(۳) الانعام: ۶۱۔

(۴) الرعد: ۲۔

﴿ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ ﴾(۱)

''جب ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی دیواریں بلند کررہے تھے''

﴿ وَ رَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ ﴾(۲)

''یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا''

اور جہاں کہیں اس حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازاً روحانی رفع اور بلندی درجات کے لیے استعمال کیا گیا ہے، یا کسی غیر مادی چیز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہاں کوئی نہ کوئی ایسا لفظ لے آیا گیا ہے جس سے اس مفہوم کی وضاحت ہو جائے، مثلاً:

﴿ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ ﴾(۳)

''تم میں سے بعض کے درجات بعض سے بلند کئے''

﴿ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾ (۴)

''ہم نے آپ ﷺ کا ذکر بلند کیا''

﴿ لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ﴾(۵)

''اپنی آواز حضور ﷺ کی آواز سے اونچی نہ کرو''

یہاں ''رفع'' کے ساتھ درجات، ذکر اور صوت (آواز) کی صراحت اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ یہاں یہ لفظ اپنے حقیقی اور اصل معنی میں استعمال نہیں کیا جا رہا ہے: ﴿وَرَافِعُكَ إِلَيَّ ﴾ میں بھی چوں کہ اس کی صراحت نہیں ہے، بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو ''ک''

(۱) البقرۃ: ۱۲۷۔

(۲) یوسف: ۱۰۰۔

(۳) الانعام: ۱۶۵۔

(۴) الشرح: ۴۔

(۵) الحجرات: ۲۔

(ضمیر خطاب) کے ساتھ کہا گیا ہے کہ آپ کو ہم اپنی طرف اٹھالیں گے اور یہ" آپ" کا لفظ جسم وروح کے مجموعہ کا نام ہے، اس لیے اس سے ظاہر ہے کہ یہاں جسمانی طور پر اٹھالیے جانے کا معنیٰ مراد ہے۔

"لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی" سے مراد

سوال:- {163} قرآن مجید میں سورۂ اعلیٰ میں دوزخیوں کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ﴿ ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰ ﴾ یعنی وہ نہ اس میں جئیں گے اور نہ مریں گے، حالانکہ ظاہر ہے کہ یا تو جئیں گے یا مریں گے، ان دونوں کے علاوہ تیسری صورت نہیں ہو سکتی، اس کا تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں؟ (محمد عبدالامین اطہر، ہیلندو)

جواب:- قیامت میں جب لوگ جنت و دوزخ میں داخل کر دیے جائیں گے، تو موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا، اور اسے ذبح کر دیا جائے گا، یہ علامتی طور پر اس بات کا اظہار ہوگا کہ اب کسی پر موت نہیں آئے گی، اہلِ جنت کے لئے اس سے زیادہ خوشی کا کوئی دن نہ ہوگا، کہ یہ ان کے لئے عیش دوام کا مژدہ جانفزا ہوگا اور اہل دوزخ کے لئے اس سے زیادہ حزن وملال کا کوئی دن نہ ہوگا کہ یہ ان کے لئے نہ ختم ہونے والے رنج ومحن کا اعلان ہوگا، یہ باتیں صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں۔(۱) اور قرآن مجید نے اہل جنت اور اہل دوزخ کے

---

(۱) "قال رسول الله ﷺ : إذا صار أهل الجنة إلى الجنة ، و أهل النار إلى النار، جيئ بالموت حتى يجعل بين الجنة و النار ، ثم يذبح ، ثم ينادي مناد: يا أهل الجنة لا موت ، و يا أهل النار لا موت ، فيزداد أهل الجنة فرحا إلى فرحه ، و يزداد أهل النار حزنا إلى حزنهم " عن عبد الله بن عمر ، صحيح البخاري حدیث نمبر:۶۵۴۸، باب صفة الجنة و النار، كتاب الرقاق .

لئے خلود دوام کی بات بار بار کہی ہے، وہ بھی اس پر واضح دلیل ہے، پس حاصل یہ ہے کہ اہل دوزخ بھی ہمیشہ زندہ رہیں گے، سورۂ اعلیٰ میں جو بات فرمائی گئی ہے کہ وہ نہ اس میں زندہ رہیں گے، اور نہ مریں گے، اس میں زندہ نہ رہنے سے مراد یہ ہے کہ وہ زندگی کے لطف سے محروم رہیں گے، زندگی تو ہوگی لیکن زندگی کی راحت اور سکون سے خالی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے۔

''اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ'' کی تشریح

سوال:- {164} قرآن مجید میں سورہ مؤمن آیت نمبر ۱۱ رمیں ہے ﴿اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ﴾ ''ہمارے پروردگار تو نے ہمیں دو بار مارا، اور دو بار جلایا'' یہ دو بار مرنا اور دو بار جلانا کب کب ہوتا ہے؟

(ایم اے بشیر، پالونچہ)

جواب:- اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، قتادہؒ اور ضحاکؒ کی رائے ہے کہ پہلی موت سے مراد نطفہ وغیرہ کی کیفیت ہے، جو باپ کے صلب میں ہوتی ہے، اور مارنے سے مراد بے روح حالت میں رکھنا ہے، دوسری موت وہ ہے جو دنیا میں آتی ہے، اور پہلی زندگی سے مراد انسان کا دنیا میں زندہ پیدا ہونا ہے، اور دوسری زندگی سے مراد موت کے بعد آخرت کی بعثتِ ثانیہ'' (۱) یہی تفسیر زیادہ درست معلوم ہوتی ہے، اور اکثر مفسرین کا رجحان اسی طرف ہے۔

سورہ توبہ کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں؟

سوال:- {165} سورہ توبہ کے شروع میں ''بسم الله

(۱) تفسیر قرطبی: ۱۵/۹۷۔

الرحمن الرحیم "نہیں رہنے کی وجہ کیا ہے؟ یہ سورہ کب نازل ہوئی، ہم لوگوں نے سنا ہے کہ طوفان نوح کے وقت سورہ توبہ نازل ہوئی؟ (فوزیہ جبین، جگتیال)

جواب:- حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جب کوئی آیت نازل ہوتی، تو آپ ﷺ کاتبین وحی میں سے کسی کو بلاتے اور فرماتے کہ اسے فلاں سورہ میں شامل کردو، جب سورہ مکمل ہوتی تو "بسم الله الرحمن الرحيم" لکھاتے، سورہ انفال آپ ﷺ پر مدینہ میں نازل ہونے والی ابتدائی سورتوں میں سے ہے، اور سورہ توبہ کے نزول کا سلسلہ آپ ﷺ کی وفات تک رہا ہے، صورت حال یہ ہے کہ سورۂ انفال کی آخری اور سورۂ توبہ کی ابتدائی آیات کے مضامین میں مناسبت پائی جاتی ہے، آپ ﷺ کی وفات ہوگئی اور آپ ﷺ نے یہ بات متعین نہیں فرمائی کہ سورۂ توبہ کا موقع ومحل کیا ہوگا، اور ترتیب کے لحاظ سے اسے کہاں جگہ دی جائے؟ اس لئے دونوں سورتوں میں مناسبت کی وجہ سے سورۂ توبہ کو سورۂ انفال کے بعد رکھا گیا، اور چونکہ یہ بات واضح نہیں تھی کہ سورۂ توبہ الگ سورہ ہے یا سورۂ انفال ہی کا جزء ہے، اس لئے ان دونوں کے درمیان "بسم اللّٰه الرحمن الرحيم" لکھنے سے اجتناب کیا گیا۔ (۱)

مفسرین کے بیان کے مطابق سورۂ توبہ غزوہ تبوک کے موقع سے نازل ہوئی، (۲) طوفان نوح علیہ السلام کے موقع سے اس سورہ کے نازل ہونے کا کوئی معنی نہیں، کیونکہ یہ واقعہ تو رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت سے صدیوں پہلے کا ہے۔

آسمانی کتابوں میں ترتیب

سوال:- (166) آسمانی چار کتابوں میں پہلی، دوسری،

---

(۱) تفسیر قرطبی: ۶۲/۸، فتح الباری، کتاب التفسیر: ۱۶۴/۸۔
(۲) تفسیر قرطبی: ۶۱/۸۔

تیسری اور چوتھی کی ترتیب کیا ہے؟

(شیخ محمد لائق علی، ظہیر آباد)

جواب:- جن چار کتابوں کا قرآن کریم میں صراحتاً ذکر آیا ہے یعنی توراۃ، زبور، انجیل اور قرآن مجید، ان کے نازل ہونے کی ترتیب بھی یہی ہے، پہلے توراۃ حضرت موسیٰ ؑ پر، پھر زبور حضرت داؤد ؑ پر، اس کے بعد انجیل حضرت مسیح ؑ پر اور آخر میں قرآن مجید حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔

سورۂ یٰسین قرآن کا دل اور سورۂ رحمان قرآن کا عروس

سوال:- {167} سورۂ یٰسن قرآن کا دل ہے، کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ اسی طرح وہ حدیث جس میں ذکر ہے کہ کہ رحمان قرآن کا عروس ہے، کہاں آئی ہے؟ (س، ج)

جواب:- حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کا دل ہے، اور قرآن کا دل "یٰسن" ہے، امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے،" هذا حديث حسن غريب "(۱) اور حسن کے درجہ کی حدیثیں معتبر شمار کی جاتی ہیں، بالخصوص فضائل میں، سورۂ رحمان کے عروس قرآن ہونے کی حدیث کو مشہور مفسر امام قرطبیؒ نے اپنی "تفسیر الجامع لأحكام القرآن" میں حضرت علی ؓ کے واسطہ سے روایت کیا ہے۔(۲)

برادران وطن کو قرآن مجید مع ترجمہ دینا

سوال:- {168} برادران وطن کو قرآن مجید مع ترجمہ

(۱) الجامع للترمذی:۲/۱۱۶۔

(۲) دیکھئے: الجامع لأحکام القرآن:۱۷/۱۵۱۔

دیا جاسکتا ہے؟ (ابوالفہد، نظام آباد)

جواب:- امام صاحبؒ سے منقول ہے کہ نصرانیوں کو قرآن اور فقہ کی تعلیم دینے میں کچھ حرج نہیں کہ شاید یہی اس کے لئے وسیلۂ ہدایت بن جائے: "أعلم النصراني الفقه والقرآن لعله يهتدي" (۱) خاص کر موجودہ حالات میں اس بات کی ضرورت ہے کہ جن غیر مسلموں سے اس بات کا اندیشہ نہ ہو کہ وہ لے کر اس کی اہانت کریں گے، تو ان کو قرآن اور اس کا ترجمہ دیا جائے، تاکہ اسلام اور قرآن کے بارے میں غلط فہمیاں دور ہوں۔

وزیر اعظم کو قرآن مجید پیش کرنا

سوال:- {169} بعض اخبارات میں یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ ایک مولوی قسم کی شخصیت نے قرآن مجید وزیر اعظم کو پیش کیا، جبکہ قرآن مجید کو باوضو چھونے کا حکم ہے، کیا یہ بے حرمتی نہیں ہے؟ (عبدالمجید، تالاب کٹہ)

جواب:- دعوتِ اسلام کے نقطۂ نظر سے غیر مسلموں کو قرآن شریف یا اس کا ترجمہ دینا جائز ہے، قرآن مجید چھونے کے لئے وضو کرنے کا حکم مسلمانوں کے لئے ہے، جو لوگ دائرۂ ایمان میں داخل ہی نہیں ہوئے، وہ اس حکم کے مخاطب نہیں ہیں، کیوں کہ غیر مسلم حضرات جب تک ایمان نہ لائیں، شریعت کے فروعی احکام ان سے متعلق نہیں ہوتے، رسول اللہ ﷺ نے بادشاہوں کو جو خطوط لکھے، ان خطوط میں بھی قرآن مجید کی آیات تھیں، حالانکہ وہ غیر مسلم تھے؛ البتہ اگر کسی غیر مسلم سے قرآن کی توہین کا اندیشہ ہو تو اسے قرآن نہ دینا چاہئے۔

قرآن مجید میں نور سے مراد

سوال:- {170} اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قَدْ جَائَكُمْ

(۱) الفتاوى الهندية: ۳۲۳/۵، كتاب الكراهية۔

مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ ﴾ اس آیتِ پاک میں ''نور''
سے مراد حضور ﷺ ہیں یا قرآن مجید؟

(محمد عثمان، یاقوت پورہ)

جواب:- نور کے معنی ''ضیاء'' یعنی روشنی کے ہیں، یہاں یہ لفظ بطورِ تشبیہ وکنایہ کے استعمال ہوا ہے، اس کی مراد کے سلسلے میں امام رازیؒ نے تین اقوال ذکر کے ہیں: اول یہ کہ اس سے رسول اللہ ﷺ مراد ہیں، یہ قول مشہور مفسر زجاج کا ہے، چوں کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نور نبوت سے سرفراز فرمایا ہے، اس لئے آپ ﷺ کو نور سے تعبیر کیا گیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے اسلام مراد ہے، کیوں کہ اسلام ہی سے ہدایت کی روشنی حاصل ہوسکتی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے قرآن مجید ہی مراد ہے اور آگے قرآن مجید کا لفظ اسی نور کی تشریح وتفسیر کے لے آیا ہے، لیکن چوں کہ آگے کتاب مبین کا لفظ مستقل طور پر مذکور ہے، اس لیے امام رازیؒ نے اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (۱) غرض کہ دونوں معنوں کی گنجائش ہے، اس سے حضور ﷺ مراد ہوں یا دینِ اسلام، ہر صورت میں یہ لفظ بطورِ تشبیہ وکنایہ استعمال ہوا ہے۔

درود لکھی پڑھنے کا حکم

سوال:- {171} اکثر سورتوں کے مجموعہ کے اخیر میں ''درود لکھی'' لکھا ہوتا ہے، ان درودوں کے پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

(سید نوید اختر، مغلپورہ)

جواب:- راقم الحروف نے تاج الوظائف میں اس درود کو دیکھا، اس درود میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی جو خلاف شرع ہو، اس لئے اس درود کے پڑھنے میں کچھ حرج نہیں، البتہ اہل علم نے لکھا ہے کہ سب سے افضل درود ''درودِ ابراہیمی'' ہے، جس کا رسول اللہ ﷺ نے ہماری

(۱) دیکھئے: التفسیر الکبیر أو مفاتیح الغیب: ۱۰/۶۳۲، قرطبی: ۶/۱۱۸۔

نمازوں کے لئے انتخاب فرمایا ہے، اور خود بھی پڑھا ہے، (۱) اس لئے زیادہ سے زیادہ اسی درود کے پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

اخبارات میں قرآنی آیات

سوال:- {172} آج کل اخباروں میں قرآنی آیات و احادیث لکھی جاتی ہیں، پڑھنے کے بعد اکثر یہ اخبارات ردّی کی دکانوں میں چلے جاتے ہیں، وہ جیسے چاہیں ان کا استعمال کرتے ہیں، تو کیا اخبارات میں آیات واحادیث کا لکھنا مناسب ہے؟ کیا ان کو بے وضو چھویا جاسکتا ہے؟ اور ان اخبارات سے کیا معاملہ کرنا چاہئے؟ (محی الدین، سوارام کالونی)

جواب:- (الف) اخبارات خبریں اور مفید معلومات پہنچانے کا ایک مؤثر ذریعہ ہیں، کتابیں ہزار ڈیڑھ ہزار چھپتی ہیں، اور پانچ دس سال میں فروخت ہوتی ہیں، اخبارات ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوتے ہیں، اور ایک ہی دن میں بہت بڑے علاقہ تک پہنچ جاتے ہیں، اس لئے یہ خیر کی باتوں کو پہنچانے کا بہت قوی اور مؤثر ذریعہ ہے، جن کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اس لئے اخبار میں آیات واحادیث اور ان کے تراجم کا طبع کیا جانا مناسب بلکہ بہتر ہے، رسول اللہ ﷺ نے خود بھی غیر مسلم فرماں رواؤں کو خطوط لکھے ہیں، جن میں قرآنی آیات اور اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک بھی موجود تھا، (۱) کیونکہ مقصود دعوتِ دین ہے، یہی مقصد اخبارات میں اچھے مضامین

(۱) " سئلنا رسول الله ﷺ فقلنا: یارسول الله ﷺ ! کیف الصلاة علیکم أهل البیت، فإن الله قد علمنا کیف نسلم علیکم ؟ قال : قولوا اللّٰهم صلِّ علی محمد و علیٰ آل محمد کما صلیت علی إبراهیم و علی آل إبراهیم انك حمید مجید، اللّٰهم بارك علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی إبراهیم و علی آل إبراهیم إنك حمید مجید " (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۳۳۷۰، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۴۰۶۰)

(۲) زاد المعاد : ۳/۶۸۸ ۔ محشی۔

کی اشاعت کا ہے، اس لئے اس سے منع کرنا کسی طور مناسب نہیں۔

(ب) آیات کے ترجمے اور احادیث کو بے وضوء چھونا جائز ہے، البتہ اگر قرآن کے الفاظ ہوں، تو اخبار کے اس ورق کو تو چھو سکتے ہیں، لیکن وضو کے بغیر خاص ان الفاظ پر ہاتھ لگانے کی ممانعت ہے۔(۱)

(ج) اخبارات کے مذہبی شمارے تو محفوظ کر دینے چاہئیں، تا کہ وقتاً فوقتاً آپ اس سے فائدہ اٹھا سکیں، جو صفحات خالصتاً مذہبی نہ ہوں اور ان میں آیات واحادیث کے ترجمے ہوں، تو ایسا کیا جاسکتا ہے کہ اس کے تراشے کاٹ کر الگ رکھ لئے جائیں، اگر جابجا آیتوں کے ٹکڑے اور احادیث لکھی ہوئی ہوں تو پورا اخبار ہی محفوظ کرلیں، اور دکانوں کو فروخت کرنے کی بجائے ان کاغذات کو دفن کر دیا جائے، قرآنی آیات کے لکھے ہوئے ایسے ٹکڑے جن کا احترام برقرار رکھنا دشوار ہو، فقہاء نے ان کے لئے یہی حکم دیا ہے کہ ان کو ایسی جگہ دفن کر دیا جائے، جہاں گندگی نہ ڈالی جاتی ہو اور جو عام لوگوں کی گزرگاہ نہ ہو،(۲) اس طرح قرآن مجید کا ادب و احترام بھی باقی رہے گا، اور دعوتی اور تذکیری مقاصد بھی پورے ہوسکیں گے۔

پشت کے پیچھے قرآن مجید رکھنا

سوال:- (173) اکثر دیکھا گیا ہے کہ مدارس میں بچوں

---

(۱) " قوله : و مسه أي القرآن و لو في لوح أو درهم أو حائط لكن لا يمنع إلا من مس المكتوب بخلاف المصحف فلا يجوز من الجلد و موضع البياض منه " (رد المحتار:۱/۴۸۸، نیز دیکھئے:البحر الرائق :۱/۳۴۹)محشی۔

(۲) " المصحف إذا صار خلقا لا يقرأمنه ، ويخاف أن يضيع ، يجعل في خرقة طاهرة ويدفن ... موضعا يخاف أن يقع عليه النجاسة أو نحو ذلك " (الفتاوى الهندية : ۵/۳۲۳، الباب الخامس في آداب المسجد و القبلة والمصحف ، كتاب الكراهية) محشی۔

کو ایک کے پیچھے ایک کو بیٹھا کر قرآن کی تعلیم دیتے ہیں، ایسی صورت میں قرآن کی طرف بعض بچوں کی پیٹھ ہو جاتی ہے، تو کیا قرآن کی طرف پیٹھ کرنا منع ہے؟ اور اگر منع ہو تو جب بچے کثیر تعداد میں ہوں، اور جگہ تنگ ہو تو اس طرح قرآن رکھنے کی اجازت دی جا سکتی ہے؟ (فوزیہ جبین، جگتیال)

جواب:- قرآن یا حدیث میں تو اس طرح پشت کرنے کی ممانعت وارد نہیں ہوئی ہے، اور غالباً فقہاء نے بھی اس کی صراحت نہیں کی ہے، لیکن اتنی بات تو ظاہر ہے کہ قرآن مجید کا احترام واجب اور اس کی بے احترامی گناہ ہے، احترام اور بے احترامی کا تعلق دو باتوں سے ہوتا ہے، ایک تو دل کے ارادہ سے، دوسرے عرف و رواج سے، عرف و رواج کا مطلب یہ ہے کہ جس بات کو سماج میں بے احترامی سمجھا جاتا ہو وہ بے احترامی متصور ہوگی، اور جس فعل کو عرف میں احترام کے خلاف نہ سمجھا جاتا ہو وہ جائز ہوگا، —— یہ ایک حقیقت ہے کہ مشرقی علاقوں میں کسی چیز کو پشت کے پیچھے رکھنا احترام کے مغائر سمجھا جاتا اور سوء ادب تصور کیا جاتا ہے، اسی لئے اگر کوئی بڑا آدمی بیٹھا ہو، تو چھوٹا اس کے سامنے اپنی پیٹھ کر کے نہیں بیٹھتا، اس لحاظ سے کوشش یہی کرنی چاہئے کہ قرآن مجید کی طرف پیٹھ کر کے نہ بیٹھا جائے، لیکن اگر جگہ کی تنگی ہو تو اس طرح بیٹھانے کی گنجائش ہے، کیونکہ تعلیمِ قرآن خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا دل قرآن کی عظمت سے معمور ہے، اور اس کا یہ فعل بے احترامی یا کم احترامی کی وجہ سے نہیں ہے۔

سوال:- اکثر دیکھا گیا ہے کہ مدارس میں بچوں کو ایک کے پیچھے ایک کو بیٹھا کر قرآن کی تعلیم دیتے ہیں، اس طرح بٹھانے سے قرآن کو پیٹھ لگتی ہے، تو کیا بچے زیادہ ہونے کی صورت میں اس طرح تعلیم دی جا سکتی ہے؟

(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- قرآن مجید کا احترام کرنا واجب ہے، جانتے بوجھتے بے احترامی سخت گناہ ہے، بلکہ کفر کا اندیشہ ہے، البتہ احترام و بے احترامی کا تعلق دو باتوں سے ہے، ایک تو عرف و رواج سے کہ جس چیز کو سماج میں بے احترامی سمجھا جاتا ہو وہ بے احترامی سمجھی جائے گی، دوسرے خود اس شخص کے قصد و ارادہ سے، اگر کوئی بات صریحاً بے احترامی کی نہ ہو، اور اس کا ارادہ بھی اہانت اور بے احترامی کا نہ ہو، تو اسے اہانت تصور نہیں کیا جائے گا، چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ ''قرآن مجید کو سر کے نیچے رکھنا درست نہیں، لیکن اگر سفر میں حفاظت اور نگہداشت کی نیت سے رکھے تو گنجائش ہے'' چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"وضع المصحف تحت رأسه في السفر للحفظ لا بأس به" (۱)

چونکہ یہاں جگہ کی تنگی کی وجہ سے قرآن مجید کو پیچھے رکھ کر پڑھنا پڑ رہا ہے، اور بے احترامی اور ناقدری مقصود نہیں، اس لئے یہ صورت جائز ہے، تاہم حتی المقدور کوشش یہی کرنی چاہئے کہ قرآن مجید کو پیچھے رکھنے سے بچا جائے کہ اس سے بچوں کی تربیت میں بھی مدد ملے گی۔

قرآن کی طرف پاؤں کرنا

سوال:- {174} ہمارے مکان کے کمرہ میں لوگ قبلہ رخ سر کر کے سویا کرتے ہیں، اس طرح مشرق کی طرف ہمارا پاؤں ہوتا ہے، اسی جانب اونچے مقام پر ایک محراب ہے، جس میں قرآن مجید اور دوسری مذہبی کتابیں رہتی ہیں، کیا اس طرح سونا مناسب ہے؟ (انجم رشید، نامپلی)

جواب:- قرآن و حدیث کا خصوصاً اور دوسری دینی کتابوں کا عموماً احترام ملحوظ رکھنا

---

(۱) الفتاوی الهندية :۳۲۲/۵۔

ضروری ہے، اوران کتابوں کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کرنا جس کو عرف میں اہانت آمیز رویہ تصور کیا جاتا ہو، جائز نہیں، تاہم اگر کتاب پاؤں کے مقابلہ میں نہ پڑتی ہو، بلکہ اوپر کی جانب ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں، فقہاء نے بھی صراحتا اس کی اجازت دی ہے، فقہ حنفی کی مشہور کتاب "عالمگیری" میں ہے:

"مَدُّ الرجلين الى جانب المصحف ان لم يكن بحذائه لا يكره وكذا إذا كان المصحف معلقا في الوقد وهو قد مدّ الرِجل الى ذلك الجانب لايكره"(۱)

لاعلمی میں کرسف پر قرآن مجید رکھ دینا

سوال:- (175) میرے مکان میں دروازہ کے اوپر کمان بنا ہوا ہے، وہاں پر نہ جانے کس نے حیض کا کپڑا رکھدیا تھا، مجھے نہیں معلوم تھا، میں نے قرآن مجید وہیں پر رکھدیا اور نہ جانے کتنے دن ہوئے تھے، جب میں مکان کی صفائی کر رہی تھی، اس وقت وہ کپڑا قرآن کے بازو سے نیچے گرا اب تک میں پریشان ہوں اور ڈر رہی ہوں، آپ لوگ مہربانی فرما کر اس کا جو بھی حل ہے، لکھ دیں تو مہربانی ہوگی۔ (زاہد النساء)

جواب:- قرآن مجید خدا کی کتاب ہے، اس کا احترام اور پاک جگہ رکھنا ضروری ہے، البتہ اگر آدمی کے قصد وارادہ کے بغیر اتفاقاً کبھی ایسی بات پیش آگئی کہ ناپاک جگہ پر قرآن رکھ دیا تو انشاء اللہ اس پر عند اللہ مؤاخذہ نہ ہوگا، آپ کو اس عمل سے جو ندامت اور شرمساری ہوئی، وہی کافی ہے۔

(۱) الفتاوى الهندية :۳۲۲/۵۔

آیۃ الکرسی کی بنی ہوئی لاکٹ

سوال:- (176) میرے گلے میں ایک لاکٹ ہے، جس پر آیۃ الکرسی لکھی ہوئی ہے، کیا اس کو پہن کر بیت الخلاء جاسکتے ہیں؟ یا اس کو اتارنا ضروری ہوگا؟ (معراج فاطمہ، مرادنگر)

جواب:- ایسی لاکٹ کا پہننا بجائے خود مناسب نہیں، کیونکہ اس سے قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ کے مبارک نام کی بے احترامی کا اندیشہ ہے، سوتی ہوئی حالت میں یہ لاکٹ جسم کے نیچے دب سکتی ہے، ناپاک بستر سے لگ سکتی ہے، بہنی ہوئی حالت میں غسل کی ضرورت پیش آسکتی ہے، اس لئے ایسی چیزیں پہننے سے اجتناب کرنا چاہئے، جہاں تک اس کو پہن کر بیت الخلاء جانے کی بات ہے تو یہ مکروہ ہے۔

"علی هذا اذا کان علیه خاتم وعلیه شئ من القرآن مکتوب أو کتب علیه اسم الله فدخل المخرج معه یکره"(۱)

''اس اصول کے مطابق جب کوئی شخص انگوٹھی پہنے ہوا ہو اور اس پر قرآن یا اللہ کا نام لکھا ہوا ہو، پھر وہ اس کے ساتھ بیت الخلاء میں داخل ہو جائے تو یہ مکروہ ہے''

پس یہی حکم جو فقہاء نے انگوٹھی کا لکھا ہے، لاکٹ کا بھی ہوگا۔

آیات واحادیث میں نسخ

سوال:- (177) ہمارے ایک دوست کہتے ہیں کہ

---

(۱) الفتاوی الهندية :۵/۳۲۳، الباب الخامس في آداب المسجد و القبلة والمصحف ، کتاب الکراهية۔ محشی۔

بہت سی آیتیں تو باقی ہیں، لیکن ان کا حکم منسوخ ہو چکا ہے،
اور بعض آیتوں کا حکم باقی ہے، لیکن وہ خود منسوخ ہو چکی ہیں،
کیا یہ بات درست ہے؟　　(خان مقصود خان، پھولانگ)

جواب:- یہ درست ہے کہ قرآن وحدیث میں بعض باتیں منسوخ ہوئی ہیں، کیونکہ جیسے ایک مریض کے لئے یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ اس کے حالات کے لحاظ سے دوا کے نسخہ میں تبدیلی لائی جائے، اسی طرح احکام میں بھی انسانی سماج کی صلاحیت اور لیاقت کی وجہ سے تغیر کی ضرورت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی رعایت فرماتے ہوئے احکام میں تبدیلیاں فرمائی ہیں، جو ہمارے علم کے اعتبار سے تبدیلی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو پہلے سے یہ بات موجود تھی فلاں حکم کے بعد یہ حکم دیا جائے گا۔

جیسا کہ آپ نے دریافت کیا ہے نسخ کی تین صورتیں ہیں:

(الف) الفاظ بھی منسوخ ہو گئے ہوں، اور ان سے ثابت ہونے والا حکم بھی باقی نہ رہا ہو،

(ب) الفاظ باقی ہوں، لیکن حکم باقی نہیں رہا،

(ج) الفاظ باقی نہ ہوں لیکن حکم باقی ہو،

جمہور کے نزدیک نسخ کی تینوں صورتیں واقع ہوئی ہیں۔(۱)

نزول قرآن مجید کی مدت

سوال:- {178} قرآن مجید کے نزول کی تکمیل کتنے
سال میں ہوئی؟　　(محمد غوث الدین، سلاخ پوری کریم نگر)

جواب:- سب سے پہلی آیت جو آپ ﷺ پر نازل ہوئی وہ سورۂ علق کی ابتدائی

(۱) " النسخ الواقع في القرآن يتنوع إلى أنواع ثلاث ، نسخ التلاوة و الحكم معاء و نسخ الحكم دون التلاوة ، و نسخ التلاوة دون الحكم " (مناهل العرفان في علوم القرآن:۲/۱۶۷)

آیتیں ہیں، بخاری شریف کی روایت میں اس کی صراحت موجود ہے۔(۱) اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال چھ ماہ کی تھی، کیونکہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ربیع الاول میں ہوئی اور پہلی وحی رمضان المبارک میں نازل ہوئی، آخری آیت کے سلسلہ میں دو قول ہیں، لیکن قول صحیح اہل تحقیق کے نزدیک یہ ہے کہ سب سے آخر میں سورۂ بقرہ کی آیت نمبر:۲۸۱ ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ﴾ الآیۃ، نازل ہوئی، یہی رائے راس المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ کی ہے، یہ آیت آپ ﷺ کی وفات سے صرف نو دنوں پہلے ۳؍ ربیع الاول کو نازل ہوئی۔(۲) اس طرح گویا قرآن مجید ساڑھے بائیس سال میں نازل ہوا، نزول وحی کے چھ ماہ پہلے سے آپ ﷺ پر یہ کیفیت تھی کہ آپ ﷺ بکثرت خواب دیکھتے اور وہ خواب ظہور میں آتا، اس چھ ماہ کا بھی آپ ﷺ کے زمانۂ نبوت ہی میں شمار کیا گیا ہے، کیونکہ نبی کا خواب بھی وحی کے درجہ میں ہوتا ہے، اس کو لے کر ۲۳؍ سال کی مدت شمار کی جاتی ہے۔

قرآن مجید کے بارے میں کچھ معلومات

سوال:- (179) قرآن شریف کی سورتوں، آیتوں، سجدوں، کلمات اور حروف کی تعداد کے بارے میں بتائیں؟

(ناہد اختر، گلبرگہ)

---

(۱) " حتى جاءه الحق و هو في غار حراء ، فجاءه الملك فقال : اقرأ ، قال ما أنا بقارئ ، فأخذني فغطني الثانية حتى بلغ مني الجهد ، ثم أرسلني ، فقال : اقرأ ، قال : ما أنا بقارئ ، فأخذني فغطني الثالثة ، ثم أرسلني ، فقال : اقرأ باسم ربك الذى خلق خلق الإنسان من علق ، اقرأ و ربك الأكرم " عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها ، (صحيح البخاري، حدیث نمبر: ۳، باب كيف بدأ الوحي إلى رسول الله ﷺ ، كتاب الوحي) محشی۔

(۲) دیکھئے: التبيان في علوم القرآن للصابوني :۲۰۔

جواب:- قرآن شریف کی سورتیں ۱۱۴ر ہیں، آیتوں کی تعداد میں مکہ، مدینہ، اور کوفہ و بصرہ کے قراء کے درمیان کسی قدر اختلاف ہے، یہ اختلاف نعوذ باللہ اس لئے نہیں کہ قرآن کے بعض حصوں کے بارے میں قرآن ہونے اور نہ ہونے کا اختلاف ہو، بلکہ بعض قراء کے نزدیک ایک مقام پر وقف ہے، اور دوسروں کے نزدیک نہیں، تو جس کے نزدیک وقف ہے، اس کے نزدیک ظاہر ہے کہ آیت بڑھ جائے گی، مشہور مفسر علامہ قرطبیؒ نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے، بہر حال اہل مکہ کے نزدیک آیات قرآنی کی تعداد ۶۲۱۹ ہے، (۱) قرآن میں ۵۵۸ رکوع ہیں، سجدے کل پندرہ ہیں، البتہ فقہاء کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ کیا ان تمام آیات پر سجدہ واجب ہے یا بعض پر واجب نہیں؟ قرآن کے کلمات عطاء بن یسار کے شمار کے مطابق ۷۷۴۳۹ ر ہیں، اور حروف تین لاکھ تیئس ہزار پندرہ، (۲) البتہ اس شمار میں بھول چوک کا امکان موجود ہے، لیکن قرآن کے ایک لفظ کے بارے میں بھی ایسا اختلاف نہیں کہ کچھ مسلمان ان کو تسلیم کرتے ہوں، اور کچھ ان کا انکار کرتے ہوں، چونکہ قرآن کا محفوظ اور شک و شبہ سے بالاتر ہونا خود قرآن مجید ہی سے ثابت ہے، اس لئے اس کا انکار باعث کفر ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔

''وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوَاتِ ...'' کی تفسیر

سوال:- (180) اللہ پاک قرآن مجید کی سورہ الشوری کے ۲۹ ویں آیت میں فرمایا ہے کہ کہ یہ زمین و آسمان کی پیدائش اور یہ جاندار مخلوقات جو اس نے دونوں جگہ پھیلا رکھی ہے دونوں جگہ سے کیا مراد ہے؟ (سرفراز احمد فاروقی، بکرم گنج)

---

(۱) التفسیر القرطبی: ۱/۹۵۔

(۲) حوالہ سابق

جواب:- آپ نے جس آیت کے بارے میں سوال کیا وہ یوں ہے:

﴿ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوَاتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَابَّةٍ وَّ هُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَاءُ قَدِيْرٌ ﴾ (۱)

اس میں دونوں جگہ سے زمین وآسمان مراد ہے، جس کا پہلے صراحۃً ذکر آیا ہے، آسمان میں فرشتے ہیں اور دنیا میں انسان اور دوسرے حیوانات نیز جن ہیں، مشہور مفسر امام مجاہد نے یہی تفسیر کی ہے، ''يدخل فی هذا الملائكة والناس'' (۲)

''لَا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ...'' سے مراد

سوال:- {181} اگست کے ماہنامہ افکار کے ''شرعی مسائل'' صفحہ ۶۸ پر بسم اللہ کی جگہ ''۷۸۶'' کے ذیل میں جو ارشاد ہوا ہے، اس پر غور کرنے سے یہ سوال اٹھتے ہیں کہ کیا ''لَا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ'' کا کچھ بھی تعلق بسم اللہ، اسم ذات یا اسمائے حسنیٰ یا اسم مقدس رسالت مآب ﷺ سے نہیں ہے؟

(علی اکبر، نیو ملک پیٹ)

جواب:- ''لَا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ'' کا تعلق اصل میں ''لوح محفوظ'' سے ہے اور ''اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ'' سے ملائکہ مراد ہیں، اللہ تعالیٰ کا ذکر ایسی چیز ہے جو ہر وقت مطلوب ہے، خود پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ ﷺ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر فرماتے ''يذكر الله على كل احيانه'' (۳) اگر اللہ و رسول کے اسماء گرامی کے بولنے اور لکھنے کے لئے بھی پاکی کو

(۱) الشوریٰ :۲۹۔
(۲) التفسیر القرطبی :۱۶/۲۹۔
(۳) مشکوۃ المصابیح ،حدیث نمبر:۴۵۶، بحواله صحیح مسلم ۔

ضروری قرار دیا جاتا تو اس سے بڑی دقت پیدا ہو جاتی اور ذکر اللہ پر جو دوام و استمرار مطلوب ہے وہ حاصل نہ ہو پاتا، اس لئے ان اسماء گرامی کے بولنے اور لکھنے کے لئے پاکی ضروری نہیں۔

تلاوت سے پہلے قرآن مجید کو سینہ سے لگانا

سوال:- (182) بعض لوگ قرآن کی تلاوت شروع کرنے سے پہلے قرآن کو سینہ سے لگا کر درود شریف پڑھتے ہیں، کیا ایسا کرنا سنت سے ثابت ہے؟ اور اگر نہیں ہے تو کیا ازراہ احترام ایسا کیا جا سکتا ہے؟　　(محمد احمد، وقار آباد)

جواب:- قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے مصحف قرآنی کو سینہ سے لگانا اور اس وقت درود شریف پڑھنا رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں، یوں ازراہ احترام ومحبت قرآن مجید کو سینہ سے لگانا درست ہے، اور درود شریف پڑھنا بھی جائز ہے، لیکن خاص اس موقع سے ایسا عمل کی پابندی نہیں کرنی چاہئے، کبھی اتفاقاً کرلیں تو کچھ حرج نہیں، کیوں کہ جس چیز کا اہتمام حضور ﷺ کے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں ثابت نہ ہو، اس کو اہتمام کے ساتھ ایک دینی عمل کی حیثیت سے انجام دینا درست نہیں، رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔(۱)

متنِ قرآن کے بغیر ترجمہ

سوال:- (183) قرآن مجید کے متن کے بغیر اس کا ترجمہ اردو یا انگریزی میں شائع کرنا کیسا ہے؟

(عارف حسین، سلطان شاہی)

جواب:- پچھلی آسمانی کتابوں میں تحریف کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ انہوں نے کتاب

---

(۱) سنن ابن ماجة: ص۳، باب تعظیم حدیث رسول اللہ ﷺ و التغلیظ، نیز دیکھئے: الجامع للترمذي: ۹۶/۲، باب الأخذ بالسنة و اجتناب البدعة ۔ محشی۔

کے متن کو نظر انداز کر دیا اور اس کے ترجمہ وتشریح کو مرکز توجہ بنالیا، اسی لئے فقہاء نے متن قرآن کے بغیر معری ترجمہ لکھنے کو منع کیا ہے،(۱) قرآن مجید کی آیات لکھتے ہوئے ان کے ساتھ ترجمہ لکھنا چاہئے، یہ حکم اردو ترجمہ کے لئے بھی ہے، اور انگریزی ترجمہ کے لئے بھی، اور دوسری زبان کے تراجم کے لئے بھی، بغیر متن کے صرف ترجمہ لکھنا درست نہیں۔

قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کا حکم

سوال:- (184) اگر قرآن کے ورق بوسیدہ ہوں یا کسی وجہ سے پھٹ جائیں، تو کیا کرنا چاہئے؟ کیا اسے جلا دیا جائے یا اسے پانی میں بہادیا جائے؟

(ڈاکٹر سید غوث، جگتیال)

جواب:- اگر قرآن بوسیدہ ہو جائے اور اس سے استفادہ دشوار ہو یا اس کے کچھ اوراق بوسیدہ ہو جائیں، تو اسے ایک پاک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دینا چاہئے:

" المصحف إذا صار خلقا لا يقرأ منه ...
يجعل فی خرقة طاهرة و يدفن " (۲)

قرآن کے بوسیدہ اوراق کو آگ میں جلانا خلاف ادب ہے، اس لئے اس سے اجتناب کیا جائے۔(۳)

قرآن کی دو آیتوں میں ظاہری تضاد

سوال:- (185) قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں

---

(۱) " إن اعتاد القراءة بالفارسية أو أراد أن يكتب مصحفا بها يمنع ، فإن كتب القرآن و تفسير كل حرف و ترجمته جاز " (رد المحتار :۱/۳۵۹، ط: رشیدیہ) محشی۔
(۲) الفتاوى الهندية :۵/۳۲۳۔
(۳) دیکھئے: حوالہ سابق۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''دنیا کو بشمول عرش بریں چھ دن میں پیدا فرمایا'' اور سورہ یٰسین میں ارشاد فرمایا: ''اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے'' ان دونوں میں تضاد محسوس ہوتا ہے؟ (غلام محمود عادل، مغلپورہ)

جواب:- اللہ تعالیٰ کی قدرت واقعی بے پناہ ہے اور وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو ایک لمحہ کی تاخیر کئے بغیر وہ چیز وجود میں آجاتی ہے، آخرت وہ جگہ ہوگی جہاں تمام چیزوں کا وجود اسی اصول قدرت کے تابع ہوں گی، جنت میں انسان کسی پھل کی خواہش کرے گا تو آن کی آن میں وہ پھل اس کے سامنے پیش ہو جائے گا، ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کی خواہش ہوگی تو آناً فاناً پہنچ جائے گا، اگر کھیتی لگانا چاہے تو بیج ڈالے گا اور چشم زدن میں پودے کہیں سے کہیں بڑھ جائیں گے، غرض ہر چیز کے پائے جانے میں قدرت خداوندی کا اصول کارفرما ہوگا، لیکن اس دنیا میں، جو عمل اور آخرت کے انتظار کی جگہ ہے، اللہ کی سنت تدریج یعنی آہستہ آہستہ کسی چیز کا وجود میں آنا اور ترقی پانا ہے، غور کیجئے کہ انسان ایک درخت لگاتا ہے اور پھل کے لئے برسہا برس انتظار کرتا ہے، بیج بوتا ہے اور مہینوں فصل کا انتظار کرتا ہے، باپ بنتا ہے اور اپنے بیٹے کی جوانی دیکھنے کے لئے انتظار میں پندرہ سال گذارتا ہے، حالانکہ خدا اس بات پر قادر ہے کہ چشم زدن میں درخت پھل دینے لگے، فصل تیار ہو جائے اور بچے جوان ہو جائیں۔

اسی سنت اللہ اور اسی کائنات کی فطرت کو ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک لمحہ کے بجائے تدریجاً چھ دنوں میں کائنات کو پیدا فرمایا، گویا یہ کائنات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت کا اظہار ہے اور سورۂ یٰسین والی آیت اللہ کی قدرت اور طاقت کا بیان ہے۔

کس تفسیر کا مطالعہ کریں؟

سوال:- {186} میں تفسیر قرآن کا مطالعہ کرنا چاہتی ہوں، کسی اچھی تفسیر کا نام لکھئے؟　　(نازیہ، سلطان شاہی)

جواب:- اردو زبان میں بہت سی اچھی تفسیریں ہیں اور مختلف ذوق و مزاج کی ہیں، میں ذاتی طور پر عام لوگوں کے لئے مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تفسیر " معارف القرآن" کو پسند کرتا ہوں، اگر آسان ترجمہ اور مختصر حاشیہ پڑھنا ہو تو قاری عبدالباسط مرحوم کا ترجمہ اور حواشی پڑھنا بھی مناسب ہے جو حیدرآباد ہی سے طبع ہوا ہے۔

زمین کو چاروں طرف سے کم کرنے کا مطلب

سوال:- {187} قرآن شریف کے پارہ نمبر ۱۳ میں سورۂ رعد کی آیت نمبر ۴۱ میں اللہ تعالی فرماتا ہے کہ زمین کو ہم چاروں طرف سے کم کرتے چلے جاتے ہیں، اس کا کیا مطلب ہے؟　　(سمیع اللہ خان، احمد نگر)

جواب:- یہ قرآن مجید کی آیت کا ایک ٹکڑا ہے:

﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ﴾(۱)

" کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم اس زمین کو ہر طرف سے تنگ کرتے چلے آرہے ہیں"۔

مفسرین نے اس آیت کی مختلف تفسیریں کی ہیں، اس سلسلہ میں ایک تفسیر وہ ہے جو قتادہؒ، حسن بصریؒ اور امام مجاہدؒ وغیرہ سے منقول ہے کہ مشرکین عرب سے کہا جارہا ہے کہ اللہ تعالی دعوت

(۱) الرعد: ۴۱۔ محشی۔

حق کو غالب کرتا جارہا ہے، اور مختلف علاقوں سے ان پر زمین کا دامن تنگ ہوتا جارہا ہے۔(۱) یہی تفسیر زیادہ قرین صواب معلوم ہوتی ہے۔

پان کی دکان میں تلاوتِ قرآن

سوال:- {188} ایک ہوٹل ہے جس میں کھانا تیار کیا جاتا ہے، اور جو کھانے کے خواہش مند لوگ وہاں بیٹھ کر کھاتے ہیں، اسی سے متصل پان ڈبے کی دکان ہے، دکان میں صبح کے وقت روزانہ بہ طور برکت قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے، بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ پان میں زردہ کا اور تمباکو کا بھی استعمال کیا جاتا ہے، جو حرام ہے، اور حرام چیز کے پاس قرآن کی تلاوت بھی حرام ہے، تو کیا یہ اعتراض درست ہے؟

(وصی احمد، قبا کالونی)

جواب:- اگر دکان کھولتے وقت تلاوتِ قرآن مجید کو واجب نہ سمجھا جائے، محض تبرکاً تلاوت کی جائے تو کچھ حرج نہیں، تمباکو اکثر اہل علم کے نزدیک حرام نہیں ہے، مباح یا مکروہ ہے، نیز پیشاب، پائخانہ اور شراب کی طرح ناپاک بھی نہیں ہے، اس لئے وہاں زردہ اور تمباکو ہونے کی وجہ سے تلاوتِ قرآن مجید کی ممانعت نہیں۔

عصر کے بعد تلاوتِ قرآن

سوال:- {189} ہم نے سنا ہے کہ عصر سے مغرب تک قرآن شریف کی تلاوت کرنا منع ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

(فوزیہ جبین، جگتیال)

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: تفسیر قرطبی :۹/۳۳-۳۳۳۔

جواب:- عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد سے غروب آفتاب تک صرف نفل نماز کی ممانعت ہے، تلاوتِ قرآن کی ممانعت نہیں، حدیث میں صرف نمازوں ہی کا ذکر آیا ہے۔(۱)

ترجمۂ قرآن پڑھنے کے لئے وضوء ضروری ہے؟

سوال:- {190} میرا معمول اخبار پڑھنے کا ہے، جس میں احادیث بھی ہوتی ہیں، اور قرآنی آیات اور ان کا ترجمہ بھی، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آیات کا ترجمہ بھی باوضوء پڑھنا ضروری ہے۔ (محمد صابر، بیدر)

جواب:- قرآن مجید کا ترجمہ بعینہ قرآن کے حکم میں نہیں ہے، اس لئے ترجمۂ قرآن کو پڑھنے اور چھونے کے لئے باوضوء ہونا ضروری نہیں؛ بشرطیکہ اس کے ساتھ قرآن مجید کا متن نہ ہو اور ہو تو اس پر ہاتھ نہ لگے، البتہ دشواری نہ ہو تو ترجمہ کے لئے بھی وضوء کر لینا بہتر ہے، اس سے انشاء اللہ قرآن کے کمالِ احترام کا ثواب ملے گا۔

"زَاهِدِيْنَ" کی تفسیر

سوال:- {191} قرآن مجید میں سورہ یوسف میں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ﴾ اس آیتِ پاک کا مطلب

---

(۱) "عن أبي سعید الخدري رضي الله عنه قال : سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول : لا صلاة بعد الصبح حتى ترتفع الشمس و لا صلاة بعد العصر حتى تغيب الشمس" (صحیح البخاري، حدیث نمبر:۵۸۱، ۵۸۶، ۵۸۸، باب الصلاة بعد الفجر حتى ترتفع الشمس، نیز باب لا یتحری الصلاة قبل غروب الشمس ، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۸۲۵، باب الأوقات التي نهیٰ عن الصلاة عنها، الجامع للترمذي :۱/۴۵، باب ما جاء في کراهیة الصلاة بعد العصر و بعد الفجر)۔محشی۔

بیان فرمائیں؟　　(محمد عثمان، یاقوت پورہ)

جواب:- اس سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہیں، یا قافلہ کے لوگ، یا حضرت یوسف علیہ السلام کو فروخت کرتے وقت آنے والے؟ اس سلسلہ میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے، اور تینوں طرح کی رائیں، منقول ہیں، ''زھد'' کے معنی اصل میں بے رغبتی کے ہیں، اسی لئے دنیا سے بے رغبت شخص کو ''زاھد'' کہا جاتا ہے، آیت کا منشا یہ ہے کہ یہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں زیادہ رغبت نہیں رکھتے تھے، اب یا تو بھائیوں نے برادرانہ رقابت اور دوسرے لوگوں نے غلام تصور کر کے کم رغبتی کا مظاہرہ کیا، یا رغبت رکھنے کے باوجود اہل قافلہ اور خریداران یوسف علیہ السلام نے بظاہر بے رغبتی ظاہر کی، تا کہ دوسرے لوگوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کے حصول اور خریداری میں زیادہ دلچسپی نہ پیدا ہو جائے۔ (۱) واللہ تعالیٰ اعلم۔

قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنا

سوال:- {192} اگر کسی شخص کو عربی نہ آتی ہو، وہ صرف اردو ہی جانتا ہو، تو ایسا شخص قرآن کا اردو ترجمہ پڑھ لے تو کیا اسے قرآن پڑھنے کا ثواب حاصل ہوگا؟

(مقصود حسین خان، پھولانگ، نظام آباد)

جواب:- قرآن مجید اللہ کا کلام ہے، جو عربی زبان میں نازل ہوا ہے، اس کے الفاظ بھی من جانب اللہ ہیں، اس لئے جیسے اس کے معانی مقصود ہیں، الفاظ بھی مقصود ہیں، اسی لئے قران کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل کی گئی ہے جو مصحف میں لکھی ہوئی ہے اور جو یقینی طور پر نقل ہوتی آئی ہے، یوں تو قران مجید کا ترجمہ

(۱) دیکھئے: الجامع لأحکام القرآن للقرطبی: ۱۵/۹۔

پڑھنا ثواب اور نفع سے خالی نہیں لیکن اس پر تلاوت قرآن کا اجر شاید حاصل نہ ہو گا رہ گیا عربی زبان سے ناواقف ہونا تو اگر اس کی مراد عربی زبان کے سمجھنے سے ناواقفیت ہے تو یہ تلاوت قرآن میں رکاوٹ نہیں کہ بغیر سمجھے ہوئے تلاوت قرآن بھی اجر و ثواب کا باعث ہے اور مسلمانوں کے لئے ضروری ہے اور گر عربی رسم الخط سے ناواقفیت مراد ہے تو اردو جاننے والوں کیلئے عربی رسم الخط کی Re ding چنداں دشوار نہیں، کیوں کہ عربی اور اردو رسم الخط میں بہت زیادہ مماثلت پائی جاتی ہے۔ و باللہ التوفیق۔

مائیک پر قرآن مجید کی تلاوت

سوال:- {193} رمضان المبارک کے موقعہ سے لوگ سماعتِ قرآن کا نظم کرتے ہیں، قرآن مجید پڑھا جاتا ہے ،لوگ اسے سماعت کرتے ہیں، بعض محلوں میں کوشش کی جاتی ہے کہ مائیک پر قرآن پڑھا جائے، تاکہ محلہ کے سب لوگ اسے سن سکیں، اس طرح مائیک پر قرآن کی تلاوت کا کیا حکم ہے؟ (جان محمد، عیدی بازار)

جواب:- قرآن کی تلاوت میں بہ مقابلہ سماعت کے زیادہ اجر ہے، کیونکہ تلاوت میں زبان بھی مشغول ہے، نگاہ بھی، قرآن مجید ہاتھ میں ہو تو گویا ہاتھ بھی مصروفِ عبادت ہے، اور کان بھی اپنی تلاوت آپ سنتا ہے، گویا جسم کے متعدد اعضاء ایک نیک کام میں شریک ہوتے ہیں، قرآن سننے کی صورت میں صرف کان ہی شریکِ عمل ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ قرآن پڑھنے کا اجر زیادہ ہے اور کوشش یہی ہونی چاہئے کہ لوگ اپنے اپنے طور پر تلاوت کا اہتمام کریں، یوں رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ ؓ سے قرآن سنا ہے، (۱) اس لئے ایک شخص قرآن

(۱) "عن عكرمة قال : قال رسول الله ﷺ لأبي بن كعب ؓ : إني أمرت أن أقرئك القرآن" (مصنف ابن أبي شيبة ، بحوالہ كنز العمال ،حدیث نمبر:۳۶۷۷۱)

پڑھے اور چند افراد ادب واحترام کی پوری رعایت کے ساتھ قرآن سنیں، اس کی بھی گنجائش ہے، البتہ قرآن کی آواز سامعین تک محدود رکھنا چاہئے، اگر مائیک لگا کر آپ نے آواز پورے محلہ تک پہونچا دی تو ظاہر ہے کہ محلہ میں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے، کوئی قرآن کی طرف متوجہ ہوگا، اور کوئی نہیں، ہوسکتا ہے کہ لوگ اپنے مشاغل کی وجہ سے گرانی بھی محسوس کریں، بات چیت میں مشغول رہیں، اس سے قرآن مجید کی بے حرمتی ہوگی، اور قرآن کا جو ادب بتایا گیا ہے کہ خاموشی اور توجہ کے ساتھ قرآن سنا جائے۔ ﴿إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَ أَنْصِتُوا﴾ (۱) اس کی خلاف ورزی ہوگی، اور اس خلاف ورزی اور بے ادبی کا باعث وہ لوگ بھی بنیں گے جنہوں نے بلاضرورت مائیک لگا کر آواز دور دور تک پہنچائی، اس لئے اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

سفر میں تلاوت

سوال:- {194} سفر کے دوران قرآن شریف کی تلاوت کا کیا حکم ہے اور بلند آواز میں کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(سید زاہد فردین، یاقوت پورہ)

جواب:- قرآن مجید پیدل اور سوار دونوں حالتوں میں پڑھا جاسکتا ہے، اس لئے حالتِ سفر میں تلاوتِ قرآن میں کچھ حرج نہیں، بلکہ باعثِ اجر وثواب ہے، البتہ چند امور کا خیال رکھنا چاہئے، ایک تو ایسی جگہ جو نجاست وغیرہ کے لئے ہو، ایسی جگہ قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے: "لم يكن ذلك الموضع معداً للنجاسة ، فإن كان يكره " (۲) دوسرے جہاں لوگ دوسرے کاموں میں مشغول ہوں اور قرآن کی طرف متوجہ نہ ہوں، وہاں بآواز بلند قرآن

(۱) الاعراف:۲۰۴۔ محشی۔

(۲) الفتاوى الهندية:۵/۳۱۶۔

شریف پڑھنے سے گریز کرنا چاہئے، تیسرے بازار میں اور لہو ولعب کی جگہ پر بھی قرآن کی تلاوت نہیں کرنی چاہئے:

" لایقرأ جهرا عند المشتغلین بالأعمال ... في الأسواق وفي موضع اللغو " (۱)

ان امور کے رعایت کے ساتھ سفر میں قرآن مجید کی تلاوت کی جاسکتی ہے، اور بہ آواز بلند بھی کی جاسکتی ہے۔

مسجد میں زور زور سے تلاوت

سوال:- (195) بعض احباب مسجد میں زور زور سے تلاوت کرتے ہیں، منع کیا جائے تب بھی نہیں رکتے، بلکہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کا کلام پڑھ رہے ہیں، کیا ان کا یہ جواب درست ہے؟ (محمد واصل، مرادنگر)

جواب:- مسجد میں قرآن مجید کی تلاوت اور ذکر مستحب ہے، لیکن اتنی زور سے پڑھنا یا ذکر کرنا، جس سے دوسرے نماز پڑھنے یا تلاوت کرنے والے، بلکہ سوئے ہوئے شخص کو خلل ہو، درست نہیں۔

" أجمع العلماء سلفا و خلفا على استحباب ذكر الجماعة في المساجد و غيرها إلا أن يوش جهرهم على نائم و مصلى وقارئ " (۲)

---

(۱) الفتاوى الهندية:۵/۳۱۶۔

(۲) رد المحتار :۲/۴۳۴۔

سینہ میں تکلیف کا قرآن مجید سے علاج

سوال:- (196) میں کافی دنوں سے پریشان ہوں، کیونکہ میرے سینہ میں تین چار مہینہ سے تکلیف محسوس ہو رہی ہے، ڈاکٹر کو بھی بتایا اور کئی دوائیں لے چکا ہوں، قرآن مجید میں ہر چیز موجود ہے، برائے مہربانی قرآن کے ذریعہ اس کا علاج بتائے؟ (اظہر، فرسٹ لانسرز)

جواب:- قرآن مجید میں ہر چیز کے موجود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ہدایات واصلاح کی تمام باتیں موجود ہیں، یہ مطلب نہیں کہ اس کتاب میں تمام جسمانی بیماریوں کے علاج بھی مذکور ہیں، اس کتاب کا اصل موضوع ہدایت ہے، رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورہ فاتحہ میں جسمانی شفاء بھی بتائی ہے، (۱) اس لئے اسے پڑھ کر دم کردیں اور مناسب ڈاکٹر سے رجوع کریں، علاج رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، (۲) طبیعت خراب ہوتو علاج پر توجہ کرنی چاہئے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

---

(۲) صحیح البخاري :۷۴۹/۲۔ محشی۔
(۳) الجامع للترمذي :۲۴/۲۔

احادیث سے متعلق سوالات

فراستِ مؤمن سے متعلق حدیث کا درجہ

سوال:- (197) لوگوں میں ایک حدیث بہت چلی ہوئی ہے اور اکثر اولیاء اللہ کے تذکرہ میں اس کا ذکر آتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مؤمن کی فراست سے بچو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے'' کیا یہ واقعی حدیث ہے؟ اور حدیث ہے تو کس درجہ کی؟ (عبدالمقتدر، ٹولی چوکی)

جواب:- صحاحِ ستہ کے مؤلفین میں سے امام ترمذیؒ نے اسے نقل کیا ہے، حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: ''اتقوا فراسة المؤمن فإنه ينظر بنور الله'' (۱) امام ترمذیؒ کا رجحان اس حدیث کے ضعیف ہونے کی طرف ہے، اور علامہ ابن جوزیؒ نے تو اس کو اپنی ''موضوعات'' میں جگہ دیا ہے، (۲) لیکن محققین کے نزدیک یہ حدیث حسن کے درجہ کی

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۳۱۲۷، عن أبي سعيد الخدري ﷺ، باب و من سورة الحجر، کتاب التفسیر۔

(۲) دیکھئے: الموضوعات الکبری: ۳/۱۴۷، ط: مدینہ منورہ۔

ہے، چنانچہ علامہ ہیثمیؒ نے طبرانی کے حوالہ سے حضرت ابوامامہ ﷺ سے یہی روایت نقل کی ہے، اور اس کی سند کو "حسن" قرار دیا ہے۔(۱) اس لئے صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث معتبر اور مستند ہے۔

یوم عاشوراء کو وسعت برتنے کی حدیث

سوال:- {198} عام طور پر واعظ حضرات ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ جو یوم عاشوراء میں اپنے اہل و عیال پر وسعت سے کام لے، اس پر اللہ تعالیٰ سال بھر وسعت برتتے ہیں، کیا یہ حدیث درست ہے؟ (عبدالرحمٰن، ورنگل)

جواب:- یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ، حضرت جابر ﷺ اور حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے منقول ہے، (۲) طبرانی اور بیہقی نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے، (۳) محدث بیہقیؒ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث جتنی سندوں سے منقول ہے، سبھی ضعیف ہیں، (۴) بلکہ علامہ ابن جوزیؒ نے تو اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے، (۵) البتہ حافظ ابن عبدالبرؒ اور محدث دار قطنیؒ نے حضرت عمر ﷺ سے اس طرح کا خود ان کا قول نقل کیا ہے، اور اس کی سند

---

(۱) دیکھئے: مجمع الزوائد: ۱۰/۲۶۸، باب ماجاء في الفراسة۔

(۲) مجمع الزوائد، عن عبد الله بن مسعود ﷺ، حدیث نمبر: ۵۱۳۷، باب التوسعة على العيال يوم عاشوراء۔ محشی۔

"اخرجه البيهقي في الشعب الإيمان من حديث أبي سعيد الخدري ﷺ و أبي هريرة ﷺ و ابن مسعود ﷺ و جابر ﷺ" (موضوعات کبری: ص: ۳۴۵)۔ محشی۔

مختصر ترغيب و ترهيب، حدیث نمبر: ۳۰۷، ص ۸۲، عن أبي هريرة ﷺ۔ محشی۔

(۳) الموضوعات الكبرى، حدیث نمبر: ۵۳۲۔ محشی۔

(۴) "وأورده ابن الجوزي في الموضوعات" (الوضوعات الكبرى: ص: ۳۴۶)

(۵) "و قد ورد أيضا من حديث ابن عمر ﷺ أخرجه الدار قطني في (الأفراد) موقوفا على عمر ﷺ، و قد أخرجه ابن عبد البر بسند جيد" (الموضوعات الكبرى: ص: ۳۴۶) محشی۔

قابل قبول ہے، (۱) اس حقیر کا خیال ہے کہ یہ روایت ناصبیہ کی گھڑی ہوئی ہے، اور اگر معتبر بھی ہوتو اس کا حضرت حسین ﷛ کی شہادت سے کوئی تعلق نہیں، اسی تاریخ میں حضرت حسین ﷛ کی شہادت کا سانحہ پیش آجانا ایک اتفاقی واقعہ ہے، ورنہ اصل میں یہ ایک مبارک دن ہے، جس میں اللہ تعالی نے مختلف پیغمبروں کو اپنے زمانہ کے دشمنان حق سے نجات عطا فرمائی تھی، اور اسی لئے آپ ﷺ نے اس دن شکرانہ کے طور پر روزہ رکھنے کا حکم فرمایا تھا۔ (۲)

ترک جمعہ کے سلسلہ میں ایک حدیث

سوال:- {199} کیا یہ روایت صحیح ہے کہ مسلسل تین یا کسی بھی تین جمعہ کی نمازیں نہ پڑھنے سے کوئی مؤمن غیر مسلم ہوجاتا ہے؟ (سکندر علی، خیریت آباد)

جواب:- اس مضمون کی صریح روایت تو باوجود تلاش کے نہیں مل پائی اور بہ ظاہر یہ روایت درست نہیں، کیونکہ مسلمان خواہ کتنے بھی بڑے گناہ کا مرتکب ہو، ایسا نہیں کہ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے وہ دائرۂ ایمان سے باہر ہوجائے، البتہ تین جمعہ چھوڑنے کے سلسلہ میں ایک اور حدیث اس طرح وارد ہوئی ہے:

"من ترك الجمعة ثلاث مرات تهاونا بها، طبع الله على قلبه." (۳)

---

(۱) دیکھئے: المقاصد الحسنة: ۶۷۴-۶۷۵۔

(۱) "قدم النبي ﷺ المدينة، فرأى اليهود تصوم يوم عاشوراء، فقال: ما هذا؟ قالوا: هذا يوم صالح، هذا يوم نجى الله بني اسرائيل من عدوهم، فصامه موسىٰ ؑ، قال: فأنا أحق بموسى ؑ منكم، فصامه و أمر بصيامه" عن عبد الله بن عباس ﷛، صحيح البخاری، حدیث نمبر: ۲۰۰۴، باب صيام يوم عاشوراء، كتاب الصوم، نیز دیکھئے: صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۱۱۳۰۔ محشی۔

(۳) الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۵۰۰، باب ماجاء في ترك الجمعة بغير عذر۔

''جس نے جمعہ کو کم اہم سمجھتے ہوئے تین بار ترک کر دیا، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا''

اس روایت کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے اور ''حسن'' قرار دیا ہے (۱) مہر لگانے کا مطلب یہ ہے کہ حق کو قبول کرنے کی صلاحیت اور توفیق کم یا ختم ہو جائے گی۔

اس سے قریبی مضمون کی روایت اس طرح منقول ہے:

"من ترك الجمعة ثلاثا من غير عذر فهو منافق" (۲)

''جس نے بغیر عذر کے تین جمعہ چھوڑا وہ منافق ہے''

اس روایت کو ابن خزیمہ نے نقل کیا ہے۔ (۳) ایسے شخص کو منافق کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کافر ہو جاتا ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ یہ منافقوں کا سا عمل ہے جو کسی مسلمان کے شایان شان نہیں۔

''لوگوں سے سوال نہیں کرے گا'' سے مراد؟

سوال:- {200} یکم مئی کے روز نامہ ''منصف'' میں ایک حدیث شائع ہوئی ہے، جس کے الفاظ ہیں، ''حضور اقدس ﷺ کا ارشاد مبارک ہے، جو شخص مجھ سے اس بات کا

---

(۱) "قال أبو عيسى: "حديث أبي الجعد حديث حسن" (الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۵۰۰، باب ماجاء في ترك الجمعة بغير عذر)

(۲) صحيح ابن خزيمة، حدیث نمبر:۱۸۵۴، نیز کنز العمال میں بحوالہ طبراني كبير اور شعب الايمان للبيهقي یہ روایت ہے:"من سمع النداء يوم الجمعة و لم يأتها، ثم سمع النداء، ثم لم يأتها، طبع على قلبه، فجعل قلب منافق" حدیث نمبر:۲۱۱۴۹، اور مسند شافعي اور المعرفه للبيهقي کے حوالہ سے ہے:"من ترك الجمعة من غير عذر كتب منافقا في كتاب لا يمحى و لا يبدّل" حدیث نمبر:۲۱۱۴۴، اور طبرانی کبیر کے حوالہ سے: "من ترك ثلاث جمعات من غير عذر كتب من المنافقين" حدیث نمبر:۲۱۱۳۵۔

(۳) دیکھئے: حاشية محمد على شاكر على الترمذي: ۲/۳۷۳۔ ط: بیروت

عہد کرلے کہ لوگوں سے سوال نہیں کرے گا، تو میں اس کے
لئے بہشت کے لئے سفارش کروں گا'' (مشکوۃ شریف) اس
حدیث کا کیا مطلب ہے؟ کیا کسی علمی مسئلہ کے بارے میں
پوچھنا نامناسب فعل ہے اور اس سے بچنے میں ثواب ہے؟

(زاہد، شاہ گنج)

جواب:- یہ حدیث معتبر ہے، اور ابوداؤد شریف میں نقل کی گئی ہے، (۱) عربی زبان میں سوال کے معنی دریافت کرنے کے بھی ہیں، اور مادّی تعاون مانگنے کے بھی، احکام شرعیہ کے بارے میں عمل کرنے اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات کو جاننے کے لئے کسی بات کا دریافت کرنا نہ صرف جائز بلکہ پسندیدہ ہے، اور اسلام میں اس کی ہمت افزائی کی گئی ہے، خود قرآن مجید میں صحابہ ﷺ کے مختلف سوالات کا ذکر کرتے ہوئے ان کا جواب دیا گیا ہے، اور احادیث میں بھی سوال کرنے اور حکم شرعی پوچھنے کی تحسین کی گئی ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ سوال کرنے کا مقصود عمل کرنا ہو، محض بے فائدہ بحث اور اپنی علمی لیاقت جتانا مقصود نہ ہو۔

مادّی چیزوں کا سوال مذموم بات ہے اور اس کو رسول اللہ ﷺ نے ناپسند فرمایا ہے، (۲) آپ ﷺ نے اس بات کی ترغیب دی ہے کہ انسان خود اپنی محنت کی کمائی کھائے اور اسی سے دوسروں کا حق بھی ادا کرے، اس حدیث کا منشا بھی یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دستِ سوال دراز کرنے سے گریز کیا جائے، جو شخص اس کا عزم رکھے گا رسول اللہ ﷺ اس کے لئے جنت کی

---

(۱) سنن أبي داؤد: ۱/ ۲۵۸۔

(۲) " قال: و لا تسئلوا الناس شيئا " عن عوف بن مالك ﷺ، سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۱۶۴۲، باب كراهية المسألة، كتاب الزكاة، اسی طرح آپ ﷺ سے منقول ہے کہ: ''اليد العليا خير من اليد السفلى " و اليد العليا المنفقة، و السفلى السائلة، عن عبد الله بن عمر ﷺ، سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۱۶۴۸، باب في الاستعفاف، كتاب الزكاة۔ محشی۔

سفارش فرمائیں گے،(۱) اور حضور ﷺ سے بڑھ کر کس کی شفاعت ہوسکتی ہے؟ افسوس کہ دین کے مزاج سے بے تعلقی اور حضور ﷺ کی تعلیمات سے بے توجہی کی وجہ سے گداگری کا مرض سب سے بڑھ کر خود مسلمانوں میں پیدا ہو چکا ہے، حالانکہ اسلام ہی وہ دین ہے جس نے سب سے بڑھ کر تاکید واہتمام کے ساتھ اس سے منع کیا تھا۔ وإلى الله المشتكى۔

"أنا مدينة العلم و علي بابها" کی تحقیق

سوال:- {201} عوام میں مشہور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میں علم کا شہر ہوں اور علی ﷺ اس کا دروازہ ہیں" کیا یہ واقعی حدیث ہے، اور حدیث ہے تو کس درجہ کی ہے؟

(عبدالمجید، ورنگل)

جواب:- یہ حدیث ہے، اور جلال الدین سیوطیؒ نے اس کو مستدرک حاکم، طبرانیؒ، ابن عدیؒ، اور عقیلی کے حوالہ سے نقل کی ہے،(۲) حاکم اور ابن عدی نے اس کو حضرت جابر ﷺ اور حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ دونوں ہی سے نقل کیا ہے، اور دوسرے محدثین نے صرف عبد اللہ بن عباس ﷺ سے (۳) گو بعض اہل علم نے اس حدیث کو موضوع اور من گھڑت، قرار دیا، جیسے: امام ذہبیؒ، ابن جوزی وغیرہ، (۴) دوسری طرف حاکم نے اس کو "صحیح" قرار دیا، (۵)

---

(۱) "قال رسول الله ﷺ : من تكفل لي أن لا يسئل الناس شيئا ، أتكفل له بالجنة ، عن ثوبان ﷺ مولى رسول الله ﷺ ، سنن أبي داؤد، حدیث نمبر:۱۶۴۳، باب كراهية المسئلة ، كتاب الزكاة ۔ محشی۔

(۲) الموضوعات الكبرى : ص:۱۳۹، نیز دیکھئے: مجمع الزوائد :۹/۱۴۸، كتاب المناقب۔

(۳) الجامع الصغير : حدیث نمبر:۲۷۰۵۔

(۴) "و أورده ابن الجوزي في الموضوعات و وافقه الذهبي و غيره" (الموضوعات الكبرى: ص۱۳۸، حدیث نمبر:۷۱)

(۵) "وصححه الحاكم "المستدرك للحاكم : ص:۱۳۸۔ على هامش انا مدينة العلم و علي بابها، حاشیہ نمبر:۳،۴/۱۳۷، حدیث نمبر:۳۸، ۴۲۳۷۔ محشی۔

لیکن محققین کا خیال ہے کہ یہ حدیث معتبر ہے، البتہ ''حسن'' کے درجہ کی ہے، جو محدثین کی اصطلاح میں مقبول و معتبر ہوتی ہے، لیکن صحیح سے کم درجہ کی حامل ہوتی ہے، زرکشیؒ اور حافظ ابن حجرؒ کی یہی رائے ہے۔(۱) اور مشہور محدث امام سخاویؒ نے بھی اسی کو ترجیح دیا ہے۔(۲) یہ حدیث اپنے معنی اور مفہوم کے اعتبار سے بھی لائق تعجب نہیں، کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ؓ کو صحابہ ؓ میں سب سے بڑا قاضی قرار دیا ہے،(۳) اور ظاہر ہے کہ قضاء اور فصل خصومات کا کام ذہانت، گہرے علم اور زبردست قوت فیصلہ کے بغیر انجام نہیں دیا جاسکتا، خود صحابہ ؓ بھی حضرت علی ؓ کے علمی مقام کے معترف تھے، حضرت عمر ؓ تو برملا ایسی الجھنوں سے اللہ کی پناہ چاہتے تھے کہ جس کے حل کے لئے حضرت علی ؓ موجود نہ ہوں (۴) اور زمانہ خلافت میں کبھی مدینہ سے آپ ؓ کا فراق گوارا نہیں کرتے تھے، مشہور تابعی امام مسروقؒ کہا کرتے تھے کہ تمام صحابہ ؓ کے علوم دو صحابی حضرت علی ؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے اندر جمع ہوگئے ہیں،(۵) اس لئے اگر آپ ﷺ نے حضرت علی ؓ کے علمی مقام و مرتبہ کو بتانے کے لئے یہ بات ارشاد فرمائی ہو، تو اس پر حیرت نہ ہونی چاہئے۔

''أنا مدينة العلم و علي بابها'' کے جواب پر ایک اشکال

سوال:- {202} خلاصہ سوال: حدیث ''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ'' کے بارے میں آپ نے ۲۶/

---

(۱) فیض القدیر: ۲/۴۷۔
(۲) دیکھئے: المقاصد الحسنہ، حدیث نمبر: ۱۷۰۔
(۳) کشف الخفاء و مزیل التباس: ص: ۱۶۲، حدیث نمبر: ۴۸۹۔ نیز دیکھئے: الموضوعات الکبری: ص: ۱۲۴، حدیث نمبر: ۵۲۔
(۴) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح بحوالہ مسند احمد: ۱۰/۴۷۰۔
(۵) إعلام الموقعین: ۱/۱۶۔ مرتب۔

فروری ۱۹۹۹ء کو جواب دیا ہے، آپ کے آخر کے الفاظ یوں تھے: ''آپ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہو، تو اس پر حیرت نہ ہونی چاہئے'' اس حدیث کے تعلق سے میری معلومات اور میرے مطالعہ کا نچوڑ یہ ہے کہ ابن تیمیہؒ، دار قطنیؒ اور امام ذہبیؒ، ابن معینؒ، ابن دقیق العیدؒ، شاہ ولی اللہؒ وغیرہ نے اسے موضوع قرار دیا ہے، سیوطیؒ اور امام بخاریؒ نے اسے منکر کہا ہے، امام ابو حاتم رازیؒ اور یحییٰ ابن سعیدؒ نے اسے موقوف قرار دیا ہے، علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کے صحیح ہونے کی کوئی وجہ نہیں، شاہ عبدالعزیزؒ نے امام نوویؒ اور امام جزریؒ وغیرہ سے اس کا لغو و مردود ہونا نقل کیا ہے — ان حقائق کو سامنے رکھ کر فیصلہ فرمائیں کہ آپ نے جو جواب دیا ہے، اور آپ کا جو حب علی ؓ کا نظریہ ہے، کیا وہ صحیح ہے؟

(محمد عبدالنعیم سہروردی، گلبرگہ شریف)

جواب:- اس حدیث کے صحیح اور معتبر اور غیر معتبر ہونے سے قطع نظر اولاً اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ سیدنا حضرت علی ؓ اکابر صحابہ ؓ اور رسول اللہ ﷺ کے اجلۂ رفقاء میں ہیں، اور حضور ﷺ سے نسبی قرابت اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ازدواجی نسبت کے علاوہ ان مسلمانوں میں ہیں جو شروع شروع میں اسلام لائے، اور غزوۂ بدر، نیز تمام مہمات میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک رہے، تمام صحابہ ؓ اور خود حضرت ابوبکر ؓ و عمر ؓ بھی آپ ؓ کا احترام کرتے تھے، اور آپ ؓ کے مرتبہ شناس تھے، آپ ؓ کے خلیفۂ راشد ہونے پر اہلِ سنت والجماعت کا اجماع و اتفاق ہے۔ اس لئے ''حب علی ؓ'' مطلوب ہے، اور ''بغض علی ؓ'' مبغوض، اور ایک حضرت علی ؓ ہی پر موقوف نہیں تمام ہی صحابہ ؓ کی محبت اور عظمت دل میں ہونی چاہئے۔

جہاں تک اس حدیث کی بات ہے، تو اس سلسلہ میں محدثین کا اختلاف ہے، علامہ سخاویؒ جن کا آپ نے حوالہ دیا ہے، ان کے نزدیک حضرت عبداللہ ابن عباس ﷺ کی سند سے ''حسن لذاتہ'' ہے، اور حضرت علی ﷺ کی سند سے ''حسن لغیرہ ''(۱) امام حاکم نیساپوریؒ نے اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے نقل کیا ہے، اور اسے صحیح قرار دیا ہے، '' هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه ''(۲) حافظ علائیؒ نے لکھا ہے کہ جن لوگوں نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے وہ غلطی پر ہیں، صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث حسن کے درجہ کی ہے:

"من حكم بوضعه فقد أخطأ والصواب أنه حسن باعتبار طرقه" (۳)

یحیٰ ابن معینؒ سے بھی نقل کیا گیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے:

" قال القاسم سئلت ابن معين عنه فقال هو صحيح" (۴)

حافظ ابن حجرؒ نے اس کو حسن قرار دیا ہے'' وافتى بحسنه ابن حجر ''(۵)

جن لوگوں نے اس حدیث پر کلام کیا ہے، تو وہ اس وجہ سے کہ اس کی سند میں عبدالسلام بن صالح ابوصلت ہروی آئے ہیں، اس راوی کے بارے میں محدثین کی آراء بہت مختلف ہیں، لیکن یحیٰ ابن معین جیسے امام حدیث ان کو ثقہ قرار دیتے ہیں، امام ابوداؤد سے منقول ہے کہ یہ قوی الحفظ راوی تھے، علامہ ذہبیؒ نے بھی ان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ رجل صالح ہیں، جن لوگوں نے ان کی حدیث کو قبول کرنے سے گریز کیا ہے، انہوں نے ان پر رفض اور تشیع کی بات کہی ہے،

(۱)　دیکھئے: مختصر المقاصد الحسنه ، حدیث نمبر:۱۷۰۔

(۲)　مستدرك حاكم :۳/۱۳۷۔

(۳)　الموضوعات الكبرى :ص:۱۳۹۔

(۴)　فيض القدير للمناوى :۳/۴۷۔مرتب۔

(۵)　فيض القدير للمناوى: ۳/۴۷۔

لیکن حافظ ابن حجرؒ نے احمد بن سیمار سے نقل کیا ہے کہ وہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو تمام صحابہؓ پر مقدم رکھتے تھے، اور حضرت علیؓ وحضرت عثمان غنیؓ کے بارے میں کلمۂ خیر فرماتے تھے، (۱) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوصلت ہرویؒ کے بارے میں یہ بات غلط فہمی پر مبنی تھی؛ اس لئے یہی بات درست معلوم ہوتی ہے کہ یہ حدیث معتبر ہے، اور محدثین کی اصطلاح کے مطابق ''حسن'' کے درجہ کی ہے۔ واللہ اعلم۔

''الحکمة ضالة المؤمن'' کی تحقیق

سوال:- {203} عام طور پر کہا جاتا ہے کہ حکمت اور عقل کی بات مؤمن کی گم شدہ چیز ہے، ''الحکمة ضالة المؤمن'' تو کیا یہ حدیث ہے؟ یا کسی بزرگ کا قول؟ اور حدیث ہے تو صحیح ہے، یا ضعیف؟ (محمد عارف الدین، جلگاؤں)

جواب:- مشہور محدث علامہ سخاویؒ (متوفی ۹۰۲ھ) نے مسند قضاعی کے حوالے سے نقل کیا ہے اور صحابیؓ کا واسطہ ذکر نہیں فرمایا ہے (۲) —— حدیث کی متداول اور معروف کتابوں میں سے ترمذی میں یہ روایت اس طرح نقل کی گئی ہے: '' الکلمة الحکمة ضالة المؤمن'' ''عقل ودانش کی بات مؤمن کا گم شدہ مال ہے'' اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن فضل نامی راوی آئے ہیں جو ضعیف سمجھے گئے ہیں، (۳) لیکن احکام و ایمانیات کے علاوہ

---

(۱) دیکھئے: تهذيب التهذيب، ۲۲۲/۵، ميزان الاعتدال: ۲۳۰/۲۔

(۲) المقاصد الحسنة: ص:۳۱۰۔

(۳) "قال رسول الله ﷺ: " الكلمة الحكمة ضالة المؤمن، فحيث وجدها فهو أحق بها" قال أبو عيسى الترمذي: هذا حديث غريب، لا نعرفه إلا من هذا الوجه، و ابراهيم بن الفضل المدني المخزوني ضعيف في الحديث من قبل حفظه، عن أبي هريرةؓ " الجامع للترمذي، حديث نمبر: ۲۶۸۷، ۳۸۳/۳، باب ماجاء في فضل الفقه على العبادة، كتاب العلم۔ محشی

دوسرے مضامین میں ایسی ضعیف حدیثوں کا بھی فی الجملہ اعتبار کیا جاتا ہے، پس یہ حدیث نبوی ہے، اور اس میں اس اہم حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ علم کے معاملہ میں کوئی تعصب نہیں چاہئے، اور جہاں بھی کوئی اچھی بات مل جائے اسے قبول کر لینا چاہئے۔

''من أحب أن يبسط له في رزقه ......'' کی تحقیق

سوال:- (204) ایک جگہ بخاری و مسلم کے حوالہ سے یہ روایت ذکر کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص اپنے رزق میں ترقی اور لمبی عمر کا خواہش مند ہو، اسے اپنے رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنا چاہئے'' کیا یہ حدیث واقعی اسی طرح منقول ہے؟ اور اس کے الفاظ کیا ہیں؟
(محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

جواب:- یہ حدیث صحیح ہے، اور اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:
"من أحب أن يبسط له في رزقه و ينسأ له في أثره فليصل رحمه" (۱)

''من لم يشكر الناس لم يشكر الله'' کی تحقیق

سوال:- (205) اکثر جلسوں میں یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ جو شخص لوگوں کا شکر گذار نہیں ہوتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر گذار نہیں ہوتا؛ کیا یہ روایت صحیح ہے؟ (محمد سعید، حسن نگر)

---

(۱) صحيح البخاری، حدیث نمبر:۵۹۸۶، عن أنس بن مالك ﷺ، باب من بسط له في الرزق بصلة الرحم، كتاب الادب، نیز دیکھئے: صحيح مسلم، حدیث نمبر:۲۵۵۷، باب صلة الرحم و تحريم قطعيتها، كتاب البر و الصلة و الادب۔

جواب:- جی ہاں! یہ روایت صحیح ہے، مسند احمد اور ترمذی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے، اس کے الفاظ اس طرح ہیں: ''من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ '' (۱) علامہ سیوطیؒ نے الجامع الصغیر میں اسے صحیح قرار دیا ہے، اور امام ترمذیؒ اور علامہ بیہقیؒ نے حسن، (۲) ''حسن اور صحیح'' معتبر احادیث کے درجات ہیں، صحیح زیادہ اعلی درجہ کی روایت ہے، اور حسن اس سے کم تر درجہ کی، لیکن یہ دونوں ہی معتبر ہیں، اس لئے یہ حدیث معتبر اور مستند ہے۔

حضور ﷺ کی نماز قضاء ہوجانے سے متعلق روایت

سوال:- {206} میں ایک کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی کہ اچانک میری نگاہ ایک عبارت پر رک گئی جس میں لکھا تھا کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی آنکھ نہیں کھلی، اس لئے آپ ﷺ کی نماز قضا ہوگئی، جب سورج کی کرنیں چہرۂ انور پر پڑیں تو بیدار ہوئے اور قضا نماز ادا فرمائی، کیا یہ بات درست ہے؟ بظاہر تو یہ بات غیر درست معلوم ہوتی ہے؟

(فوزیہ جبیں، جگتیال)

جواب:- یہ روایت درست ہے جس کو امام بخاری نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے، اس روایت میں ہے کہ حضرت بلال ﷺ نے قافلہ کو جگانے کی ذمہ داری قبول کی، لیکن خود

---

(۱) الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۱۹۵۵، عن أبي سعيد الخدری ﷺ، باب ماجاء فی الشكر لمن أحسن إليك، كتاب البر و الصلة۔ محشی۔

(۲) فیض القدیر :۶/۲۲۴، حدیث نمبر:۹۰۲۸۔

'' قال أبو عيسى الترمذی : هذا حديث حسن صحيح '' الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۱۹۵۵۔ محشی۔

ان کی بھی آنکھ لگ گئی، سورج کے کنارے طلوع ہو چکے تھے کہ رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے، آپ ﷺ نے حضرت بلال ﷺ سے سوئے رہ جانے کے بارے میں استفسار فرمایا، حضرت بلال ﷺ نے عرض کیا، مجھے کبھی ایسی نیند نہیں آئی تھی، چنانچہ جب سورج بلند ہو گیا تو آپ کے حکم پر اذان دی گئی اور نماز ادا کی گئی (۱) —— نیند بشری ضروریات میں سے ہے اور بلا ارادہ نماز کا فوت ہو جانا کوتاہی اور خطا میں شامل نہیں، اس لئے یہ شان نبوت کے منافی نہیں ہے، اللہ تعالی کی سنت یہ ہے کہ جو باتیں انسان کو پیش آتی ہیں، یا آسکتی ہیں اور شان نبوت کے منافی نہیں ہیں، انبیاء کی زندگی میں وہ واقعات منجانب اللہ پیش آتے ہیں تاکہ انسانیت کیلئے ایسے واقعات پیش آنے پر اسوہ و نمونہ باقی رہے۔

''زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا'' کی تحقیق

سوال:- {207} شیخ ملا جامی کی منتخب جملہ چالیس احادیث میں ایک حدیث ''زرغبا تزدد حبا'' (ملاقات ناغہ کر کے کیا کرو تو محبت بڑھے گی) ہے، جس کو شیخ سعدی نے انہی الفاظ کے ساتھ اپنی گلستاں میں کسی بزرگ کا مقولہ بتایا

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۹۵۔

'' قال : سرنا مع النبي ﷺ ليلة ، فقال بعض القوم : لو عرّست بنا يارسول الله ﷺ! قال : أخاف أن تناموا عن الصلاة ، قال بلال ﷺ أنا أوقظكم ، فاضطجعوا ، واستند بلال ظهره إلى راحلته ، فغلبته عيناه فنام ، فاستيقظ النبي ﷺ وقد طلع حاجب الشمس، فقال : يا بلال ! اين ما قلت ، قال : ما ألقيت على نومة مثلها قط، قال : إن الله قبض أرواحكم حين شاء ، و ردها عليكم حين شاء ، يا بلال ! قم فأذن بالناس بالصلاة ، فتوضأ ، فلما ارتفعت الشمس و ابيضّت ، قام فصلى '' ، عن أبي قتادة ﷺ (صحيح البخاري ، حدیث نمبر: ۵۹۵، باب الأذان بعد ذهاب الوقت ، كتاب مواقيت الصلاة ، نیز دیکھئے :صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۶۸۱) محشی۔

ہے، تو یہ حدیث ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس کتاب میں، اور اس کی سند کیسی ہے؟　　(م، و، میمن، ٹولی چوکی)

جواب:- یہ حدیث نبوی ﷺ ہے اور مقصد اس کا ظاہر ہے کہ ملاقاتوں میں کسی قدر وقفہ رکھنا چاہئے کہ یہ وقفہ شوقِ ملاقات کو بڑھاتا ہے، یہ حدیث طبرانی، مستدرک حاکم اور بعض دیگر کتب حدیث میں حضرت ابوہریرہ ؓ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ابوذر غفاری ؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ سے منقول ہے۔ یہ حدیث جن سندوں سے منقول ہے وہ عام طور پر ضعف سے خالی نہیں، لیکن بعض سندیں قابل قبول ہیں، اسی لئے علامہ ہیثمی اور علامہ مناوی نے اسے حسن قرار دیا ہے، اور حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی ''الجامع الصغیر'' میں اس پر ''حسن'' کی علامت لگائی ہے، لہذا یہ حدیث مقبول ہے(۱)

''أطلبوا العلم ولو بالصين'' کی تحقیق

سوال:- {208} رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''اگر تمہیں علم حاصل کرنے کے لئے چین کا بھی سفر کرنا پڑے تو اس سے گریز مت کرو''، یہ حدیث کیسی ہے؟ اور اس سے مراد علم دین ہے یا علم دنیا؟　　(محمد رفیق، کوٹھی)

جواب:- اسلام میں علم کی بڑی فضیلت ہے، اور اس سلسلے میں بہت سی صحیح اور معتبر حدیثیں موجود ہیں، علم دین کی تو خصوصی فضیلت ہے ہی، کیونکہ اس میں اللہ اور اس کے رسول کی رضا ہے، اور اسی سے دنیا کی فلاح اور آخرت کی نجات متعلق ہے، لیکن جو علوم دنیا کی جائز ضروریات سے متعلق ہیں ان کو بھی اگر خدمتِ خلق کی نیت سے حاصل کیا جائے تو اجر وثواب ہے، جہاں تک اس روایت کی بات ہے، تو اس کے الفاظ اس طرح منقول ہیں: ''أطلبوا العلم

(۱)　تفصیل کے لیے دیکھئے: الجامع الصغیر اور فیض القدیر :۴/۶۲۔

ولو بالصین " (۱) لیکن یہ کوئی معتبر روایت نہیں، مشہور محدث امام بیہقیؒ نے لکھا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے، اور جتنی سندوں سے منقول ہے، وہ تمام ہی سندیں ضعیف ہیں اور ممتاز محدث علامہ ابن جوزی اور ابن طاہر نے لکھا ہے کہ: "یہ بے اصل روایت ہے" "حديث لا أصل له" (۲)

"لا يؤم قوما فيخص نفسه..." سے مراد

سوال:- {209} عاجز نے منتخبہ حدیث کی کتاب "زادِ راہ" میں ایک حدیث کا یہ مفہوم دیکھا ہے کہ اجتماعی موقعوں پر انفرادی دعا کرنے پر اللہ لعنت بھیجتا ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بعض حفاظ اور امام نماز سے فارغ ہوکر "ني" اور "بي" جیسے الفاظ والی دعائیں پڑھتے رہتے ہیں، جو "مجھ کو" اور "میں" جیسا مفہوم رکھتی ہیں، تو مذکورہ حدیث کی رو سے اس قسم کی دعائیں درست ہیں یا نہیں؟

(سید خواجہ معین الدین، سداسیو پیٹ)

جواب:- اس مضمون کی حدیث تو نظر سے نہیں گزری، البتہ حضرت ثوبان ﷜ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" ولا يؤم قوما فيخص نفسه بدعوة دونهم ، فإن فعل فقد خانهم " (۳)

---

(۱) كتاب الاحاديث الضعيفة و الموضوعة، حدیث نمبر: ۴۱۶، ۱/۶۰۰۔ محشی۔

(۲) فيض القدير: ۱/۵۴۲۔ الأحاديث الضعيفة و الموضوعة: ۱/۶۰۱۔ محشی۔

(۳) الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۳۵۷، عن ثوبان ﷜، باب ما جاء في كراهية أن يخص الإمام نفسه بالدعاء، كتاب الصلاة۔

كنز العمال، حدیث نمبر: ۲۸۶۹۷، كتاب العلم (أقوال) في ترغيب فيه۔ محشی۔

’’کسی آدمی کے لئے حلال نہیں کہ وہ کسی قوم کی امامت
کرے اوران کو چھوڑ کر صرف اپنے لئے دعا کرے، اگر اس
نے ایسا کیا تو ان کے ساتھ خیانت کی‘‘۔

اس حدیث میں اس دعا کا ذکر ہے جو نماز کے اندر کی جائے، ویسے نماز میں بھی بعض دعائیں واحد کے صیغے یعنی ’’میں‘‘ اور ’’مجھ پر‘‘ وغیرہ کے الفاظ سے آئی ہیں، ایسے موقع پر امام کو پڑھنی تو چاہئے دعاءِ ماثورہ ہی، لیکن نیت اور ارادہ کے اعتبار سے تمام نمازیوں کو شامل رکھنا چاہئے ،تاکہ نیت کے اعتبار سے دعا کے مصداق میں عموم ہو اور الفاظ میں رسول اللہ ﷺ سے منقول دعا کی برکت بھی حاصل ہو جائے۔

" لا تمس النار مسلما من رأنی " کا درجہ اور اس سے مراد

سوال:- {210} معارف القرآن جلد آٹھ صفحہ: ۶۲ پر
ایک حدیث ہے کہ جہنم کی آگ اس شخص کو نہیں چھوئے گی جس
نے مجھے دیکھا ہے؛ اس حدیث کا کیا مطلب ہے اور یہ حدیث
کس درجہ کی ہے؟ (ابوارشد، وجے واڑہ)

جواب:- یہ حدیث معتبر ہے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے:

" لا تمس النار مسلما من رأنی أو رأی من
رأنی "(۱)
’’جس مسلمان نے مجھے یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا ہو،
اسے آگ نہیں چھوئے گی‘‘

(۱) الجامع للترمذی ،حدیث نمبر:۳۸۵۸،عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ باب ماجاء فی فضل من رأی النبی ﷺ وصحبه، کتاب المناقب ۔محشی۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے (۱) اس حدیث میں صحابہ ﷺ اور تابعین کی خصوصی فضیلت کا بیان ہے، صحابہ ﷺ کے بارے میں تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت بافیض کی وجہ سے وہ ایمان کے بہت اونچے مقام پر تھے اور اگر ان سے کچھ بھول چوک ہوئی بھی تو اللہ تعالی نے انہیں معاف فرمادیا ہے، وہ اللہ سے راضی تھے اور اللہ ان سے راضی ہیں ﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ (۲) رہ گئے تابعین جنہوں نے صحابہ کو دیکھا ہے تو ان میں بھی جو لوگ حقیقی مؤمن کے مصداق ہیں اور ان کے لئے اللہ تعالی کے یہاں خصوصی درجہ ہے۔ واللہ اعلم

ہر نماز اور سونے سے قبل تسبیح سے گناہ معاف ہونے کا مطلب

سوال:- {211} نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جو مسلمان ان کا اہتمام کرے جنت میں داخل ہوگا اور وہ دونوں بہت معمولی چیز ہے، مگر ان پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں، ایک یہ کہ "سبحان اللّٰہ ، الحمد للہ ، اللہ اکبر " ہر نماز کے بعد دس مرتبہ پڑھ لیا کرے تو روزانہ ایک سو پچاس مرتبہ ہو جائے گا، اور دس گنا ہو جانے کی وجہ سے ایک ہزار پانچ سو نیکیاں حساب میں شمار کی جائیں گی اور دوسری چیز یہ ہے کہ سوتے وقت " اللّٰہ اکبر " چونتیس مرتبہ " الحمد للہ " تینتیس مرتبہ "سبحان اللہ " تینتیس مرتبہ پڑھ لیا کرے، تو سو کلمے ہوگئے، جس کا ثواب دس گنا بڑھ کر ایک ہزار نیکیاں ہو جائیں گی، اتنے گناہ تو انشاء

---

(۱) "قال أبو عیسی : " هذا حدیث حسن غریب " الجامع الترمذی ، ،حدیث نمبر: ۳۸۵۸، باب ماجاء فی فضل من رأی النبی ﷺ وصحبه، کتاب المناقب ۔ محشی۔

(۲) البینة:۸۔

اللہ روزانہ کے ہوں گے بھی نہیں، اور اس تسبیح کے علاوہ جتنے
نیک کام کئے ہوں گے ان کا ثواب علیحدہ نقل میں رہا، مولانا!
اس حدیث کے مطالعہ کے بعد میرے ذہن میں مختلف
خیالات پیدا ہوئے ہیں، اس لئے گزارش ہے کہ کیا واقعی یہ
حدیث صحیح ہے؟ (سکندر علی، خیریت آباد)

جواب:- یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷺ سے منقول ہے، اور صحیح ومعتبر ہے، امام ابوداؤدؒ نے اسے اپنی سنن میں نقل کیا ہے، (۱) حدیث میں ان دونوں باتوں کے اہتمام اور پابندی کی ترغیب دی گئی ہے، اور اسے جنت میں داخل ہونے کا سبب کہا گیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اس عمل کو وہی شخص پورا کرسکتا ہے جو پنج وقتہ نماز کا پورا اہتمام کرتا ہو اور اس کی خاص توجہ ذکر اور دعاء کی طرف ہو، ورنہ عام لوگ جو فرائض وواجبات سے غافل ہیں، اس کا اہتمام نہیں کرسکتے، اس لئے اس کو مبالغہ نہ سمجھنا چاہئے اور ہم لوگوں کی گناہ کی خوگر زندگی کے اعتبار سے یہ بہت آسان بھی نہیں، اس کے علاوہ آیات وروایات کو سامنے رکھ کر اہل علم کی رائے ہے کہ یہاں معاف ہونے والے گناہ سے وہ گناہ مراد ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو، اور وہ صغائر ہوں، کبیرہ گناہ اور حقوق الناس سے متعلق گناہ ان حسنات کی وجہ سے معاف نہیں ہوسکتے، الا یہ کہ جس انسان کے ساتھ حق تلفی ہوئی ہو، وہ خود معاف کردے، یا اللہ تعالیٰ اپنے

---

(۱) دیکھئے: سنن أبي داؤد، کتاب الأدب، حدیث نمبر: ۵۰۶۵۔

" عن النبي ﷺ قال: خصلتان، أو خلتان لا يحافظ عليهما عبد مسلم إلا دخل الجنة، هما يسير، ومن يعمل بهما قليل، يسبح في دبر كل صلاة عشرا، ويحمد عشرا، و يكبر عشرا، فذلك خمسون و مائة باللسان، و ألف و خمسمائة في الميزان، و يكبر أربعا و ثلاثين إذا أخذ مضجعه و يحمد ثلاثا و ثلاثين، و يسبح ثلاثا وثلاثين، فذلك مائة باللسان، و ألف في الميزان" عن عبد الله بن عمرو ﷺ، (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۵۰۶۵، باب في التسبيح عند النوم، كتاب الأدب) محشی۔

فضل وکرم سے کبائر کو بھی معاف فرمادے کہ وہ غفور ورحیم اور عفو وکریم ہے، اور اس کی بارگاہِ عفو میں کوئی کمی نہیں، ایسی حدیثوں کے بارے میں غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے، بلکہ ان کو صحیح پس منظر میں دیکھنا چاہئے۔

ظہر سے پہلے چار رکعت کی فضیلت سے متعلق حدیث

سوال:- {212} ایک حدیث میں پڑھا کہ ظہر سے پہلی چار رکعت پڑھنے کا ثواب ایسا ہے جیسا کہ تہجد کی نماز کا، کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو ظہر سے پہلے کی سنت مراد ہے، یا چاشت کی نماز؟ (شملہ فرحت، مشیرآباد، ایکس روڈ)

جواب:- حدیث میں یہ مضمون آیا ہے، علامہ ہیثمیؒ نے یہ روایت طبرانی کے واسطہ سے حضرت براء بن عازب ﷺ اور حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے نقل کی ہے، گو ان دونوں کی روایت میں راویوں پر محدثین کو کلام ہے، (۱) —— لیکن اس مضمون کی کئی روایتوں کی موجودگی کی وجہ سے یہ حدیث مقبول ومعتبر ہے، پھر حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ کا قول ان کے تلامذہ نے نقل کیا ہے، کہ دن کی کوئی نماز رات کی نمازِ تہجد کے برابر نہیں، سوائے ظہر کے پہلے کی چار رکعت کے، (۲) —— اس کی سند محدثین کے نزدیک مقبول ہے، ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ

---

(۱) "عن البراء بن عازب ﷺ عن النبي ﷺ قال : من صلى قبل الظهر أربع عكعات كمن تهجد بهن من ليلة و من صلاهن بعد العشاء كن كمثلهن من ليلة القدر" (مجمع الزوائد ، حدیث نمبر:۳۳۲۲، كتاب الصلاة)

"عن ابن عباس ﷺ قال : فقال ابن عباس يا رسول الله ﷺ ! ما هذه الصلاة التي تصليها و لا نصليها ؟ قال ﷺ : من صلاهن من أمتي فقد أحيا ليلة تفتح أبواب السماء و يستجاب منها الدعاء" (مجمع الزوائد ، حدیث نمبر:۳۳۱۸، كتاب الصلاة) محشی۔

(۲) الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۳۱۲۸، باب و من سورة النحل ، كتاب التفسير)

بن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ بات اپنی رائے سے نہیں کہی ہوگی کہ اس مسئلہ میں اجتہاد ورائے کا کوئی دخل نہیں، یقیناً آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بات زبان رسالت مآب ﷺ سے سن کر ہی فرمائی ہوگی۔

چونکہ احادیث میں ظہر سے پہلے کا ذکر آیا ہے، اس لئے اس سے سنت ظہر ہی مراد ہونی چاہئے، کیونکہ چاشت کی نماز تو زوال سے بھی پہلے ہے۔

جس کا میں مولیٰ ہوں علی رضی اللہ عنہ اس کے مولیٰ ہیں

سوال:- {213} خصوصی سپلیمنٹ میلادِ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں ارشادات نبوی ﷺ میں یہ حدیث آئی ہے کیا یہ صحیح ہے؟ "غدیر خم کے تاریخی موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جس کا میں مولی ہوں، علی رضی اللہ عنہ اس کے مولی ہیں"

(جیلانی بیگم، قاضی پورہ)

جواب:- یہ حدیث صحیح اور معتبر ہے، اور متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے، امام ترمذیؒ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو نقل کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے، "هذا حديث حسن صحيح" (۱) امام احمدؒ اور ابن ماجہؒ نے یہی روایت حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔ (۲)

---

(۱) "عن النبي ﷺ قال : " من كنت مولاه فعلي مولاه "عن زيد بن أرقم رضی اللہ عنہ، الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۳۷۱۳، قال أبو عيسى : هذاحديث حسن غريب ، باب مناقب علي بن أبي طالب ، كتاب المناقب ۔ محشی۔

(۲) مسند لإمام احمد ، حدیث نمبر:۳۰۶۱، ۳۰۶۲، عن ابن عباس رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر: ۶۴۱، ۹۶۰، عن علي رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر:۱۹۲۲۷، عن زيد بن أرقم رضی اللہ عنہ ، سنن ابن ماجة ، حدیث نمبر:۱۲۱، عن سعد بن أبي وقاص رضی اللہ عنہ ، باب فضل علي بن أبي طالب ، كتاب السنة ۔ محشی۔

چھپکلی مارنے سے متعلق حدیث

سوال:- {214} میں نے "ذخیرۂ معلومات" قسط اول میں پڑھا ہے کہ گرگٹ حضرت ابراہیم ﷺ کی آگ میں پھونک مار رہا تھا، جس کی بنا پر آپ ﷺ نے گرگٹ کو پہلے وار میں مارنے پر سو نیکیوں کا وعدہ فرمایا ہے، کیا یہ بیان درست ہے؟　(نازیہ پروین، مزمل مارکٹ)

جواب:- یہ مضمون صحیح احادیث میں آیا ہے کہ چھپکلی کو مارنا چاہئے، مسلم کی روایت میں پہلی ضرب میں چھپکلی کو مارنے پر سو نیکیوں کا ذکر ہے، (۱) جب کہ سنن ابوداؤد کی روایت میں ستر نیکیوں کا ذکر ہے، (۲) گویا تعداد کی تحدید مقصود نہیں، بلکہ کثرت کا اظہار مقصود ہے کہ اس پر بہت سارا اجر وثواب ہے، جہاں تک آگ میں پھونکنے کی بات ہے، تو امام بخاریؒ نے حضرت ام شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کو نقل کیا ہے: "کان ینفخ علی إبراهیم" (۳) نیز اس کے مضرت رساں اور تکلیف دہ ہونے کا ذکر ہے۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ کی روایت میں آپ ﷺ کے ارشاد میں یہ اضافہ نقل کیا گیا ہے: "سماه فویسقا" (۴)

---

(۱) " عن النبي ﷺ : من قتل وزغا في أول ضربة كتبت له مائة حسنة " عن أبي هريرة ﷺ، (صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۴۰، باب استحباب قتل الوزغ) محشی۔

(۲) " عن النبي ﷺ أنه قال : في أول ضربة سبعين حسنة " عن أبي هريرة ﷺ (سنن أبي داؤد، حدیث نمبر: ۵۲۶۴، باب في قتل الأوزغ، كتاب الآداب، نیز دیکھئے: صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۴۰، باب استحباب قتل الوزغ، كتاب السلام) محشی۔

(۳) صحیح البخاري، حدیث نمبر: ۳۳۵۹، نیز مسند احمد میں بھی یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کی گئی ہے، دیکھئے: کنز العمال، حدیث نمبر: ۴۰۰۲۱۔

(۴) " أن النبي ﷺ أمر بقتل الوزغ، و سماه فويسقا " عن عامر بن سعيد، عن أبيه، (صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۳۸، باب استحباب قتل الوزغ، كتاب السلام) محشی۔

یعنی آپ ﷺ نے اس کو ''فویسق'' کا نام دیا، فویسق جانوروں میں تکلیف دہ اور مضرت رساں جانوروں کو کہتے ہیں۔

اطباء کا خیال ہے کہ چھپکلی سے برص کی بیماری پیدا ہوتی ہے، نیز اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ چھپکلی میں زہریلا مادہ بھی ہوتا ہے، اگر کھانے وغیرہ میں پڑ جائے تو بعض اوقات انسان کے لئے باعث ہلاکت بھی بن جاتا ہے، اور جسم کے کم ہونے اور دیواروں اور چھتوں پر چڑھنے کی صلاحیت کی وجہ سے اس کی پہنچ ہر جگہ ہوتی ہے؛ اس لئے اس کی طبعی شقاوت اور انسانی صحت کے نقطۂ نظر سے رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم فرمایا ہے۔

''إن الرقية والتمائم...'' کی تحقیق

سوال:- (215) آج کل تعویذات لٹکانے کا رواج بہت عام ہے، اور کثرت سے لوگ اپنے مسائل کے لئے عامل حضرات کی طرف رجوع کرتے ہیں، میں نے سنا ہے کہ یہ تعویذ گنڈے جائز نہیں ہیں، بلکہ یہ شرک ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے مروی ہے: ''إن الرقية والتمائم والتولة شرك '' اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

(محمد عالمگیر، گولکنڈہ)

جواب:- حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی یہ روایت ابوداؤد، ابن ماجہ اور حدیث کی بعض دوسری کتب میں بھی مروی ہے، (۱) ''رقی'' عربی قواعد کے لحاظ سے ''رقیۃ'' کی جمع ہے، اور اس کے معنی جھاڑ پھونک کے ہیں، عرب اپنے بچوں کو نظر بد سے بچانے کے لئے دھاگہ میں گھونگا پرو کر پہنایا کرتے تھے، اسے ''تميمة'' کہتے ہیں، اس کی جمع ''تمائم'' ہے، ''التولة''

(۱) سنن أبي داؤد :۵۴۲/۱، باب في تعليق التمائم ، سنن ابن ماجة : ص:۲۵۲، باب تعليق التمائم ۔ محشی۔

(''ت'' کے زیر اور ''د'' کے زبر کے ساتھ) جادو یا جادو کا سا عمل تھا، بعض شارحین نے لکھا ہے کہ یہ کوئی خاص عمل تھا، جسے عورتیں شوہر کو اپنے قابو میں رکھنے کے لئے کیا کرتی تھیں۔(۱) اس روایت میں ان چیزوں کو شرک قرار دیا گیا ہے، شرک یہ ہے کہ اللہ کی ذات یا صفات میں کسی کو اس کا ہمسر اور شریک سمجھا جائے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ موجود ہے کہ لوگ ان چیزوں کے بارے میں یہ سمجھتے تھے کہ یہ بالذات نافع اور شفاء دینے والے ہیں، اس لئے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

جہاں تک تعویذ کا مسئلہ ہے تو لوگ اس سلسلہ میں افراط وتفریط میں مبتلا ہیں، کچھ لوگ وہ ہیں جن کو ان چیزوں پر زیادہ اعتقاد ہے کہ وہ ان ہی کو مؤثر خیال کرتے ہیں، اس غلو کا نتیجہ یہ ہے کہ بیماریوں میں علاج کے بجائے ضعف اعتقاد کی وجہ سے عاملوں کے پاس دوڑتے رہتے ہیں، بعض عامل حضرات بھی جھاڑ پھونک اور تعویذات میں مشرکانہ عبارتیں لکھتے اور پڑھتے ہیں، یہ واقعی شرک ہے، اور کسی مسلمان کے لئے ایسے عمل کا ارتکاب یا اس پر راضی رہنا شرمناک اور ناقابل تصور ہے۔

دوسری طرف کچھ لوگ اس کو سرے سے ناجائز اور بہرصورت شرک قرار دیتے ہیں، یہ بھی درست نہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جھاڑ پھونک کی اجازت دی ہے:

"رخص رسول الله صلى الله عليه وسلم في الرقية من العين" (۲)

اس کو امام مسلمؒ اور ترمذیؒ وغیرہ نے روایت کیا ہے، حضرت شفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی

(۱) دیکھئے: نیل الأوطار: ۱۳/۸۔

(۲) صحيح مسلم: ۲۲۳/۲، باب استحباب الرقية من العين و النملة و العمة، الجامع للترمذي: ۲۶/۲، باب ما جاء في الرقية في ذلك۔

ہیں، کہ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ''جیسے تم نے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کتابت سکھائی ہے، ایسے ہی نملہ نامی بیماری کا جھاڑ پھونک بھی سکھادو'' (۱) اس کو ابوداؤد کے علاوہ امام محمدؒ نے بھی اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ اس طرح کی متعدد روایتیں منقول ہیں، بعض میں یہ بھی ہے کہ کسی صحابی ﷺ نے جھاڑ پھونک کی اجازت چاہی، تو آپ ﷺ نے ان سے پڑھوا کر سنا اور جب اس میں کوئی قابلِ اعتراض بات نہ دیکھی تو یہ کہہ کر اجازت مرحمت فرمائی کہ اگر کلمۂ شرک نہ ہو تو جھاڑ پھونک میں حرج نہیں: '' لابأس بالرقی مالم یکن فیه شرك '' (۲) اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر کوئی مشرکانہ کلمہ موجود نہ ہو، اور نہ اس کے پیچھے مشرکانہ خیال کارفرما ہو، کہ انسان جھاڑ پھونک اور تعویذ ہی کو اصل شافی اور مؤثر جاننے لگے تو اس میں کچھ حرج نہیں، علامہ شوکانیؒ نے بھی ایسی صورت میں اس کو جائز قرار دیا ہے:

" فیه دلیل علی جواز الرقی والتطیب بما
لاضرر فیه ولا منع من جهة الشرع " (۳)

جہاں تک لکھے ہوئے تعویذ کی بات ہے تو اصل تو یہی ہے کہ دعائیں پڑھی جائیں، یا انہیں دَم کیا جائے، لیکن اس کے ناجائز ہونے یا اس کو شرک کہنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، بشرطیکہ کوئی مشرکانہ بات نہ لکھی گئی ہو، یا کسی ایسی بات نہ لکھی گئی ہو، جس کا معنی معلوم نہ ہو، کیونکہ اس کا امکان موجود ہے کہ شاید اس میں غیر اللہ سے مدد چاہی گئی ہو اور مشرکانہ مضمون شامل ہو۔

لکھے ہوئے تعویذ کا ثبوت حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ﷺ کے عمل سے ملتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے نیند میں ڈر جانے کے موقع پر پڑھنے کے لئے ایک دعا سکھائی تھی، یہ بڑی جامع دعا ہے، جس میں ہر طرح کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی گئی ہے، حضرت عبداللہ ﷺ

---

(۱) سنن أبي داؤد: ۵۴۲/۲، باب الرقی۔ محشی۔
(۲) صحیح مسلم: ۲۲۴/۲، باب ما جواز أخذ الأجرة علی الرقیة بالقرآن، سنن أبي داؤد: ۵۴۲/۲، باب الرقی۔
(۳) دیکھئے: نیل الأوطار: ۲۱۴/۸۔

اپنے بچوں کو اسے یاد دلایا کرتے تھے، اور جو نابالغ ہوتے ان کے لئے لکھ دیتے اور ان کے گلے میں لٹکا دیتے۔(۱) ظاہر ہے یہ صحابی ﷺ کا عمل ہے اور اگر بچوں کی گردن میں تعویذ لٹکا ہوا ہوتو اس پر مختلف لوگوں کی نگاہ پڑتی ہی ہے، اس لئے یقیناً اسے دوسرے صحابہ ﷺ نے بھی دیکھا ہوگا، پس اگر یہ عمل غلط ہوتا تو حضرت عبداللہ ﷺ اسے کیوں کر کرتے اور دوسرے صحابہ ﷺ اس پر کیسے سکوت اختیار فرماتے؟

علامہ ابن تیمیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں نقل کیا ہے کہ عورت کو ولادت میں دشواری پیش آتی تو وہ دعا لکھتے جسے دھو کر اسے پلایا جاتا اور ناف کے نیچے اس کا چھڑکاؤ کیا جاتا، بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ کاغذ میں لکھتے، جسے عورت کے بازو پر باندھ دیا جاتا، (۲) سلفِ صالحین بھی عام طور پر اس کے جواز کے قائل رہے ہیں، سعید بن مسیبؒ جو محدثین کے یہاں سب سے جلیل القدر تابعی سمجھے گئے ہیں، فرماتے ہیں کہ اگر چمڑے پر دعا لکھ کر لٹکائی جائے تو حرج نہیں، امام مجاہدؒ کے بارے میں منقول ہے کہ ابن سیرینؒ، ضحاکؒ اور متعدد فقہاء و محدثین سے تعویذ کا لکھنا اور اس کے جواز کا قائل ہونا منقول ہے۔(۳)

اس موقع پر محی السنۃ مجددِ اسلام علامہ ابن تیمیہؒ کی رائے نقل کرنا بھی مناسب محسوس ہوتا ہے، فرماتے ہیں:

"یجوز أن یکتب للمصاب وغیرہ من الرقی شیئا من کتاب اللّٰہ وذکرہ بالمداد المباح ویغسل ویسقی کما نص علی ذلک أحمد وغیرہ" (۴)

---

(۱) مصنف ابن أبي شيبة: ۳۹/۸۔

(۲) فتاوی ابن تیمیة: ۶۴/۱۹۔

(۳) دیکھئے: تکملة فتح الملهم: ۳۱۷/۴۔

(۴) فتاوی ابن تیمیة: ۶۴/۱۹۔

"جو شخص بیمار یا کسی اور مصیبت میں مبتلا ہو، اس کے لئے
کتاب اللہ یا اللہ کے ذکر پر مشتمل کوئی چیز پاک روشنائی سے
لکھنا اور اسے دھوکر پلانا جائز ہے، جیسا کہ امام احمدؒ اور
دوسرے علماء نے اس کی تصریح کی ہے"

خلاصہ یہ ہے کہ مشرکانہ مضمون پر مشتمل نہ جھاڑ پھونک جائز ہے اور نہ تعویذ، اسی طرح مجہول قسم کی عبارت جس میں غیر شرعی معنوں کا امکان موجود ہو، وہ بھی جائز نہیں، تعویذ یا جھاڑ پھونک کو مؤثر حقیقی اور اصل شفاء دہندہ خیال کر لینا درست نہیں، اور یہ عقیدۂ توحید کے منافی ہے، اگر جھاڑ پھونک اور تعویذ، قرآنی آیات، رسول اللہ ﷺ سے منقول اذکار اور دعاؤں، نیز اس کے مماثل مضامین پر مشتمل ہو، اور ان کو دنیا کے دوسرے اسباب کی طرح محض ظاہری سبب خیال کیا جائے، اصل یقین خدا کی قدرت اور اس کے شافی ہونے پر ہو، تو جائز ہے، رسول اللہ ﷺ کا اپنا عمل صرف زبان سے جھاڑ پھونک کا رہا ہے نہ کہ تعویذ لکھوانے کا، اس لئے بہتر ہے کہ دعائیں پڑھی جائیں اور پڑھ کر اپنے آپ پر یا دوسروں پر دَم کیا جائے، لیکن گنجائش لکھنے اور لکھ کر خود پہننے یا دوسروں کو دینے کی بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

"من ترك الجمعة ثلاث مرات ..." کی تحقیق

سوال:- (216) ایک صاحب نے کہا کہ جو آدمی مسلسل تین جمعہ ادا نہیں کرتا اس کے دل میں مہر لگادی جاتی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ (محمد خواجہ، جہاں نما)

جواب:- یہ بات درست ہے، اور صحیح حدیث میں یہ مضمون آیا ہے، حضرت ابوالجعد ضمری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من ترك الجمعة ثلاث مرات تهاونا بها طبع

اللّٰہ علی قلبہ"(۱)

''جس نے تین دفعہ کاہلی کی بناء پر جمعہ چھوڑ دیا، اللہ تعالی اس کے دل پر مہر لگادیتے ہیں''

مہر لگانے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کے بارے میں اندیشہ ہے کہ نیکی کی توفیق سے محروم ہوجائے، اور اس سے بڑھ کر کوئی محرومی نہیں ہوسکتی، اس لئے تمام فرض نمازوں کا اور خصوصیت سے نماز جمعہ میں شرکت کا اہتمام کرنا چاہئے۔

آیات واحادیث والے ناقابلِ استعمال اوراق

سوال:- {217} آپ اکثر اخبارات میں یہ مشورہ دیا کرتے ہیں کہ'' قرآنی آیات، احادیث اور دیگر دینی مضامین آپ کے علم وعمل میں اضافہ کے لئے شائع کئے جاتے ہیں، ان کا ادب واحترام آپ کا مذہبی فریضہ ہے'' جب سے آپ کا یہ اشتہار پڑھا ہے، وہ تمام اخبارات جن میں قرآنی آیات احادیث اوردینی مضامین ہوتے ہیں، پڑھنے کے بعد انہیں تقریبا دو سال سے میں نے احتیاط کے ساتھ جمع کرنا شروع کردیا ہے، ان جمع شدہ اخبارات کا اتنا ذخیرہ ہوگیا ہے کہ ان میں مزید اضافہ ناممکن سا ہوگیا ہے، برائے مہربانی ان اخبارات کے انبار کو تلف کرنے کا طریقہ شائع فرمائیں، تو نوازش ہوگی۔ (عظمت اعجاز، نارائن گوڑہ)

جواب:- اگر ان کی تجلید کرکے محفوظ کرنا ممکن ہو تو یہ زیادہ بہتر ہے، اس میں ان

(۱) الجامع للترمذي، حدیث نمبر:۵۰۰، باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر، كتاب الجمعة۔

اوراق کا احترام بھی ہے، اور آپ کے لئے اور آنے والی نسلوں کے لئے نفع بھی، لیکن اگر اس میں دشواری ہو، تو ان کاغذات کو کسی پاک صاف کپڑے میں لپیٹ کر ایسی جگہ دفن کر دیا جائے، جو لوگوں کی عام گزرگاہ نہ ہو۔

" المصحف اذا صار خلقا لا يقرأ منه يخاف أن يضيع يوضع في خرقة طاهرة ويدفن " (۱)

مسجدوں میں فضائل اعمال پڑھنا

سوال:- {218} ہماری مسجد جس میں ہم لوگ نماز ادا کرتے ہیں، شانتی نگر میں واقع ہے، یہاں عرصہ سے بعض نمازوں کے بعد "فضائل اعمال" (تالیف: شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ) پڑھی جاتی ہے، بعض حضرات کو اس کتاب پر اعتراض ہے، ان کا کہنا ہے کہ اس میں ضعیف حدیثیں ہیں، اس لئے یہ کتاب نہیں پڑھنی چاہئے، اگر اس کے بجائے بخاری شریف کا اردو ترجمہ پڑھ دیا جائے تو زیادہ بہتر ہے، اس پس منظر میں آپ سے دریافت طلب بات یہ ہے کہ

(الف) کیا مسجدوں میں "فضائل اعمال" کا پڑھنا درست ہے؟

(ب) کیا عوام کے لئے اس کتاب کے بجائے بخاری شریف کا ترجمہ سنا دینا زیادہ مناسب ہوگا؟ کیونکہ اس میں صحیح اور معتبر حدیثیں آئی ہیں۔ (عطاء الرحمان انجم، اے، سی، گارڈ)

جواب:- (الف) نماز کے بعد لوگوں کی اصلاح کے نقطۂ نظر سے ان کو نیک اعمال

(۱) الفتاوی الهندية :۵/۳۲۲۔

کے بارے میں ترغیبی مضامین سنانا بہتر اور باعث اجر وثواب ہے، اس نقطۂ نظر سے ''فضائل اعمال'' نامی کتاب کا سنانا مناسب ہے، فضائل اعمال میں وہی مضامین ذکر کئے گئے ہیں، جو پوری امت کے درمیان متفق علیہ ہیں، نہ ان میں سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلاف رہا ہے اور نہ مسلمانوں کے ان مختلف حلقوں کے درمیان ان کی بابت کوئی اختلاف ہے جن میں آج نقطۂ نظر کا اختلاف ہے، کیونکہ اس کتاب میں نماز، ذکر، علم، انفاق اور حج وغیرہ کی فضیلت کا ذکر ہے، اور ان امور کے دین میں مطلوب ومرغوب ہونے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں، اس لئے اس پہلو سے بھی یہ ایک مناسب کتاب ہے۔

جہاں تک ضعیف حدیثوں کی بات ہے، تو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ حدیث ضعیف اور ''موضوع'' میں فرق ہے، موضوع کے معنی گھڑی ہوئی بات کے ہیں، جس روایت کے بارے میں محدثین کی رائے ہو کہ یہ موضوع روایت ہے، یعنی اس روایت کے نقل کرنے میں کوئی ایسا راوی بھی موجود ہے کہ جو حدیثیں گھڑا کرتا تھا، تو اس کو یہ بتائے بغیر کہ یہ بے اصل روایت ہے، نقل کرنا بھی جائز نہیں، نہ شرعی احکام اور فقہی مسائل میں، نہ ترغیب وترہیب اور فضائل میں، چنانچہ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

"(تحرم روايته مع العلم به) أى بوضعه (في أي معنى كان) سواء الأحكام والقصص والترغيب وغيرها، (إلا مبينا) أى مقرونا ببيان وضعه " (۱)

''کسی روایت کے موضوع ہونے کا علم رکھنے کے باوجود کسی بھی امر کے بارے میں اس کی روایت حرام ہے، چاہے احکام، قصص، واقعات اور ترغیب وغیرہ ہی کیوں نہ ہو،

(۱) تدریب الراوی: ۲۳۲/۱۔

سوائے اس کے کہ اس حدیث کو نقل کرنے کے ساتھ ساتھ
اس کا موضوع ہونا بھی واضح کر دیا جائے''

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو میری نسبت سے ایسی بات نقل کرے جس کے بارے میں اسے معلوم ہو کہ وہ جھوٹی بات ہے، تو وہ بھی دو جھوٹ بولنے والوں میں سے ایک ہے: ''من حدث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين '' (۱)

ہاں! بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی مضمون، ایک معتبر سند سے بھی منقول ہوتا ہے، اور وہی دوسری سند سے بھی منقول ہوتا ہے جس کے راوی پر حدیث میں جھوٹ بولنے کا الزام ہو، ایسی صورت میں دوسرے مستند ذریعہ سے بھی اس مضمون کے منقول ہونے کی وجہ سے اس سے نقل کرنا درست ہے، کیونکہ یہ موضوع روایت کا نقل کرنا نہیں ہے، بلکہ ایک ایسی بات کا نقل کرنا ہے جو معتبر ذریعہ سے بھی منقول ہے، البتہ کچھ جھوٹے لوگوں نے بھی اس روایت کو دہرایا ہے۔

جس حدیث کے راوی کا حافظہ کمزور ہو، یا حدیث میں جھوٹ بولنے کے سوا کسی اور وجہ سے اس کی روایت قبول نہ کی گئی ہو، یا راویوں کے سلسلہ میں کہیں خلاء ہو، جیسے ''الف'' نے ''ب'' سے روایت نقل کی حالانکہ ''الف'' کی ''ب'' سے ملاقات ثابت نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ بیچ میں کوئی اور شخص واسطہ ہے جس کا ذکر نہیں آیا ہے، وہ شخص راست گوئی میں معتبر اور قابلِ بھروسہ بھی ہو سکتا ہے، اور نا قابلِ اعتبار بھی، ایسی روایتوں کو ''ضعیف'' کہا جاتا ہے، راویوں کے حالات کے اعتبار سے کبھی حدیث زیادہ ضعیف سمجھی جاتی ہے، اور کبھی کم، اور ظاہر ہے کہ اس کا علم دوسرے لوگوں کو محدثین اور اس فن کے ماہرین ہی سے حاصل ہو سکتا ہے، ----- پھر ان میں بعض ضعیف حدیثیں ایسی ہوتی ہیں کہ قرآن مجید یا صحابہ کے تعامل سے اس کے مضمون کی تائید ہوتی ہے، تو اس تائید کی وجہ سے وہ ضعیف حدیثیں بھی اپنے مضمون کے لحاظ سے معتبر مانی جاتی

(۱) صحيح مسلم: ۱/۶، باب وجوب الرواية عن الثقات و ترك الكذابين و التحذير من الكذب على رسول الله ﷺ - محشی۔

ہیں، اسی لئے اس فن کے ماہرین نے لکھا ہے کہ" اگر کسی حدیث کی سند کو غیر معتبر قرار دیا جائے، تو یہ اس مضمون کے بارے میں رائے نہیں سمجھی جائے گی، کیونکہ اگر قرآن وغیرہ سے اس کی تائید و توثیق مل جاتی ہو، تو اسے معتبر ما جائے گا، چنانچہ اصول حدیث کے بہت بڑے ماہر علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں:

"وعلی کل حال فالتقیید بالإسناد لیس صریحا في صحة المتن وضعفه بل هو علی الإحتمال" (۱)

"بہر حال! اگر حدیث کی سند کو صحیح کہا جائے، تو یہ مضمون حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کی صراحت نہیں سمجھی جائے گی، بلکہ اس میں احتمال ہوگا"۔

جو حدیثیں ضعیف ہوں اور قرآن نیز صحابہ کے تعامل وغیرہ سے اس کے مضمون کی تائید نہ ہوتی ہو، تو حلال وحرام، جائز و ناجائز کے بیان میں، تو ان روایات کا اعتبار نہیں، لیکن دو موقعوں پر اعتبار ہے:

اول:- ایسے احکام میں جن کا تعلق احتیاط سے ہو، یعنی اگر اس روایت میں کسی بات کو مستحب قرار دیا گیا ہو، تو احتیاطا اس پر عمل کر لیا جائے، اور کسی بات سے منع کیا گیا ہو تو احتیاطا اس سے بچا جائے۔" ویعمل بالضعیف أیضا في الأحکام إذا کان فیه احتیاط "(۲)

اسی لئے مشہور محدث اور فقیہ علامہ ابن ہمامؒ نے لکھا ہے کہ

"الإستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع"(۳)

(۱) فتح المغیث :۱/۱۰۷۔

(۲) تدریب الراوی :۱/۲۵۳۔

(۳) فتح القدیر :۱/۴۶۷، کتاب الجنائز۔

''اگر حدیث صرف ضعیف ہو، موضوع نہ ہو، تو اس سے بھی
کسی بات کا مستحب ہونا ثابت کیا جاسکتا ہے''

دوسرے:- جن کاموں کے کرنے کا حکم یا کرنے کی ممانعت قوی دلیلوں سے ثابت ہو، اگر ایسی ضعیف حدیثیں ان ہی احکام کی ترغیب اور ترہیب سے متعلق ہوں، تو ان کا نقل کرنا بھی درست ہے، اور وہ بھی ایک درجہ میں معتبر ہیں، چنانچہ علامہ سخاویؒ نقل کرتے ہیں:

" الخبر إذا ورد لم يحرم حلالا ، ولم يحل
حراما ، ولم يوجب حكما وكان في ترغيب أو
ترهيب أغمض عنه و تسهل في رواته " (۱)

''جب کوئی ایسی حدیث وارد ہو جو کسی حلال کو حرام یا کسی
حرام کو حلال نہ ٹھہراتی ہو، نہ کسی حکم کو واجب قرار دیتی ہو،
اور ترغیب یا ترہیب سے متعلق ہو تو اس سے چشم پوشی کی
جائے گی، اور اس کے روایت کرنے کی گنجائش ہوگی''۔

اس سے معلوم ہوا کہ فضائل اعمال اور ترغیب و ترہیب میں ایسی حدیثوں کا نقل کرنا درست ہے، جو موضوع اور زیادہ ضعیف نہ ہوں، نیز کسی روایت کی سند میں ایسا راوی ہو جو حدیث گھڑا کرتا تھا، لیکن دوسری سند سے بھی وہ مضمون ثابت ہو اور وہ سند ایسی گئی گزری نہ ہو، تو اس روایت کا بھی نقل کرنا جائز ہے، نیز اگر کوئی ضعیف حدیث قرآن مجید اور صحابہ ؓ کے تعامل کے مطابق ہو تو وہ حدیث بھی معتبر ہوگی۔

اس تفصیل کی روشنی میں فضائل اعمال (تالیف: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ) کے پڑھنے اور سننے کو روکنا اسی وقت درست ہوگا جب کہ اس میں نہ صرف ضعیف بلکہ موضوع حدیثیں ہوں، اور وہ مضمون قرآن اور صحیح حدیثوں سے ثابت نہ ہوں، نیز محدثین اس

(۱) فتح المغيث: ۳۳۲/۱۔ محشی

کے موضوع ہونے پر متفق ہوں، لیکن حقیقت حال یہ نہیں ہے، اولاً تو اس کتاب میں اکثر صحیح احادیث ہیں، جو بخاری و مسلم اور دوسری مستند کتابوں سے نقل کی گئی ہیں، جو ضعیف ہیں، وہ فضائل اور ترغیب وترہیب سے متعلق ہونے کی وجہ سے خود محدثین کے یہاں معتبر مانی گئی ہیں، بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن کو بعض حضرات نے موضوع قرار دیا ہے، لیکن ان کے موضوع ہونے پر محدثین کا اتفاق نہیں، پھر بھی مصنفؒ نے احتیاطاً ایسی حدیثوں کو نقل کرتے ہوئے عربی عبارتوں میں اس حدیث کے بارے میں دونوں طرح کی رائیں نقل کردی ہیں، یہ مصنفؒ کی احتیاط ہے، اور یہ جو حدیثیں نقل کی گئی ہیں ان سے امت کے ایک بڑے طبقے کی اصلاح ہو رہی ہے، ان میں عبادات اور نہ صرف فرائض وواجبات بلکہ سنن و مستحبات کا بھی ذوق پیدا ہو رہا ہے، اس لئے اس کتاب کے پڑھنے اور سننے میں کچھ حرج نہیں، بلکہ دینی نفع ہے، اور یہ دعوت وتذکیر کی ایسی آسان صورت ہے، جس سے عام سے عام آدمی بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

(ب) جہاں تک بخاری شریف کے اردو ترجمہ کی بات ہے تو ظاہر ہے کہ بخاری حدیث کا مستند ترین مجموعہ ہے اور مسلمانوں کو ضرور ایسی چیزوں کا مطالعہ کرنا چاہئے، لیکن ایسی حدیثیں بھی ہیں، جو منسوخ ہیں، یعنی حضور ﷺ نے ایک زمانہ میں کسی بات کا حکم دیا، یا اس سے منع فرمایا، یا اس کی اجازت دی، بعد کو آپ ﷺ نے اس کی جگہ دوسری ہدایت ارشاد فرمائی، جیسے کوئی چیز ممنوع تھی، اس کی اجازت مرحمت فرمائی، یا جائز تھی، اور اس کو بعد میں ناجائز قرار دیا گیا، محدثین کا طریقہ یہ ہے کہ چونکہ وہ حضور ﷺ کے تمام اقوال وافعال کو جمع کرتے ہیں، اس لئے دونوں طرح کی حدیثیں نقل کرتے ہیں، اور بعض اوقات پڑھنے والوں کے فہم پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی وضاحت نہیں کرتے کہ کون حکم پہلے کا ہے اور کون بعد کا؟ اسی طرح بعض حدیثوں میں وضاحت ضروری ہوتی ہے، جیسے بخاری میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین کذب کا ذکر ہے، (۱)

---

(۱) قال رسول الله ﷺ: لم يكذب إبراهيم إلا ثلاثا! عن أبي هريرة ؓ صحيح البخاري، حدیث نمبر ۳۳۵۷، تفصیل کے لیے دیکھئے: حدیث نمبر: ۲۲۱۷۔ محشی۔

کذب کے معنی عام طور پر جھوٹ کے آتے ہیں، لیکن یہاں جھوٹ کا معنی مراد نہیں، بلکہ ایسی بات کہنا مراد ہے کہ مخاطب کچھ اور سمجھے اور بولنے والا کچھ اور مراد لے، اس کو عربی زبان میں ''توریہ'' بھی کہا جاتا ہے،(۱) ظالم کے ظلم سے بچنے کے لئے ایسی بات کہنا جائز ہے،(۲) اسی طرح بعض دفعہ کتاب میں پوری حدیث اور اس کا پس منظر منقول نہیں ہوتا، بلکہ محض حدیث کا ایک ٹکڑا نقل کیا جاتا ہے، اگر پورا پس منظر سامنے نہ ہو، تو محض اس ٹکڑے سے غلط فہمی بھی ہوسکتی ہے، اس لئے میری ذاتی رائے ہے کہ کسی حدیث کی کتاب کا صرف ترجمہ (جس کے ساتھ وضاحت اور تشریح نہ ہو) کو علماء سنائیں تو اس کی گنجائش ہے، بشرطیکہ وہ ایسے قابلِ وضاحت امور کو واضح کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں، عوام اگر اپنے طور پر ایسی کتاب کو سنیں اور سنائیں تو غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، بلکہ ہوسکتا ہے کہ کچے ذہن کے لوگ شکوک وشبہات میں پڑ جائیں، اور ظاہر ہے کہ یہ بہت ہی بدنصیبی، دین وایمان کے نقصان وخسران کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

اخیر میں آپ کے واسطہ سے آپ کے دوسرے احباب اور مسجد کے مصلیان سے خواہش ہے کہ یہ ایسا زمانہ ہے جس میں مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ متحد ہوکر اور ایک دوسرے کا اکرام کرتے ہوئے رہنے کی ضرورت ہے، اور جہاں خیر کا جو کام جاری ہو اس کی تقویت پہونچانا اور امت کو دین کی بنیادی تعلیمات کی طرف لانا اور اس کے لئے ان کو مسجدوں سے جوڑنا وقت کا سب سے اہم فریضہ ہے، آپ حضرات کوئی ایسا کام نہ کریں کہ اس میں تقویت کے بجائے خیر کے کاموں کو کمزور کرنے کا سبب بنے۔ وباللّٰہ التوفیق وھو المستعان ، وھو اعلم بالصواب۔

---

(۱) " التورية : و هي : أن تطلق لفظا ظاهرا (قريبا) في معنى ، تريد به معنى آخر (بعيدا)يتناوله ذلك اللفظ ، لكنه خلاف ظاهره " الموسعة الفقهية الكويتية : ۱۲/ ۲۲۸) مرتب۔

(۲) " الكذب مباح لإحياء حقه و دفع الظلم عن نفسه ، و المراد التعريض : لأن عين الكذب حرام " (الدر المختار مع رد المحتار :۹/ ۶۱۲) مرتب۔

قضاءِ عمری سے متعلق ایک بے اصل بات

سوال:- {219} ہمارے دوست کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کی نمازیں قضاء ہوگئی ہوں اور اس کو معلوم نہ ہو کہ کتنی نمازیں قضاء ہوگئی ہیں، تو وہ شخص شب دوشنبہ کو پچاس رکعت یعنی پچیس دوگانے نماز بہ نیت قضاءِ عمری ادا کرے، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ایک بار سورۂ اخلاص پڑھے تو خداوند تعالیٰ اس کی گزشتہ نمازوں کا کفارہ فرما دیتا ہے، خواہ اس نے ایک سو سال کی نمازیں کیوں نہ قضاء کی ہوں، کیا واقعی یہ حدیث شریف مستند ہے؟ (احمد سعید، منچریال)

جواب:- آپ نے جس روایت کا ذکر کیا ہے وہ میرے علم میں نہیں ہے، اور بظاہر یہ بے اصل روایت معلوم ہوتی ہے، اسی لئے علماء امت میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے، جتنی نمازیں فوت ہوگئی ہوں شرعاً تعداد کی رعایت کے ساتھ ان سب کی قضاء کرنا واجب ہے، امام غزالیؒ فوت شدہ نمازوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

"اگر اس نے کوئی نماز چھوڑ دی یا کوئی نماز ناپاک کپڑے میں ادا کی... تو آخری نماز سے قضاء کرے گا، اگر مدتِ بلوغ کے لحاظ سے فوت شدہ نماز کی تعداد کے بارے میں اسے شک ہو، تو جس کے ادا کر لینے کا یقین ہو، اسے چھوڑ دے اور باقی کو قضاء کرلے، وہ اس میں غلبۂ ظن پر عمل کر سکتا ہے اور تحری و اجتہاد کے ذریعہ غلبۂ ظن تک پہونچ سکتا ہے" ۔(۱)

(۱) إحياء العلوم: ۳۵/۴۔

رقعوں اور اخبارات میں حدیث

سوال:- {220} شادی بیاہ کے رقعوں اور اردو اخبارات میں حدیث شریف تحریر ہوا کرتی ہے، میں نے کئی بار ایسے کاغذات ازراہِ احترام زمین پر سے اٹھائے ہیں، کیا اس طرح احادیث کا لکھنا جائز ہے اور اس بے حرمتی کا ذمہ دار کون ہے؟ (قدیر خان، بانسواڑہ)

جواب:- دعوت ناموں یا اخبارات و رسائل میں حدیث لکھنے کا اصل مقصد دعوت و تذکیر کا ہے، اس طرح بہت سے لوگ حدیث اور اس کا ترجمہ پڑھ لیتے ہیں، بعض لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی توفیق بھی ہو جاتی ہے، اس لئے یہ گناہ نہیں ہے، بلکہ نیت کے اعتبار سے ثواب ہی کی امید ہے، فقہاء نے سکوں پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھنے کی اجازت دی ہے، کیونکہ اس کا مقصد اسم باری تعالیٰ کی اہانت نہیں۔

"لا بأس بكتابة اسم الله تعالى على الدراهم ؛ لأن قصد صاحبه العلامة لا التهاون ، كذا في جواهر الاخلاطي"(۱)

اس سے بھی اس کا جائز ہونا معلوم ہوتا ہے۔

حدیث سے غلط استدلال

سوال:-{221} ایک قبیلہ کے کچھ لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آب و ہوا نا موافق ہونے کی بناء پر ہم لوگ بیمار رہنے لگے ہیں، تو نبی

(۱) الفتاوى الهندية : ۳۲۳/۵۔

کریم ﷺ نے ان کو کچھ روز مدینہ میں جہاں صدقہ کی اونٹیاں تھیں، وہاں رہنے کو کہا اور ان اونٹیوں کی میگنیاں اور پیشاب پینے کو کہا، اس طرح کرنے سے وہ لوگ صحت مند ہو گئے، تو کیا حلال جانوروں کی مینگنیاں اور پیشاب دوا کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے؟ اگر واقعی ایسا ہے تو پھر حلال جانور کے خصیہ وغیرہ کھانے میں کیا ممانعت ہے؟

(محمد عبدالعزیز قریشی، باغ جہاں آراء)

جواب: - مرض اور مجبوری کے احکام الگ ہوتے ہیں، اور صحت واختیار کے احکام الگ، جیسے حالت صحت میں بلا عذر بیٹھ کر فرض نماز پڑھی جائے تو نماز نہیں ہوگی، اور حالتِ بیاری میں نماز درست ہو جائے گی، اسی طرح اگر آدمی کسی بیاری میں مبتلا ہو چکا ہو، کسی حرام یا ناپاک چیز سے اس کا علاج ممکن ہو اور کوئی حلال متبادل موجود نہ ہو تو ازراہِ علاج شی حرام کا استعمال بہ قدر ضرورت جائز ہے، جیسا کہ مذکورہ حدیث سے ثابت ہے، آپ نے جو صورت دریافت کی ہے وہ ایسی مجبوری کی نہیں ہے، اس لئے وہ جائز نہیں، اس بات کی وضاحت بھی مناسب ہوگی کہ مذکورہ حدیث میں پیشاب پینے کا ذکر ہے، مینگنی کھانے کا ذکر نہیں۔ (۱)

جمائی سے متعلق ایک حدیث کی تحقیق

سوال: - {222} جمائی آنے پر منہ پر ہاتھ نہ رکھنے سے شیطان منہ میں تھوک دیتا ہے، کیا یہ واقعی درست ہے؟

(محمد ریاض، وجے نگر کالونی)

---

(۱) "عن أنس ﷺ أن نـاسـا من عرينة قدموا المدينة فاجتوها فبعثهم رسول الله ﷺ فـي إبـل الصدقة وقال : أشربوا من ألبانها و أبوالها" (الـجامع للترمذي: ۲۴/۲، باب ما جاء في شرب أبواب الإبل) محشی۔

جواب:- یہ بات کہ منہ پر ہاتھ نہ رکھنے سے شیطان تھوک دیتا ہے، مجھے کسی حدیث میں نہیں ملی، البتہ حضرت ابو ہریرہ ﷺ کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ جب آدمی جمائی لے کر آہ، آہ کی آواز نکالتا ہے، تو شیطان پیٹ سے ہنستا ہے، یعنی اسے خوب ہنسی آتی ہے(۱) اسی لئے فقہاء نے نماز کے اندر قصداً جمائی لینے کو مکروہ تحریمی اور نماز سے باہر مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے:

"و کرہ ... التثاؤب و لو خارجها فی الرد و إن تعمده ینبغی أن یکرہ تحریما" (۲)

اس ممانعت کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس طرح آدمی کا منہ کھولنا حاضرین مجلس کو ناگوار گزرتا ہے، اور آدمی کا چہرہ بدہیئت ہوجاتا ہے۔

ایک ساتھ دو چیزیں کھانے سے منع کرنے کی مراد

سوال:- {223} ایک روایت کے مطابق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چیزیں ایک ساتھ کھانے سے منع فرمایا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو ایک اور روایت کے مطابق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کھجور پسند تھی، اس لئے آپ ﷺ کھجور اور تربوز ملا کر کھایا کرتے تھے، دونوں روایات میں ٹکراؤ محسوس ہو رہا ہے، آپ ہماری رہنمائی فرمائیں۔

(محمد توصیف الدین کاشف، بھینسہ)

جواب:- حدیث میں رسول ﷺ نے ایک ساتھ دو کھجوریں ملا کر لینے کو منع فرمایا ہے، (۳)

---

(۱) الجامع للترمذی:۲/۱۰۳۔

(۲) الدر المختار و رد المحتار:۲/۴۱۲-۴۱۳۔

(۳) الجامع للترمذي:۲/۳،باب ما جاء في كراهية القران بين التمرتين ۔محشی۔

اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی چیز محدود ہو اور کھانے والے زیادہ ہوں، ایک شخص ایک دفعہ میں دو دو لینا شروع کر دے، تو یہ دوسروں کے لئے کدورت کا باعث ہو جاتا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ تو ضرورت سے زیادہ کھالیں، اور کچھ کو ضرورت کے بقدر بھی نہ مل پائے، اگر دو الگ چیزیں ہوں، جیسے کھجور اور تربوز، یا دسترخوان پر اتنی زیادہ مقدار میں ہوں کہ ایک شخص کا دو پیس اٹھانا دوسروں کے لئے اور میزبان کے لئے بار خاطر نہ ہو، تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

"للمرأة عشر عورات" کی تحقیق

سوال:- {224} احیاء العلوم کے ترجمہ میں ایک جگہ یہ بات آئی ہے کہ عورت کی دس چیزیں پوشیدگی کے لائق ہیں، جب وہ شادی کر لیتی ہے، تو اس کی ایک برہنگی کو شوہر ڈھانپ لیتا ہے، اور جب وہ مر جاتی ہے، تو قبر اس کی دس برہنگیوں کو ڈھانپ لیتی ہے، یہ حدیث کیسی ہے، یعنی صحیح ہے یا ضعیف؟ اور اس کے الفاظ کیا ہیں؟ (اعجاز احمد، ناندیڑ)

جواب:- روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

"للمرأة عشر عورات فإذا تزوجت ستر الزوج عورة واحدة فإذا ماتت ستر القبر عشر عورات" (۱)

احیاء العلوم کے حاشیہ پر علامہ عراقی نے اس روایت کے بارے میں لکھا ہے کہ اسے حافظ ابو بکرؒ نے تاریخ الطالبین میں حضرت علی ﷜ سے ضعیف سند سے نقل کیا ہے (۲) علامہ ہیثمیؒ نے اسے طبرانی کے واسطہ سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں خالد بن یزید نامی راوی ہیں

(۱) إحیاء العلوم: ۲/۶۵۔
(۲) دیکھئے: حاشیہ حوالۂ مذکور۔

جن کے بارے میں ابو حاتم نامی محدث کی رائے ہے کہ قوی اور معتبر راوی نہیں ہیں، (۱) نیز علامہ ابن جوزیؒ نے اسے اپنی موضوعات میں جگہ دی ہے، اس سے ظاہر ہے کہ یہ روایت بے اصل اور نہایت نامعتبر ہے۔

عورتوں کے ناقصات العقل ہونے کا مطلب

سوال:- {225} عورتوں کو حدیث میں ناقصات العقل کہا گیا، اس کا کیا مطلب ہے؟ حالانکہ آج کل عورتیں تعلیم میں مردوں سے آگے بڑھ رہی ہیں، اور کیا عورتوں کو ناقص العقل کہنا ان کی اہانت نہیں؟ (علاء الدین، آندھرا)

جواب:- ''تعلیم'' معلومات کو جمع کرنے کا نام ہے، اور ''عقل'' قوت فکر سے عبارت ہے، ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کتابوں میں موجود مضامین کو حاصل کرلے، لیکن اس میں فکر و نظر کی صلاحیت کم ہو، اس لئے فی زمانہ لڑکیوں کا تعلیم میں آگے بڑھنا عقل و فہم کے اعتبار سے بھی عورتوں کے فائق ہونے کی دلیل نہیں، ویسے میرا خیال ہے کہ حدیث میں نقصان عقل سے قوت فیصلہ میں کمی مراد ہے، گویا مقصد یہ ہے کہ عورتیں زیادہ زود رنج اور جذباتی ہونے کی وجہ سے کم قوت فیصلہ کی مالک ہوتی ہیں، اور اگر آپ حقیقت پسندی کے ساتھ خواتین کے مزاج پر غور کریں تو ضرور اس کی تصدیق کریں گے۔

خواتین کو ناقص العقل کہنے سے آپ ﷺ کا منشاء عورتوں کی توہین نہیں بلکہ ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار اور ان کے لئے رحم کی اپیل کرنا ہے، یہ ایسے ہی ہے کہ کسی کم عمر لڑکے سے غلطی ہوجائے تو کہا جاتا ہے کہ معاف کردو، یہ بچہ ہے، اسی طرح حضور ﷺ نے مردوں کو متوجہ کیا ہے کہ اگر کبھی عورتیں زود رنجی کا مظاہرہ کریں یا مغلوب الجذبات ہوکر تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کر جائیں تو ان کے ساتھ درگزر کا معاملہ کرو اور سمجھو کہ وہ ناسمجھ ہیں، ان سے انتقام کے درپے نہ ہو۔

(۱) مجمع الزوائد، حدیث نمبر: ۷۶۶۱، باب حق الزوج علی المرأة۔

انبیاء علیہم السلام سے متعلق سوالات

رسول اللہ ﷺ عرب تھے

سوال:- {226} میں نے ایک صاحب سے سنا ہے
کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''عرب مجھ سے ہیں، میں عرب
سے نہیں ہوں'' کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ (شفیع احمد، ٹولی چوکی)

جواب:- میرے علم کے مطابق ایسی کوئی حدیث منقول نہیں ہے، بلکہ آپ ﷺ نے اپنے عرب ہونے کا صریحاً ذکر فرمایا ہے، حضرت عبداللہ ابن عباس ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تین وجوہ سے عربوں سے محبت رکھو، اس لئے کہ میں
عربی ہوں، قرآن عربی ہے، اور اہل جنت کی زبان بھی
عربی ہوگی'' (۱)

(۱) مشکوۃ المصابیح، حدیث نمبر: ۶۰۰۶، بحوالۂ بیہقی في شعب الإیمان -

آپ ﷺ نے بعض اور روایتوں میں بھی عرب کی فضیلت بیان فرمائی، حضرت سلمان ؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

''تم مجھ سے بغض نہ رکھنا کہ دین سے محروم ہو جاؤ، میں نے عرض کیا اللہ کے رسول ﷺ! میں آپ سے کیوں کر بغض رکھ سکتا ہوں؟ حالانکہ اللہ نے آپ ﷺ کے ذریعہ ہدایت فرمائی، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ اس طرح کہ تم عربوں سے بغض رکھو گے، تو یہ مجھ سے بغض رکھنا ہوگا'' تبغض العرب فتبغضنی''(۱)

ایک اور حدیث میں ہے:

''جس نے عرب کو دھوکہ دیا وہ میری شفاعت نہ پائے گا، اور میری محبت سے محروم رہے گا''(۲)

ہر چند کہ ان روایتوں کا صحیح و مستند ہونا محدثین کے یہاں متفق علیہ نہیں ہے؛ لیکن ان سب کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عربوں سے تھے، یہ گویا تواتر کے درجہ میں ہے اور عربوں ہی کے واسطہ سے پوری دنیا کو نعمتِ اسلام حاصل ہوئی، اس لئے عربوں سے محبت ہونی چاہئے، اور ان سے بغض نہ رکھنا چاہئے۔

احمد بھی آپ ﷺ کا اسم گرامی ہے

سوال:-{227} ایک فرقہ جو ہندوستان کے ایک شخص کو نبی قرار دیتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ ''احمد'' پیغمبر اسلام

---

(۱) الجامع للترمذی :۲/۲۳۰،باب ما جاء في فضل العرب ۔محشی۔

(۲) الجامع للترمذی :۲/۲۳۰،عن عثمان بن عفان ؓ ،باب ما جاء في فضل العرب۔محشی۔

محمد ﷺ کا نام نہیں، اس لیے قرآن میں حضرت مسیح علیہ السلام کی
زبان سے جو پیشین گوئی وارد ہوئی ہے، اس سے آپ ﷺ کی
شخصیت مراد نہیں ہے، تو کیا واقعی احمد آپ ﷺ کا نام نہیں
ہے؟ (محمد فاروق صاحب، جدہ)

جواب: - یہ بالکل غلط اور گمراہ کن دعوی ہے، حقیقت یہ ہے کہ جیسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ﷺ کا اسم گرامی ہے، اسی طرح ''احمد'' بھی آپ ﷺ کا نام نامی ہے، اور آپ ﷺ ہی حضرت مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کی پیشن گوئی کا مصداق ہیں، خود آپ ﷺ نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ میرا نام ''احمد'' بھی ہے، ارشاد ہے: ''أنا محمد و أحمد''(۱)'' میں محمد بھی ہوں اور احمد بھی'' اس روایت کو مسلم، موطأ امام مالک اور مسند احمد جیسی مستند ترین کتابوں میں نقل کیا گیا ہے، اور محدثین اس حدیث کے صحیح ہونے پر متفق ہیں۔ (۲)

یہاں اس بات کا ذکر مناسب ہوگا کہ ''احمد'' کے معنی خوب حمد بیان کرنے اور تعریف کرنے والے کے ہیں، اس لحاظ سے واقعہ ہے کہ پیشوایانِ مذاہب میں آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی اس نام کا مستحق نہیں، آپ ﷺ نے زندگی کے ہر عمل کو اللہ تعالی کی حمد سے جوڑ دیا ہے، سو کر اٹھیں تو اللہ کی حمد، کھا کر فارغ ہوں تو اللہ کی حمد، استنجاء سے فارغ ہوں تو اللہ کی حمد، سفر پورا کر کے منزل پر پہنچیں تو اس موقعہ پر بھی اللہ تعالی ہی کی تعریف، چھینک آئے تو ''ربنا لك الحمد'' کہیں، نماز کی کوئی رکعت نہیں جو سورۂ فاتحہ سے خالی ہو، جس کا مقصد ہی اللہ تعالی کی حمد وستائش ہے، اس لئے واقعہ ہے کہ انسانی تاریخ میں آپ ﷺ سے بڑھ کر اس لقب کا کوئی حق دار نہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

---

(۱) صحیح مسلم: حدیث نمبر: ۵۱۰۵۔ محشی۔
(۲) المؤطأ لإمام مالك: ص: ۳۹۲۔ محشی۔

پہلا نبی کون؟

سوال:- {228} ہم لوگوں نے ایک کتاب میں پڑھا کہ سب سے پہلے نبی حضرت آدم ؑ اور سب سے آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں، حالانکہ ہم لوگوں کو معلوم تھا کہ سب سے پہلے اور سب سے آخری نبی محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں، اس سلسلہ میں صحیح نقطۂ نظر کی نشاندہی کریں؟ (خالد ابراہیم، کاروان)

جواب:- بعض روایات کی بناء پر کچھ اہل علم نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے محمد مصطفیٰ ﷺ کے نور کی تخلیق عمل میں آئی، (۱) اس اعتبار سے گویا آپ ﷺ کی نبوت کو دوسرے انبیاء ؑ پر ایک گونہ تقدم حاصل ہے، ورنہ انسانیت کی طرف بعثت ظاہر ہے کہ سب سے پہلے حضرت آدم ؑ کی ہوئی، اور سب سے آخر میں رسول اللہ ﷺ کی، اس طرح حضرت آدم ؑ کو نبوت میں اولیت کا شرف حاصل ہے، اور رسول اللہ ﷺ کو ختم نبوت کی فضیلت حاصل ہے، حضرت ابوذر ؓ کی ایک روایت میں صراحت موجود ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ سب سے پہلے نبی کون تھے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم ؑ ۔

"قلتُ یا رسول اللہ! أي الأنبیاء کان أول؟ قال : آدم" (۲)

لیکن آپ حضرات سے خواہش ہے کہ اپنا وقت ایسی چیزوں کی تحقیق میں لگایئے جن سے آپ کی عملی زندگی کا کوئی دینی نفع متعلق ہو، محض ایسے مسائل میں اپنے آپ کو الجھانا جس سے ایمان و عمل کا کوئی فائدہ متعلق نہ ہو، انسان کو بتدریج غلط سمت میں لے جاتا ہے۔

---

(۱) جمع الفوائد، حدیث: ۸۳۷۱، عن عمر ؓ، باب من فضائل النبی ﷺ غیر ما تفرق في الکتاب، ط: بیروت۔ محشی۔

(۲) مسند إمام أحمد، حدیث نمبر: ۲۱۵۴۶۔

ختم نبوت اور تکمیل دین کا مطلب

سوال:- {229} ختم نبوت کے بعد کسی شخص پر ایمان لانا اور اس کے حکم کو معاشرہ میں رواج دینا کہاں تک درست ہے؟ اور دین کے مکمل ہونے کا کیا مطلب ہے؟

(میر حسین علی، دارالشفاء)

جواب:- انسانیت میں صرف انبیاء ورسل ہی وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے منصب ومقام کے اعلان پر مامور ہوتی ہیں، اور وہ جانتے ہیں کہ انہیں مقام نبوت پر فائز کیا گیا ہے؛ اس لئے نبی پر ایمان لانا مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے، نبی کے علاوہ کوئی ایسی شخصیت نہیں جس کی حیثیت کا اقرار کرنا اور اس پر ایمان لانا مسلمان ہونے کے لئے شرط ہو، نبوت کا یہ سلسلہ ابوالبشر سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا، اور ختمی مرتبت حضرت محمد ﷺ پر مکمل ہوگیا، اب آپ ﷺ کے بعد کسی پر ایمان لانا ضروری تو کیا جائز بھی نہیں، اور نہ کسی کا حکم حلال حرام کی بابت اس کی ذاتی حیثیت میں واجب الطاعت ہے، ختم نبوت اور تکمیل دین کا یہی مطلب ہے کہ شریعتِ الٰہی خاتم النبیین ﷺ کے ذریعہ اپنی مکمل اور آخری شکل میں آچکی ہے، اس میں کسی اضافہ اور کمی کی گنجائش نہیں، —— البتہ کتاب وسنت میں بعض احکام تو صراحت ووضاحت کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں، اور بعض احکام وہ ہیں کہ قرآن وحدیث میں ان کی صراحت نہیں ملتی، لیکن ان مسائل کے حل کے لئے خود کتاب وسنت میں اصول وقواعد کی رہنمائی کی گئی ہے، اگر کوئی فقیہ ان کی روشنی میں مسئلہ کا حل نکالے، تو یہ ختم نبوت اور تکمیل دین کے منافی نہیں، اور ان احکام کی اتباع چونکہ اس گمان پر مبنی ہے کہ یہی اللہ اور رسول کا منشا ہے؛ اس لئے اس میں کوئی قباحت نہیں، بلکہ جو لوگ اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں ان کے لئے ایسے لوگوں کی تشریحات پر عمل کرنا واجب ہے، امام رازیؒ نے اس پر گفتگو کی ہے، اور اس پر وضاحت

سے روشنی ڈالی ہے، اسی ذیل میں امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ قیاس سے جو احکام ثابت ہوں وہ بھی دین ہی کا حصہ ہیں، اوران کا شمار بھی اکمال دین میں ہے:

" ثم إنه تعالى لما أمر بالقياس وتعبد المكلفين به كان ذلك في الحقيقة بيانًا لكل الاحكام ، وإذا كان كذلك كان ذلك اكمالًا للدين" (۱)

ہاں جن احکام کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو وہ قطعاً قابلِ رد ہیں، حضور ﷺ نے خود ایسی باتوں کو نا قابلِ قبول قرار دیا ہے۔

" من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه فهو ردّ " (۲)

کیا ختم ولایت بھی کوئی منصب ہے؟

سوال:- {230} کیا ختم ولایت، ختم نبوت کی طرح اسلام میں کوئی مقام ہے؟ (میر حسین علی، دار الشفاء)

جواب:- ''ولایت'' نبوت کی طرح کوئی ایسا منصب نہیں جس پر لوگوں کو من جانب اللہ مامور کیا جاتا ہو، ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک شخص اللہ کا ولی ہو، اور اسے خود بھی اپنے ولی ہونے کا علم نہ ہو، اللہ کے ولی ہونے کے لئے ضروری چیز شریعت کی مکمل اتباع اور اللہ تعالی کی منع کی ہوئی چیزوں سے پوری طرح اجتناب ہے، جو شخص اپنی سعی وکاوش سے اس کا اہتمام کرلے، وہ ولی ہو سکتا ہے، گویا یہ ایک ''کسبی'' چیز ہے جو محنت سے حاصل ہوسکتی ہے، بہ خلاف نبوت کے، کہ نبوت ایک وہبی منصب ہے، جو کثرت عبادت اور اتباع شریعت سے حاصل نہیں کی جاسکتی، بلکہ اللہ

---

(۱) تفسیر الکبیر أو مفاتیح الغیب: ۵/۵۶۴۔

(۲) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۶۹۷، عن عائشة ، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود ، کتاب الصلح ، نیز دیکھئے: صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۷۱۸۔

تعالی نبوت کے لئے خود شخصیتوں کا انتخاب کرتے ہیں،(۱) پس چونکہ ولایت ایک ایسی چیز ہے جس کا انحصار احکامِ الٰہی کی اطاعت و اتباع پر ہے، اور قرآن کے واسطہ سے قیامت تک شریعت کی حفاظت کا وعدہ ہے،(۲) اس لئے قیامت تک اولیاء اور صالحین پیدا ہوتے رہیں گے، ایسا نہیں کہ جیسے نبوت رسول اللہ ﷺ پر ختم ہوگئی، اسی طرح ولایت بھی کسی شخصیت پر ختم ہو جائے گی کہ اس کے بعد کسی کا ولی ہونا ممکن نہ ہو، محدثین ، فقہاء ، متبع سنت صوفیا اور داعیان و مبلغین یہ سب اپنے زمانے کے اولیاء اور اہل اللہ ہیں ۔

رسول اللہ ﷺ کی تاریخ ولادت

سوال:- {231} حال ہی میں سیرت النبی ﷺ کی ایک کتاب ''سیرت احمد مجتبیٰ ﷺ'' ظہور قدسی سے مسجد قباء تک حیات طیبہ کا مکی دور پڑھا، سیرت نگار محترم شاہ مصباح الدین شکیل صاحب ہیں ، اس میں حضور اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کے بارے میں کچھ اس طرح سے لکھا ہے کہ'' تاریخ ولادت میں اختلاف ہے، ریاضی کی جدید تحقیق کے مطابق ۹ ر ربیع الاول بروز دوشنبہ ۲۳/۴/۵۷۱ء ہے ، براہ کرم صحیح اور مصدقہ تاریخ سے مطلع فرمائیں؟

(قاری ایم ، ایس ، خان ، اکبر باغ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ کی تاریخ پیدائش کے سلسلہ میں قدیم سیرت نگاروں سے بھی مختلف اقوال منقول ہیں، اور مشہور قول ۱۲ر ربیع الاول کا ہے، لیکن علامہ شبلیؒ اور علامہ سید سلیمان

---

(۱) ﴿اللہ یصطفی من الملئکۃ رسلا و من الناس إن اللہ سمیع بصیر ﴾ (الحج: ۷۵) محشی ۔

(۲) ﴿ إنا نحن نزلنا الذکر و إنا لہ لحافظون ﴾ (الحجر: ۹) محشی ۔

ندویؒ جیسے اصحاب تحقیق علماء کی رائے بھی ہے کہ تاریخ پیدائش ۹ ربیع الاول ہے۔(۱) اس لئے کہ اس بات پر تمام سیرت نگار متفق ہیں کہ آپ ﷺ کی پیدائش پیر کے دن ہوئی تھی، یہ محض کتب سیرت کی روایتوں سے ثابت نہیں، بلکہ صحیح حدیثوں میں بھی منقول ہے،(۲) اور ماہرین تقویم کی رائے میں جس سال حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی اس سال پیر ۹ ربیع الاول کو پڑتا ہے،(۳) نہ کہ ۱۲ ربیع الاول کو، اس لئے راقم الحروف کا بھی رجحان اسی قول کی طرف ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

رسول اللہ ﷺ کے اسماء مبارکہ

سوال:- {232} مجھے ایک ماہ قبل ایک ای میل ملا تھا
جس میں لکھا تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے ۹۹ اسم مبارک ہیں،
کیا یہ صحیح ہے؟ (محمد سرور خان، جدہ، بذریعہ ای میل)

جواب:- بعض حضرات نے رسول اللہ ﷺ کے صفاتی نام بھی ۹۹ تک جمع کئے ہیں، لیکن یہ حضور ﷺ کی صفات ہیں، اور آپ ﷺ کی صفات اس سے زیادہ بھی ہوسکتی ہے، قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ یعنی اچھے نام ہیں،(۴) اور حدیث میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں،(۵) نیز ان ناموں سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے پر اجر وثواب کا بھی ذکر آیا ہے، رسول اللہ ﷺ کے اسماء مبارکہ کے بارے میں اس طرح کی صراحت وارد نہیں ہوئی ہے۔

---

(۱) سیرت النبی ﷺ: ۱/۱۱۵، از: علامہ شبلی نعمانیؒ۔ محشی۔
(۲) زرقاني: ۱/۱۳۲۔ محشی۔
(۳) حاشیہ سیرت النبی ﷺ، از: علامہ شبلی نعمانیؒ۔ محشی۔
(۴) الاعراف: ۱۸۰۔ محشی۔
(۵) الجامع للترمذي: ۲/۱۸۸، أبواب الدعوات عن رسول الله ﷺ۔ محشی۔

حضور ﷺ کتنے وقت کھایا کرتے تھے؟

سوال:- {233} حضور اکرم ﷺ کتنے وقت کھانا تناول فرماتے تھے؟ (محمد فضل اللہ خان اختر، فرسٹ لانسر)

جواب:- رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عام معمول دو وقت کے کھانے کا تھا، ایک دن چڑھے، جس کو "غدا" کہا جاتا ہے، دوسرے مغرب کے بعد جس کو "عشاء" کہا جاتا ہے، البتہ خود ﷺ کا عمری معمول ایک ہی وقت کھانا تناول فرمانے کا تھا (۱)۔

"امّی" کے معنی کیا ہیں اور کیا آپ ﷺ امّی تھے؟

سوال:- {234} امی کسے کہتے ہیں؟ کیا آپ ﷺ امی تھے؟ اور کیا آپ ﷺ کو امی کہنے میں آپ ﷺ کی توہین نہیں ہے؟ (معز الدین احمد، یاقوت پورہ)

جواب:- امی ایسے شخص کو کہتے ہیں جو لکھی ہوئی چیز کو پڑھ نہ سکتا ہو اور نہ لکھ سکتا ہو (۲) رسول اللہ ﷺ امی تھے، قرآن مجید نے خود ایک سے زیادہ مواقع پر اس کی صراحت کی ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلًا مِنْهُمْ﴾ (۳) آپ ﷺ کا امی ہونا باعث اہانت نہیں، بلکہ باعثِ اعزاز ہے، کہ آپ ﷺ علم کے حاصل کرنے اور اس کے پہونچانے میں قلم اور کاغذ کے محتاج نہیں تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے نظامِ غیبی کے تحت آپ ﷺ کو سب سے مستند اور بلند علم "وحی" سے سرفراز فرمایا، اور آپ ﷺ کے ذریعہ سے ایسا علمی فیضان جاری ہوا جو انشاء اللہ

---

(۱) "كان إذا تغدى لم يتعش ، و إذا تعشى لم يتغد" أبو نعيم في الحلية ، (كنز العمال، حدیث نمبر:۱۸۱۷۷)

(۲) دیکھئے: تفسیر قرطبی :۹۲/۱۸۔

(۳) الجمعة:۲۔

قیامت تک جاری وساری اور زندہ و پائندہ رہے گا، آپ ﷺ کے امی ہونے میں اللہ تعالی کی طرف سے بڑی مصلحت ہے کہ کسی شخص کے لئے آپ ﷺ کی نبوت پر شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی، اگر آپ ﷺ خود تحریر فرماتے، یا تحریر کو پڑھتے، آپ ﷺ نے کسی استاد سے لکھنا اور پڑھنا سیکھا ہوتا تو کج فطرت لوگوں کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ شاید آپ ﷺ نے یہ علوم ومعارف پہلی کتابوں سے نقل کرلیا ہے، یا اپنے استاد سے سیکھ لیا ہے، آپ ﷺ کے امی ہونے کی وجہ سے اس شبہ اور اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اسم مبارک ﷺ لکھتے یا پڑھتے وقت درود وسلام بھیجنا

سوال:- {235} حضور اکرم ﷺ کا ذکر، یا نام سنے تو درود شریف پڑھنے کا حکم ہے، ورنہ وہ بخیل کہلائے گا، مگر اسم مبارک پر ﷺ لکھنے کا طریقہ کب سے رائج ہے، اور اس کے لکھنے کا کیا حکم ہے؟ جب کہ صحابۂ عظام کے مکتوبات میں اسم گرامی کی کتابت پر "صلی الله علیه وسلم" درج نہیں ہے، (لیکن علامہ خالد سیف اللہ رحمانی کی تالیف "قاموس الفقہ" قسط اول میں صفحہ: ۴۶ر پر تحریر ہے کہ) "علامہ حضرت شہاب الدین آلوسیؒ کی روح المعانی: ۲۲/۸۱-۸۲ کے حوالہ سے اس شخص پر جس کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جائے اور سننے والے اور لکھنے والے کے لئے بھی جو رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی بھی لکھے، لیکن یہ بات تواتر سے ثابت نہیں کیا جاتا ہے۔ (محمد مبین، جلگاؤں)

جواب:- شریعت میں جو ذکر جہاں مطلوب ہے، وہاں زبانی بیان کرنے کی صورت میں اس کو زبانی اور لکھنے کی صورت میں اس کو تحریری طور پر ذکر کرنا مشروع ہے، مثلاً: ابتداء کلام

میں اللہ کا ذکر مسنون ہے، پھر جب حضور ﷺ نے خطوط لکھے تو اس میں ابتداء میں تحریری طور پر بسم اللہ تحریر کروایا، (۱) اسی پر صلوٰۃ وسلام کو بھی قیاس کرنا چاہئے، محدثین نے بھی اس کی صراحت کی ہے، بلکہ حافظ ابن صلاحؒ نے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی بجائے صرف ''صلعم'' لکھنے کی بھی مذمت کی ہے، (۲) یہ کہنا درست نہیں کہ صحابہ ؓ کے مکاتیب میں درود نہیں لکھا جاتا تھا، صحابہ ؓ کی تحریروں میں بھی آپ ﷺ کے ذکر مبارک کے ساتھ درود موجود ہے اور محدثین نے شروع سے اس کا اہتمام فرمایا ہے۔

اگر کسی شخص کا نام ''محمد'' ہو تو اس کے ساتھ ''صلی اللہ علیہ وسلم''؟

سوال:- {236} حضور اکرم مصطفیٰ ﷺ کا نام ''محمد ﷺ'' لکھا جاتا ہے، تو کیا عام لوگ جن کے نام کے ساتھ محمد ہو، اس پر بھی ''ﷺ'' لکھنا درست ہے؟ (محمد حسین، سالار جنگ کالونی)

جواب:- اولاً تو رسول اللہ ﷺ کا اسم مبارک جہاں کہیں آئے وہاں پورا درود لکھنا چاہئے، صرف ''؁'' یا ''صلعم'' لکھنا مناسب نہیں، محدثین نے اس سے صراحتاً منع فرمایا ہے، یہ درود شریف میں بخل سے کام لینا ہے، —— دوسرے عام لوگوں کے ساتھ محمد اس شخص کے نام کے جزء کے طور پر ہوتا ہے، اور اس میں محمد کا لفظ خود اس کے نام کا حصہ ہے، اس سے رسول اللہ ﷺ کی ذات مراد و مقصود نہیں ہے، اور ﷺ کے الفاظ خود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہیں، کسی اور شخص کے لئے اس فقرہ کا استعمال درست نہیں، اس لئے درود کا رمز ''؁'' دوسرے لوگوں کے ساتھ آنے والے لفظ ''محمد'' میں لکھنا درست نہیں۔ واللہ اعلم۔

---

(۱) دیکھئے: مشکوۃ المصابیح، حدیث نمبر: ۳۹۲۶، اور مرقاۃ المفاتیح: ۴/۲۰۴۔

(۲) مقدمۃ ابن صلاح، ص: ۱۲۔

حضور ﷺ کو تیرے اور تجھ سے خطاب

سوال:- {237} شاعر حضرات نعت شریف میں حضور ﷺ کو "تیرے" اور "تجھ" سے وغیرہ کے الفاظ سے مخاطب کرتے ہیں، یہ آپ ﷺ کی شان میں گستاخی تو نہیں؟

(جہانگیر الدین طالب، بی بی کا چشمہ)

جواب:- چونکہ اس میں توہین مقصود نہیں، بلکہ شعراء اظہار محبت کے لیے، یا ضرورتِ شعری کی وجہ سے اس طرح کی تعبیر استعمال کرتے ہیں، اس لئے اس میں کچھ حرج نہیں۔

حیاتِ محمدی ﷺ میں والدین کے ساتھ سلوک کا نمونہ

سوال:- {238} رسول اللہ ﷺ کے والدین کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا تھا، پھر آپ ﷺ کی زندگی میں والدین کے ساتھ سلوک کے سلسلے میں ہدایت کیسے مل سکتی ہے؟

(علی عمران، جگتیال)

جواب:- ہدایت صرف فعل ہی سے نہیں ملتی، قول سے بھی ملتی ہے، والدین کے حقوق اور ان کے ساتھ مطلوبہ رویہ کے بارے میں آپ ﷺ کے واضح ارشادات موجود ہیں، اور یہی اس بارے میں ہماری رہنمائی کرتی ہیں، دوسرے آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ ﷜، حضرت عباس ﷜ اور ابو طالب موجود تھے اور آپ ﷺ نے چچا کو بھی باپ کا ہم درجہ قرار دیا ہے، اس طرح ان حضرات کے ساتھ آپ ﷺ نے جو سلوک فرمایا وہ والدین کے ساتھ سلوک کے لئے اسوہ ونمونہ کا درجہ رکھتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں

سوال:- {239} بعض لوگ کہتے ہیں کہ قیامت کے قریب نبی آخر الزمان آنے والے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں، اس سلسلہ میں وضاحت کیجئے۔

(جیلانی بیگم، قاضی پورہ)

جواب:- نبی آخر الزمان، پیغمبر اسلام جناب محمد ﷺ ہیں، آپ ﷺ اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں، اور ہر طرح کی نبوت آپ ﷺ پر ختم ہو چکی ہے، آپ ﷺ کے بعد کسی نبی کی آمد کا امکان باقی نہیں رہا، قرآن میں یہ بات صراحت سے فرمائی گئی ہے،(۱) احادیث اس سلسلہ میں بکثرت وارد ہوئی ہیں، اور یہ امت کا اجماعی عقیدہ ہے، اگر کوئی شخص آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دعوی کرے، یا اس جھوٹے مدعی کی تصدیق کرے، تو وہ کافر ہے، اور اس کے کفر میں کوئی شبہ نہیں، قیامت تک کے لیے آپ ﷺ ہی کی نبوت ہے، کیونکہ آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی اور نبی نہیں آسکتا، رسول اللہ ﷺ نے اپنی دونوں انگلیوں ''انگشت شہادت اور بیچ کی انگلیوں'' کو جمع کرکے اشارہ سے سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ میری بعثت اور قیامت ان دونوں انگلیوں کی طرح ہے، ''بعثت أنا والساعة کھاتین ''(۲) مقصد یہ ہے کہ میری نبوت اور قیامت کے درمیان کسی اور نبی کا ظہور نہیں ہوسکتا۔

حضور ﷺ کی مغفرت سے مراد؟

سوال:- {240} ابن نباتہ کی ایک تصنیف ''خطبة

---

(۱) الاحزاب:۴۰۔محشی۔

(۲) صحیح البخاري ،حدیث نمبر:۵۳۰۱،عن سھل بن سعد الساعدی ، باب اللعان، کتاب الطلاق، نیز دیکھئے: صحیح مسلم،حدیث نمبر:۲۹۵۱،باب قرب الساعة ، کتاب الفتن۔محشی

الحرمین المعظمین " ہے جس کا ترجمہ مولانا منیر الدین صاحب سابق خطیب مکہ مسجد نے کیا ہے، اس کتاب کے صفحہ: ۸۰، پر ہے" وقد غفر لنبینا ﷺ "(ترجمہ) حضور ﷺ کے جملہ گناہوں کو اللہ تعالیٰ نے دسویں محرم کو بخش دیا، تو کیا ہمارے حضور ﷺ گنہگار ہیں؟ حالانکہ نبی تو معصوم ہوتے ہیں، اس کتاب سے خطبہ دینا کیسا ہے؟

(عبدالرحیم خان قادری، محمد اشاہی)

جواب:- حضور ﷺ کے لئے مغفرت کا لفظ قرآن مجید میں بھی آیا ہے، اس لئے "قد غفر لنبینا ﷺ " کے الفاظ کہے جاسکتے ہیں، نبی گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، لیکن بھول چوک اور خلاف اولیٰ باتیں اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ انبیاء سے بھی صادر ہوتی ہیں، مغفرت سے ان ہی لغزشوں کا معاف کرنا مراد ہے۔(۱) انبیاء سے بھی جو کبھی کوئی بھول ہوتی ہے، تو اس میں اللہ تعالیٰ کی یہ مصلحت ہوتی ہے کہ امت اپنی بھول چوک میں انبیاء کے توبہ اور رجوع الی اللہ کے طریقہ کو اسوۂ ونمونہ بنائیں۔ البتہ انبیاء کے لئے گناہ کا لفظ استعمال کرنا مناسب نہیں، اگر یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے، تو آئندہ اس کی اصلاح کر لینی چاہئے۔

انبیاء کی امامت کا واقعہ معراج سے پہلے کا ہے یا بعد کا؟

سوال:-{241} مسجد اقصیٰ میں نبی کریم ﷺ نے تمام انبیاء کو نماز پڑھائی تھی، یہ واقعہ معراج سے پہلے کا ہے یا بعد کا؟ اگر پہلے کا ہو تو پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے تمام انبیاء سے حضور کا تعارف کیوں کرایا؟

(سید باسط حسین، محبوب گارڈن کالونی)

(۱) تفسیر کبیر :۳۰۲/۱۴۔

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے انبیاء کی امامت آسمان پر تشریف لے جانے سے پہلے کی یا آسمان سے اترنے کے بعد؟ اس میں سیرت نگاروں کا اختلاف ہے، اور دونوں طرح کے اقوال موجود ہیں، مشہور مؤرخ، محدث اور مفسر علامہ ابن کثیر کا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے یہ امامت آسمان سے اترنے کے بعد فرمائی تھی، اور اس کے لئے انہوں نے دو دلیلیں دی ہیں،، اول تو یہی کہ اگر آپ ﷺ نے پہلے امامت کی ہوتی تو آسمان پر تعارف کی حاجت نہ ہوتی، دوسرے یہ کہ بعض روایتوں میں یہ بات آئی ہے کہ نماز کا وقت ہوگیا تو آپ ﷺ نے امامت فرمائی، بظاہر نماز کے وقت سے نماز فجر ہی مراد ہوسکتی ہے، اور زیادہ امکان یہی ہے کہ فجر کا وقت آپ کی واپسی پر ہوا ہوگا۔(۱) ویسے سیرت کی اکثر کتابوں میں پہلے امامت کا ذکر ہے، ایسی صورت میں آسمان پر آپ ﷺ کے تعارف کو تکریم واحترام پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ بعض دفعہ کسی شخص کی تعظیم کے طور پر بھی اس کا تعارف کرایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ناقص طریقہ پر درود شریف پڑھنا

سوال:- {242} بعض لوگ حضور ﷺ کا نام لیتے یا سنتے وقت صحیح طریقہ پر درود شریف نہیں پڑھتے ہیں، اور ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی جگہ ''صلعم'' پڑھ لیتے ہیں، کیا اس طرح درود پڑھنا درست ہے؟ (ایم، اے لئیق احمد، ملی کھڑ پلی)

جواب:- درود شریف مکمل پڑھنا چاہئے، ناقص درود شریف پڑھنا درست نہیں، یہ تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حق تلفی ہے اور اس سے درود بے معنی ہوکر بھی رہ جاتا ہے، تلفظ ہی نہیں تحریر میں بھی ناقص درود لکھنے کو فقہاءؒ اور محدثینؒ نے منع فرمایا ہے اور علامہ ابن صلاحؒ نے اصول

(۱) البدایة والنهایة :۳/۱۱۳۔

حدیث پر اپنی مشہور کتاب ''مقدمہ'' میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔(۱)

حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کہاں اتارے گئے؟

سوال:- {243} سری لنکا یا ہندوستان ان دونوں ملکوں میں سے حضرت آدم علیہ السلام کہاں اتارے گئے؟ کیا آدم اور حوا دونوں ایک ہی مقام پر اتارے گئے یا الگ الگ مقام پر؟ (سیدہ نکہت فاریہ، سدا سیو پیٹ)

جواب:- قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام وحوا کے اتارے جانے کا تو ذکر ہے(۲) لیکن کہاں اتارے گئے؟ اس کی صراحت نہیں، کسی صحیح حدیث میں بھی میرے علم کے مطابق اس کا ذکر نہیں، البتہ تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں تذکرہ آیا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں جزیرۂ سرندیپ میں ایک پہاڑ پر اتارے گئے، اور حضرت حوا جدہ میں اتاری گئیں:

"فاهبط آدم بسرنديب في الهند بجبل يقال له بوذ و اهبطت حوا بجدة "(۳)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسی وجہ سے حجاز کا یہ ساحل شہر جدہ سے موسوم ہوا کہ جدہ کے معنی ہی دادی کے ہیں، گویا یہ دادی حوا کی جائے نزول ہے۔

یہ تو آپ کے سوال کا جواب ہے، لیکن آپ کو خیر خواہانہ مشورہ یہ ہے کہ ہمیشہ ایسے سوالات کرنے کی کوشش کریں جن سے عملی زندگی میں آپ کو فائدہ پہنچ سکتا ہو، محض خیالی سوالات سے کوئی فائدہ نہیں۔ وباللہ التوفیق۔

---

(۱) "ينبغي له أن يحافظ على كتبة الصلاة و التسليم على رسول الله ﷺ عند ذكره و لا يسام من تكرير ذلك عند تكرره " (مقدمة ابن صلاح :ص:۱۲) محشی۔

(۲) البقرة:۳۶۔

(۳) تفسير قرطبي :۱/۳۱۹۔

حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح

سوال:- {244} نکاح حضرتِ آدم علیہ السلام کی سنت ہے تو سوال یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کا نکاح کس نے پڑھایا؟

(خان ضیاء، جگتیال)

جواب:- سوالات ایسے کرنے چاہئیں جن سے آدمی کا کوئی عمل اور دینی نفع متعلق ہو، سوال کا مقصد عمل اور اصلاح ہے نہ کہ محض ذہنی تفریح، جب اللہ تعالیٰ نے حضرتِ حواء کو حضرتِ آدم کی رفیق حیات کی پشت ہی سے پیدا کیا، تو پھر الگ سے نکاح کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ اصل تو امرِ خداوندی ہے، عام لوگ جو ایجاب وقبول کے ذریعہ نکاح کرتے ہیں، اس کا مقصد بھی حکمِ خداوندی ہی کی تعمیل ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے اترنے کی جگہ

سوال:- {245} اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جب دنیا میں بھیجا تو کس مقام پر بھیجا؟ (واجد علی خان، بھینسہ)

جواب:- قرآن مجید میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتار دیا تھا، لیکن کس مقام پر اتارا؟ اس کا نہ قرآن مجید میں ذکر ہے اور نہ صحیح حدیث میں، قرآن وحدیث کا مزاج یہ ہے کہ جس بات سے انسان کا نفع متعلق ہو، اسی کا ذکر کیا جاتا ہے، چوں کہ اس بات سے کہ حضرت آدم علیہ السلام کہاں اترے تھے؟ انسان کا کوئی دینی یا دنیوی نفع متعلق نہیں، اس لئے کتاب وسنت میں اس کی کوئی صراحت ہے اور نہ ایسی بے فائدہ باتوں کے پیچھے پڑنا چاہئے، ویسے بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں جزیرۂ سرندیپ کی "بوذ" نامی پہاڑی پر اتارے گئے:

"فاهبط آدم عليه السلام بسر نديب في الهند بجبل
يقال له : "بوذ" (۱)

حضرت موسی علیہ السلام کے دو خداترس رفقاء کے نام

سوال:- {246} سورۂ مائدہ آیت نمبر ۲۳ رمیں حضرت
موسی علیہ السلام کے دو خداترس رفقاء کا ذکر آتا ہے، جنہوں نے
حضرت موسی علیہ السلام کے حکم جہاد پر قوم کو ہمت دلانے کی کوشش
کی، ان کے نام کیا ہیں؟ (ایم،اے، بشیر، پالونچہ)

جواب:- جیسے رسول اللہ ﷺ نے کعبۃ اللہ کو بتوں کی آلائش سے محفوظ فرمایا اور اللہ کی عبادت کے لئے پاک وصاف کیا، اسی طرح حضرت موسی علیہ السلام ایک مشرک قوم عمالقہ سے بیت المقدس کو پاک کرنا چاہتے تھے، اس کے لئے انہوں نے اپنی قوم کو جہاد کی دعوت دی، قوم نے نہ صرف کم ہمتی اور بزدلی کا ثبوت دیا، بلکہ ان کے ساتھ تمسخر آمیز معاملہ کیا، اور کہا کہ ہم یہیں بیٹھتے ہیں، آپ اور آپ کا رب جا کر دشمنوں سے مقابلہ کریں، قوم میں صرف دو حوصلہ مند مسلمان کھڑے ہوئے، انہوں نے حضرت موسی علیہ السلام کی اس دعوت پر خود بھی لبیک کہا، اور لوگوں کو بھی اس کی ترغیب دی، (۲) لیکن یہ مغضوب قوم ٹس سے مس نہ ہوئی، یہاں تک کہ ان پر یہ عذاب نازل ہوا کہ چالیس سال تک میدان تیہ میں صحراء نوردی کرتے رہے، اور ان کی پوری ایک نسل اسی میدان میں پیوند خاک ہوئی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کا نام "یوشع" اور "کالب بن قانیلہ" کہا ہے، یہ دونوں ان بارہ حضرات میں تھے، جن کو حضرت موسی علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے بارہ فرقوں پر نقیب مقرر کیا تھا۔ (۳)

---

(۱) تفسیر قرطبی :۱/۳۱۹۔
(۲) المائدة:۲۳۔
(۳) دیکھئے: تفسیر قرطبی :۶/۸۴۔

کیا حضرت مسیح علیہ السلام نامکمل ہادی تھے؟

سوال:- {247} جب حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی جامع نہیں تھی، تو آخر وہ اپنے عہد میں کیسے انسانیت کے ہادی ہوسکتے تھے؟ حالانکہ معلوم ہے کہ ہر پیغمبر اپنے زمانے کا ہادی ہوتا ہے۔ (محمد منصور، بنگلور)

جواب:- حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت کا اصل مقصد یہودیوں کی اصلاح اور ان میں در آنے والی اخلاقی برائیوں کا سد باب اور محمد ﷺ کی تشریف آوری کا مژدہ سنانا تھا، اور ان مقاصد کو حضرت مسیح علیہ السلام نے پوری طرح مکمل فرمایا، اس لئے جو ہدایت آپ سے مقصود تھی اس کی صلاحیت واہلیت آپ علیہ السلام کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھی، جہاں تک زندگی کے مختلف مسائل میں رہنمائی کی بات ہے اس کے لئے تورات موجود تھی؛ کیونکہ تورات کی شریعت آپ علیہ السلام کے ذریعہ منسوخ نہیں کی گئی، اور آپ علیہ السلام صاحب شریعت نبی نہیں تھے، (۱) اس لئے شریعتِ موسوی کے ساتھ آپ علیہ السلام کی نبوت میں تمام مسائل کا حل موجود تھا۔

کیا پہلے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات ناقص تھیں؟

سوال:- {248} آپ نے ایک موقع پر پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات کا دوسرے مذاہب سے تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے، اور ثابت کیا ہے کہ آپ کی تعلیمات مکمل تھیں، اس سے یہ

---

(۱) ﴿وَ اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ، فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ (الصف: ۶) تفصیل کے لیے دیکھئے: تفسیر قرطبی ۱۸/۵۵، نیز دیکھئے: معارف القرآن: ۸/۴۲۵) محشی۔

تاثر ملتا ہے کہ دوسرے پیغمبروں کی تعلیم ناقص تھیں،
حالانکہ ہر پیغمبر اپنے زمانے کے لئے مکمل ہادی ہوتا ہے۔

(بصیر احمد، انت پور)

جواب:- اس سلسلہ میں دو باتیں ذہن میں رکھنی چاہئیں: اول یہ کہ جب ہم محمد ﷺ کی سیرت کا دوسرے انبیاء کرام سے تقابل کرتے ہیں، تو اس میں پیغمبر اسلام ﷺ کی حقیقی سیرت کا دوسرے رسولوں اور نبیوں کی ''غیر محفوظ سیرت'' سے تقابل ہوتا ہے، ہم پچھلے مذاہب کے ان صحائف کی روشنی میں یہ بات کہتے ہیں جو انسانی ملاوٹوں اور آمیزشوں کی وجہ سے ان قدسی صفت انسانوں اور عالم بالا کے عظیم المرتبت سفیروں کی زندگی کی صحیح تصویر پیش نہیں کرتے؛ اس لئے یہ (نعوذ باللہ) خود ان کی حیات والا صفات پر تنقید نہیں بلکہ ان لوگوں پر تنقید ہے، جو اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور جو ان کی سیرت مبارکہ کی حفاظت میں خیانت کے مرتکب ہوئے ہیں، ورنہ تو اس میں شبہ نہیں کہ ہر پیغمبر کی حیات اپنے عہد کے لئے مکمل رہنما ہوتی ہے، اور تمام پیغمبروں پر ایمان اور ان کی تعظیم و احترام واجب ہے، اور اس کے بغیر کوئی شخص صاحب ایمان نہیں ہوسکتا۔

دوسرے حضور ﷺ سے پہلے کا عہد انسانی تہذیب و تمدن کی ناپختگی کا عہد تھا، اور آپ ﷺ کی نبوت کا عہد تہذیب انسانی کے اوج کمال پر پہونچنے اور تمدن آدمیت کے پختہ ہو جانے کا عہد ہے، ایک ایسا عہد جو پوری عالم انسانیت کو ایک محلہ اور ایک شہر کی طرح ایک دوسرے سے قریب کردے گا، چنانچہ اس ڈیڑھ ہزار سال کے عرصہ میں انسان نے علم و عقل، ایجادات و اختراعات اور اسرار کائنات کی تلاش و جستجو میں اتنا بڑا سفر طے کیا ہے کہ وجود عالم سے ولادت محمدی تک اس میدان میں انسان اس کا دسواں حصہ بھی سفر نہ کر سکا تھا؛ اس لئے یوں تو گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات بابرکات بھی اپنے زمانے کی ضرورتوں کے لحاظ سے مکمل تھیں، لیکن موجودہ عہد کے لئے وہ ناکافی ہے اور غالباً یہی منشاء ہے اس آیتِ باری کا:

﴿ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ﴾ (۱)

بعض انبیاء علیہم السلام کے نام پر نام رکھنا

سوال:- {249} عام مسلمانوں کے یہاں تمام انبیاء علیہم السلام کے نام رکھے جاتے ہیں، سوائے ان پیغمبروں کے، حضرتِ ہود علیہ السلام، لوط علیہ السلام، نوح علیہ السلام، شیث علیہ السلام کے نام کیوں نہیں رکھے جاتے ہیں؟

(محمد غوث الدین قدیر، سلاخ پوری)

جواب:- تمام انبیاء ں کے نام رکھے جانے کے لائق ہیں، ہود علیہ السلام، نوح علیہ السلام، لوط علیہ السلام اور شیث علیہ السلام نام تو رکھے جاتے ہیں، گو یہ نام کم مروج ہیں، قوم لوط جس شنیع گناہ میں مبتلا تھی، اس کی وجہ سے اس معذب قوم کی بداعمالی کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے، اس لئے یہ نام مروج نہیں، لیکن پیغمبر کی نسبت سے یہ نام رکھنا بھی درست ہے۔

(۱) المائدۃ: ۳۔

جنت اور اہل جنت سے متعلق سوالات

ایمان کے بغیر جنت

سوال:- {250} ایک صاحب کہتے ہیں کہ ہندو مسلمان، سکھ وعیسائی گناہوں کی سزا کاٹنے کے بعد سب جنت میں جائیں گے، کیا یہ صحیح ہے؟ (محمد ماجد علی)

جواب:- یہ خیال قطعاً گمراہی پر مبنی ہے، پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد جب تک کوئی شخص آپ ﷺ پر ایمان نہ لائے اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کو قبول نہ کرے جنت میں داخل نہیں ہوسکتا، خواہ وہ بظاہر کتنا بھی نیک کام کرے، ہاں! اگر ایمان رائی کے برابر بھی دل میں موجود ہو تو انجام کار ان شاء اللہ وہ جنت میں داخل کیا جائے گا۔(۱)

(۱) دیکھئے: مسلم : عن أبي سعيد الخدري ،حدیث نمبر:۳۰۴- " إن رسول الله ﷺ قال :يدخل الله أهل الجنة الجنة ، يدخل من يشاء برحمته ، و يدخل أهل النار النار ، ثم يقول : انظروا من وجدتم في قلبه مثقال حبة من خردل من إيمان فأخرجوه " عن أبي سعيد الخدري ، (صحيح مسلم ،حدیث نمبر:۳۰۴، باب اثبات الشفاعة و اخراج الموحدين من النار ، كتاب الإيمان) محشی۔

اس لئے اسلام لائے بغیر کوئی غیر مسلم جنت میں داخل نہیں ہوسکتا، یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے ایک شخص کتنا بھی شریف اور نیک ہو جب تک کسی ملک کی شہریت حاصل نہ کرے اس کو وہ شہری حقوق حاصل نہیں ہوسکتے، جو اس ملک میں اس سے کم تر لوگوں کو شہری ہونے کی حیثیت سے حاصل ہیں، اسی طرح گویا جنت کی شہریت ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو جنت بنانے والے کو ماننا اور اس کو اپنا رب اور اس کی بھیجی ہوئی شریعت کو اپنے لئے کامیابی کا واحد راستہ تسلیم کرتا ہو۔

کیا ہر مومن جنت میں داخل ہوگا؟

سوال:- (251) اگر مسلمان مرنے کے بعد گناہوں کی وجہ سے جہنم میں ڈالا گیا، تو کیا وہ دوبارہ جنت میں داخل کیا جائے گا؟ میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ ہر مسلمان بہر حال جنت میں داخل ہوگا۔ (سید سمیع، میدک)

جواب:- حضرت انس ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جس نے لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ کہا اور اس کے دل میں جَو کے برابر بھی نیکی ہو، وہ دوزخ سے نکالا جائے گا، جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا ہو اور اس کے دل میں گیہوں کے برابر بھی نیکی ہو، وہ دوزخ سے نکالا جائے گا، جس نے لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ کہا ہو اور اس کے دل میں رائی کے دانہ برابر بھی نیکی ہو وہ دوزخ سے نکالا جائے گا"(۱)

---

(۱) "عن النبي ﷺ قال : يخرج من النار من قال لا إله إلا الله ، و في قلبه وزن شعيرة من خير ، يخرج من النار من قال لا إله إلا الله ، و في قلبه وزن برة من خير ، و يخرج من النار من قال لا إله إلا الله ، و في قلبه وزن ذرة من خير" عن أنس ﷺ ، (صحيح البخاري ، حدیث نمبر:۴۴، باب زيادة الإيمان و نقصانه) محشی۔

اس لئے اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام مسلمان جن پر ایمان کی حالت میں موت آئی ہو، انجام کار انشاء اللہ ضرور جنت میں داخل ہوں گے، جو لوگ ایمان کے ساتھ ساتھ عمل صالح کا بھی اہتمام کریں گے، اور اپنے آپ کو گناہوں سے بچائیں گے، وہ شروع ہی سے جنت میں جائیں گے اور جو لوگ ایمان کے ساتھ ساتھ گناہ کے بھی مرتکب ہوے، اگر اللہ چاہے تو اپنے کرم سے انہیں معاف کردے، وَرنہ وہ دوزخ میں داخل کئے جائیں گے اور اپنے گناہوں کی سزا پانے کے بعد پھر انشاء اللہ دوزخ سے نکال کر جنت میں لائے جائیں گے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان گناہ پر جری ہوجائے کہ آخر تو چند روزہ سزا کے بعد جنت میں جانا ہی ہے، کیونکہ یہ چند دنوں کی سزا بھی ایسی شدید اور نا قابل برداشت ہوگی کہ انسان اس دنیائے فانی میں ان کا تصور بھی نہیں کرسکتا، اللہ تعالی ہم سب کی دوزخ سے حفاظت فرمائے!

ایمان کی بدولت جنت میں

سوال:- {252} کیا ایک مسلمان دنیا میں بغیر نماز پڑھے جنت میں داخل ہوسکتا ہے؟ ہم نے ایک حدیث سنی ہے کہ کسی شخص کے اندر ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا، تو اس کی مغفرت ہوجائے گی، کیا یہ صحیح ہے؟ (سید تبریز بخشی، عنبر پیٹ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

''جس شخص نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھا، وہ جنت میں داخل ہوگا، چاہے اس سے زنا اور چوری کا جرم بھی سرزد ہوا ہو'' (۱)

(۱) " قال رسول اللہ ﷺ : أتاني آت من ربي ، فأخبرني أو قال : بشرني ، أنه من مات من أمتي لا يشرك بالله شيئا دخل الجنة ، و إن زنى و إن سرق ؟ قال : و إن زنى و إن سرق " عن أبي ذر ؓ ، (صحيح البخاري ، حدیث نمبر: ۱۲۳۷، باب فی الجنائز ، کتاب الجنائز، نیز دیکھئے: صحيح مسلم ، حدیث نمبر: ۹۴، باب من مات لا يشرك بالله شيئا دخل الجنة ، و من مات مشركا بالله دخل النار ، كتاب الإيمان) محشی۔

نیز حضرت انس ﷺ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جہنم میں جو مسلمان بہ طور سزا کے داخل کئے جائیں گے، اللہ تعالی فرمائیں گے کہ ان میں سے جس کے دل میں ایک جَو، ایک گیہوں یا ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو، انہیں جہنم میں سے نکالو'' (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان اور صاحب ایمان انشاء اللہ انجام کار ضرور جنت میں داخل ہوں گے، لیکن جو لوگ نماز کا اہتمام نہیں کریں گے، یا کسی اور گناہ کا ارتکاب کریں گے، انہیں پہلے جہنم میں ان کے گناہ کی سزا دی جائے گی، اس کے بعد جنت میں داخل کیا جائے گا؛ اس لئے حضور ﷺ کی اس بشارت کی وجہ سے اپنے گناہوں سے بے پرواہ نہ ہو جانا چاہئے، اور ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا

سوال:- {253} آج کا سپلیمنٹ منارۂ نور میں، میں نے اقوال زریں پڑھا، جس میں لکھا گیا ہے: ''جو آدمی خونی رشتوں سے قطع تعلق کرے وہ جنت میں داخل نہ ہوگا'' میری ایک چھوٹی سی سمجھ کے مطابق دو بھائی، دو بہن یا بھائی بہن کا رشتہ ہی خونی رشتہ ہے یا خالہ، چچا، ماموں، پھوپھا کا بھی خونی رشتہ ہے؟ (م،ن،ش، گلبرگہ)

---

(۱) الجامع للترمذی:۲/۸۶، " عن النبي ﷺ قال: يخرج من النار من قال لا إله إلا الله، و في قلبه وزن شعيرة من خير، يخرج من النار من قال لا إله إلا الله، و في قلبه وزن برة من خير، و يخرج من النار من قال لا إله إلا الله، و في قلبه وزن ذرة من خير " عن أنس ﷺ، (صحيح البخاري، حدیث نمبر:۴۴، باب زيادة الإيمان و نقصانه، كتاب الإيمان) محشی۔

جواب:- غالباً حضرت جبیر بن مطعم ﷺ کی حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ جس کو مشکوۃ شریف میں بخاری اور مسلم کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لا یدخل الجنة قاطع ''(۱) ''قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا'' قطع رحمی سے مراد رشتہ داروں کے ساتھ بے تعلقی برتنے اور حسن سلوک نہ کرنے کے ہیں، خواہ بالکل قریبی رشتہ دار ہو، جیسے: بھائی، بہن، یا نسبتاً کچھ دور کے رشتہ دار، جیسے ماں باپ کے بھائی و بہن، یا اس سے بھی زیادہ دور کے رشتہ دار۔ رشتہ دار جو بھی ہو ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہئے، اور بے تعلقی سے بچنا چاہئے، البتہ جو جتنا قریبی رشتہ دار ہوگا، اسی نسبت سے اس کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہوگی، اور بے تعلقی برتنے کا گناہ ہوگا، صرف بھائی بہن ہی سے قطع رحمی اس حدیث میں مراد نہیں۔

جنت کے دروازے

سوال:- {254} جنت میں کتنے دروازے ہیں؟

(الطاف احمد صوفی، قاضی پیٹ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ جب مسلمان کے تین بچوں کی بلوغ تک پہنچنے سے پہلے ہی موت ہو جائے تو وہ جنت کے آٹھ دروازوں میں سے جس سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔ (۲) اس سے معلوم ہوا کہ جنت کے مرکزی دروازے آٹھ ہیں، دوسری حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دروازے مختلف نیک اعمال سے موسوم ہوں گے، جیسے:

---

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۹۸۴، عن جبیر بن مطعم ﷺ، باب إثم القاطع، کتاب الأدب، نیز دیکھئے: صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۵۵۶۔ محشی۔

(۲) "سمعت رسول الله ﷺ يقول: ما من مسلم يموت له ثلاثة من الولد، لم يبلغوا الحنث إلا تلقوه، من أبواب الجنة الثمانية، من أيها شاء دخل" عن عتبة بن عبد السلمي، (سنن ابن ماجة، حدیث نمبر: ۱۶۰۴، باب ماجاء في ثواب من أصيب بولده، كتاب الجنائز) محشی۔

باب الصلوۃ، باب الزکوۃ، باب الحج ، جو دروازہ روزہ سے موسوم ہوگا اس کا نام ہوگا ''باب الریان'' ریان کے معنی سیراب کرنے والے کے آتے ہیں،(۱) روزہ دار چوں کہ روزہ کی حالت میں اللہ کے لئے پیاس کی شدت کو برداشت کرتا ہے، اس لئے اسی مناسبت سے اس کو ''باب الریان'' کہا گیا، غرض کہ یوں تو ہر شخص کو تمام فرائض انجام دینے ہیں، لیکن جس پر جس نیکی کا غلبہ ہوگا اس کو اسی دروازہ سے جنت میں داخل کیا جائے گا۔''اللھم ادخلنا الجنة وأجرنا من النار''۔

آخرت میں رشتہ داروں کی پہچان اور اہل جنت کی عمر

سوال:- {255} کیا ہم آخرت میں اپنے والدین اور عزیز و اقارب کو پہچان سکتے ہیں ؟ اور ان سے ملاقات کرنے کا موقع ملے گا؟ کیا والدین اپنی اولاد کو پہچانیں گے؟ والدین اور اولاد کی عمر میں کیا فرق رہے گا؟

(معز الدین ،گلبرگہ شریف)

جواب:- حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جنت ایک دوسرے کو پہچانیں گے، اور حساب و کتاب سے پہلے بھی لوگ ایک دوسرے کو پہچان سکیں گے، لیکن اس روز ایسا نفسی نفسی کا عالم ہوگا کہ لوگ اپنے قریب ترین رشتہ داروں سے پیچھا چھڑائیں گے، اور ہر شخص کو اپنی فکر دامن گیر ہوگی، حضرت معاذ بن جبل ؓ سے روایت ہے کہ

---

(۱) " أن رسول الله ﷺ قال :من أنفق زوجين في سبيل الله نودي من أبواب الجنة يا عبد الله هذا خير فمن كان من أهل الصلاة دعي من باب الصلاة و من كان من أهل الجهاد و دعي من باب الجهاد ، و من كان من أهل الصيام دعي من باب الريان ، و من كان من أل الصدقة دعي من باب الصدقة الخ " (صحيح البخاري ،حدیث نمبر:۱۸۹۷،باب : الريان للصائمين) محشی۔

"جنت میں تمام لوگ ایسی ہیئت میں داخل ہوں گے کہ ان
کی عمر تیس یا تینتیس سال کی ہوگی"(۱)

اس نئی زندگی میں چونکہ سارے لوگ ایک ساتھ زندہ کئے جائیں گے، اس لئے ان میں عمر کا تفاوت نہیں ہوگا، اس دنیا میں چونکہ انسان کی پیدائش یکے بعد دیگرے ہوتی ہے، اس لئے عمر میں تفاوت پایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

جنت میں حوریں اور بیویاں

سوال:- {256} نیک مردوں کو جنت میں حوریں ملیں گے، تو نیک عورتوں کو جنت میں کون ملیں گے، کیا جنت میں حوروں کی الگ مخلوق ہوگی یا دنیا کی نیک عورتیں ہی مرنے پر حوروں کی صورت اختیار کرلیں گے؟ (غوثیہ سلطانہ، ٹولی چوکی)

جواب:- مردوں کے لئے ایک سے زیادہ بیویوں کا ہونا، غیرت و شرافت کے خلاف نہیں، لیکن عورتوں کے لئے ایک سے زیادہ شوہروں کا ہونا غیرت وحیا کے خلاف ہے؛ اس لئے جنت میں مردوں کو تو کئی بیویاں اور حوریں ہوں گی، لیکن عورتوں کے لئے ایک ہی شوہر ہوں گے، اور اس میں کئی مردوں کی استعداد پیدا کردی جائے گی — جہاں تک حوروں کی بات ہے، تو حدیثوں سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ یہ حوریں بیویوں کے علاوہ ہوگی، البتہ جو مؤمن مرد وعورت جنت مین داخل ہوں گے، اللہ تعالی جہاں ان کو بہتر کھانے، عمدہ لباس اور خوبصورت رہائش گاہیں عنایت فرمائیں گے وہیں ان کی پسندیدہ شکل وصورت سے بھی انہیں سرفراز کیا جائے گا، اس لئے وہ حوروں سے کم تر نہ ہوں گی، بلکہ ان کا اعزاز واکرام حوروں سے بڑھ کر ہوگا۔

---

(۱) "إن النبي ﷺ قال: يدخل أهل الجنة الجنة جردا مردا مكحلين أبناء ثلاثين أو ثلاث و ثلاثين سنة" عن معاذ بن جبل ﷺ، (الجامع للترمذی، حدیث نمبر: ۲۵۴۵، باب ما جاء في سن أهل الجنة، کتاب صفة الجنة۔ محشی۔

جنت میں غسل جنابت ہے؟

سوال:- {257} (الف) جنت میں مردوں کو حوریں ملیں گی تو عورتوں کو کیا ملے گا؟

(ب) دنیا میں بول و براز کی حاجت رہتی ہے، جنت میں اس کی حاجت نہیں ہوگی، لیکن جنت میں بھی جنتی حضرات جنسی خواہش پوری کریں گے، تو کیا وہاں بھی غسل فرض ہوگا؟

(م، ن، ش، گلبرگہ)

جواب:- جنت کے جن احوال کا قرآن وحدیث میں ذکر نہیں، ان کی کھوج میں پڑنا بے فائدہ عمل ہے، اس کے بجائے ان اعمال کی طرف متوجہ ہونا چاہئے جو انسان کو جنت میں لے جانے والے ہیں، آپ کے سوال کا مختصر جواب اس طرح ہے:

(الف) مردوں کے لئے ایک سے زیادہ عورتوں کا ہونا باعث عار نہیں، اس لئے ان کے لئے حوریں ہوں گی، عورتوں کے لئے ایک سے زیادہ شوہر کا ہونا باعث ننگ و عار ہیں؛ اس لئے ان کے لئے ایک ہی شوہر ہوگا، البتہ جنت میں مردوں کی جنسی قوت میں بھی غیر معمولی اضافہ ہو جائے گا۔(۱)

(ب) شریعت کے جو احکام ہیں، یعنی کسی بات کا فرض و واجب یا حرام و مکروہ ہونا وغیرہ، یہ دنیا سے متعلق ہے، کیونکہ دنیا میں خواہش نفس کے مطابق چلنے کی اجازت نہیں، بلکہ نفس کی خواہش پر اللہ کے حکم کو غالب رکھ کر امتحان میں کامیابی کا ثبوت فراہم کرنا ہے، بخلاف

---

(۱) "عن النبي ﷺ قال :يعطى المؤمن فى الجنة قوة كذا و كذا من الجماع، قيل: يا رسول الله ﷺ ! أوَ يطيق ذلك ؟ قال : يعطى قوة مائة " عن أنس ﷺ، (الجامع للترمذي ، حدیث نمبر:۲۵۳۶،باب ما جاء في صفة جماع أهل الجنة ، أبواب صفة الجنة) محشی۔

جنت کے کہ وہاں نہ کوئی چیز فرض ہوگی، نہ حرام، اور انسان اپنی خواہشات نفس میں آزاد ہوگا، ﴿مَا تَشْتَهِيٓ اَنْفُسُكُمْ﴾ (۱)، کیونکہ جنت اتنی وسیع ہے کہ وہاں ہر شخص کے لئے اپنے خواہش نفس کو پورا کرنا ممکن ہوگا، اور اس سے کوئی ٹکراؤ پیدا نہ ہوگا۔

جنت میں مردوں کی قوت

سوال:- {258} حدیث شریف میں ہے کہ ایک جنتی کو ستر حوریں عطا کی جائیں گی، کیا جنتی کی قوت باہ میں اضافہ کردیا جائے گا؟ (محمد عبدالعزیز، یاقوت پورہ)

جواب:- حضرت انس ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اہلِ جنت کو سو مردوں کی طاقت عطا فرمائی جائے گی'' ''یعطی قوة مائة'' (۲) اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں بیویوں اور حوروں کی تعداد کی نسبت سے ان کی قوت میں بھی اضافہ کردیا جائے گا۔

قیامت میں سب سے پہلے کسے کپڑا پہنایا جائے گا؟

سوال:- {259} میدان حشر میں تمام لوگ برہنہ تن رہیں گے، تو سب سے پہلے کس کو کپڑا پہنایا جائے گا؟

(رشید احمد خان، بھینسہ)

جواب:- حضرت عبداللہ عباس ﷺ سے مروی ہے کہ ''تم لوگ قیامت کے دن ننگے پاؤں، بے لباس اور غیر

---

(۱) فصلت :۳۱۔

(۲) الجامع للترمذی ،حدیث نمبر:۲۵۳۶، عن أنس ﷺ ،باب ما جاء في صفة جماع أهل الجنة ، أبواب صفة الجنة ۔

مختوں جمع کئے جاؤگے، تو سب سے پہلے قیامت کے دن
جن کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے"

" أول من يكسى يوم القيمة ابراهيم " (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتیازات میں سے ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے آپ علیہ السلام ہی کو لباس پہنایا جائے گا۔

۞ ۞ ۞ ۞ ۞

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۳۳۴۹، مسلم، حدیث نمبر: ۷۰۲۱۔

" عن النبي ﷺ قال : إنكم محشورون حفاة عراة غرلا ، ثم قرأ : ﴿ كما بدأنا أوّل خلق نعيده وعدا علينا انا كنا فاعلين ﴾ و أول من يكسى يوم القيامة ابراهيم " عن عبد الله بن عباس ؓ، (صحيح البخاری، حدیث نمبر: ۳۳۴۹، باب قال الله تعالیٰ : ﴿ و اتخذ الله ابراهيم خليلا ﴾، كتاب احاديث الانبياء، نیز دیکھئے: صحيح مسلم، حدیث نمبر: ۲۸۶۰۔ محشی۔

دروس القرآن

فی شہر رمضان

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن شہید رحمہ اللہ

تقریظ

مفسر قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری دامت برکاتہم

ترتیب وتحقیق

مولانا محمد اصغر کرنالوی

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

ناظم اعلیٰ معہد الارشاد اسلامی (مہاجر مکی مسجد) صدر کراچی

زمزم پبلشرز

قاموس الفقہ

اُردو زبان میں مُرتب ہونے والی فقہ اسلامی کی پہلی انسائیکلوپیڈیا،
جس میں فقہی اصطلاحات، حُروفِ تہجی کی ترتیب سے فقہی اَحکام حسبِ
ضرورت اَحکامِ شریعت کی مَصالح اور معاندینِ اسلام کے شبہات
کے رَد پر روشنی ڈالی گئی ہے اور مذاہبِ اَربعہ کو اُن کے اصل مَاخذ
سے نقل کیا گیا ہے۔ نیز جدید مسائل اور اُصولی مَباحث پر خصوصی توجّہ
دی گئی ہے۔ ہر بات مُستند حوالہ کے ساتھ دِل آویز اُسلوب اور عام فہم زبان۔

تالیف

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ناشر
زمزم پبلشرز
نزد مُقدس مسجد اُردو بازار کراچی

مستند کتب فتاویٰ کے حوالوں کے ساتھ مکمل و تخریج شدہ

جدید نظرثانی شدہ ایڈیشن

جدید فقہی مسائل

عبادات، معاشرت، معاشیات اور سیاسی و اجتماعی زندگی سے متعلق پیدا ہونے
والے جدید فقہی مسائل کا حل!

بڑا قابل قدر کام ہے
مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
صدر مدرسہ دارالعلوم سبیل السلام
(حیدرآباد دکن)

نظرثانی شدہ
مفتی عبدالمنان صاحب
(استاذ الحدیث دارالعلوم حسینیہ شہدادپور)

زمزم پبلشرز

ضروری یادداشت

آیئے ہم ایک دوسرے کے مددگار بنیں......

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی قدر محترم جناب.............................. اُمید ہے کہ مزاج بخیر وعافیت ہوں گے

آپ اور آپ کی آراء ہمارے لئے بہت اہم ہیں۔ بہت خوشی ہوگی کہ آپ ہمیں اس کتاب سے متعلق اپنی کوئی قیمتی رائے......اصلاحی تجویز......اور مفید بات بتائیں۔ یقیناً آپ اس سلسلے میں ہمارے ساتھ تعاون فرما کر ان شاء اللہ تعالیٰ ادارہ کی کتب کے معیار کو بہتر سے بہتر بنانے میں مددگار بنیں گے۔

اُمید ہے جس جذبہ سے یہ گزارش کی گئی ہے اسی جذبہ کے تحت اس کا عملی استقبال بھی کیا جائے گا اور آپ ضرور ہمیں جواب لکھیں گے۔

■ کتاب کا تعارف کیسے ہوا؟ ....

■ کیا آپ نے اپنے محلّہ کی مسجد......لائبریری......یا مدرسہ/اسکول......میں اس کتاب کو وقف کر کے یا کسی رشتہ دار وغیرہ کو تحفہ میں دے کر علم پھیلانے میں حصہ لیا؟..............اگر نہیں تو آج ہی یہ نیک کام شروع فرمائیں۔

■ کتاب پڑھ کر آپ نے کیا فائدہ محسوس کیا؟ ....

کتاب کی تیاری میں مدد کرنے والے ناشر اور پڑھنے والوں کے لئے دعائیں تو کرتے ہونگے؟

کتاب میں اگر کوئی غلطی آپ کی نظر سے گزری ہو تو مندرجہ ذیل چارٹ میں تحریر فرمادیں تو عنایت ہوگی۔

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلطی کی نوعیت

ڈاک پتہ ________________ تاریخ ____________

نام ________________ پتہ ________________

____

اس پتہ پر خط پوسٹ فرما کر آپ بھی نیکی اور علم پھیلانے میں معاون بن سکتے ہیں۔
ہمت کیجئے اور اپنے مفید مشورہ اور دعا سے ادارہ کا تعاون کیجئے۔

Zam Zam Publishers
Urdu Bazar Karachi. Postal Code: 74200
Phones: +9221-2760374, +9221-2761671
Fax: +9221-2725673, Email: zamzam01@cyber.net.pk

زمزم پبلشرز
نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی